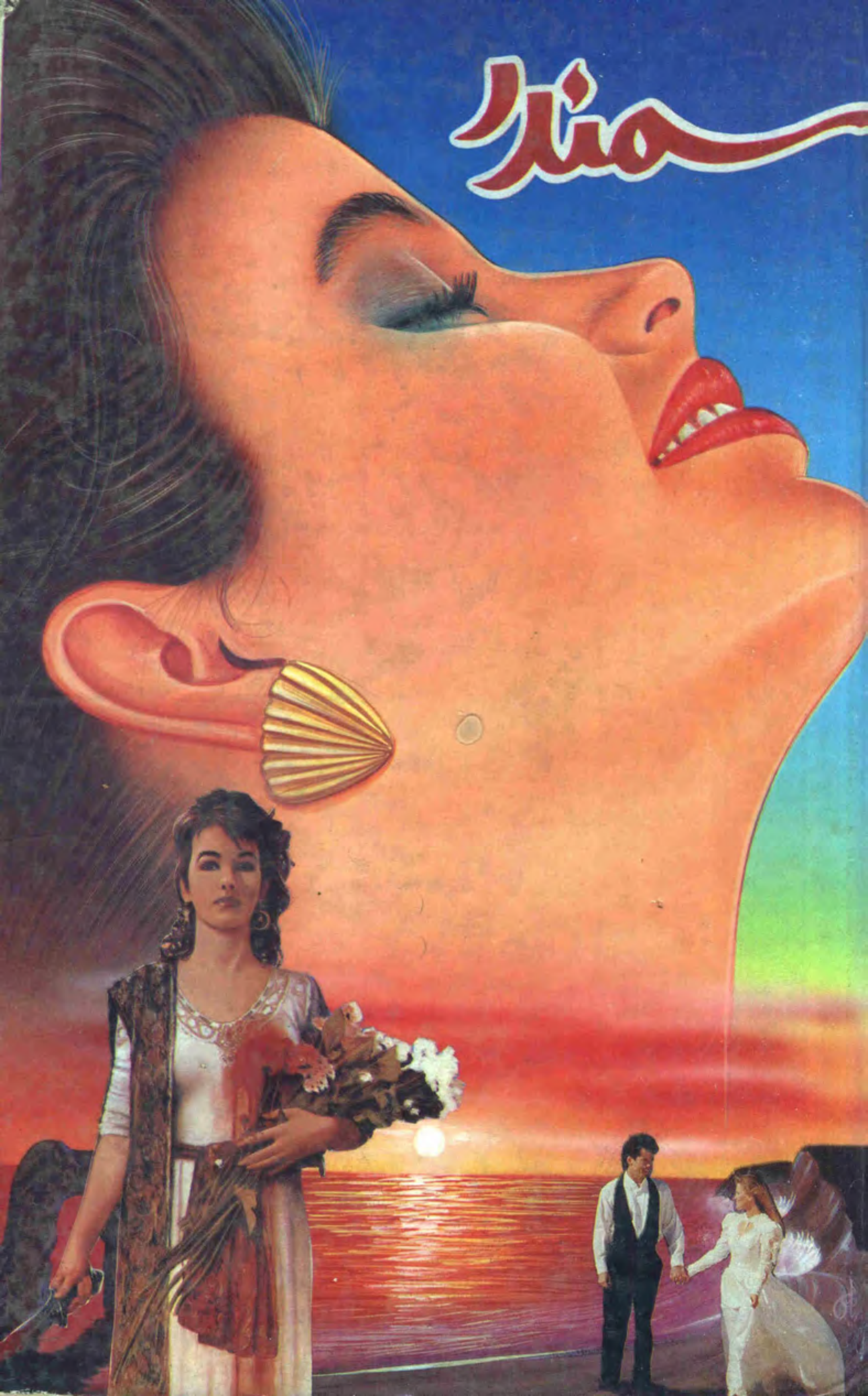


دیباچہ

بنیادی طور پر یہ ایک سماجی کہانی ہے۔ ایک لڑکی کا قصہ ہے جس کی زندگی میں وہی محرومیاں ہیں جو ہمارے معاشرے میں رہنے والی کسی بھی لڑکی کی زندگی میں ہو سکتی ہیں لیکن میں نے اس کہانی میں سائنس فکشن کی آمیزش کرکے اسے ایک تجرباتی کہانی بنادیا ہے۔ کیا یہ سب کچھ سچ بھی ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ انسان کی سوچ میں، اس کے خیال میں بڑی طاقت پوشیدہ ہے۔ اس دنیا کا بیشتر کھیل تماشا، یہاں کی اونچ نیچ، غم اور خوشیاں، ہر طرح کی ہلچل، ہر طرح کا تغیر و تبدل، سب کے پیچھے سب سے زیادہ انسان کی سوچ کی طاقت ہی کارفرما ہے۔ انسان کی سوچ ہی کبھی کبھی ایک نئی دنیا بھی تخلیق کر سکتی ہے.......... یا اسے پہلے سے آباد کسی ایسی انوکھی دنیا میں لے جا سکتی ہے جس تک دوسرے عام انسانوں کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ مجھے امید ہے آپ اس لڑکی کی اداس سی دنیا میں اس کے ساتھ سفر کریں گے اور اس جہانِ حیرت میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے ہر اچھوتے تجربے سے دوچار ہوں گے۔

محمود احمد مودی

پیش لفظ

داستان گوئی صدیوں سے پرانا فن ہے۔ قدیم زمانے میں داستان گو لوگوں کو اکٹھا کر لیتے اور ان کے سامنے کوئی نہ کوئی داستان چھیڑ دیتے۔ وہ اپنے فن میں طاق ہوتے تھے۔ ان کا انداز بیان ایسا سحر انگیز ہوتا تھا کہ لوگ ساری ساری رات اپنی جگہ سے ہلتے بھی نہیں تھے اور مسحور ہو جاتے تھے۔ موجودہ دور میں ناول نگاری اسی قدیم فن کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

موجودہ دور الیکٹرانک میڈیا کی حکمرانی کا دور ہے۔ اور اس نے عوام الناس کو اپنے سحر میں بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اس دور میں پرنٹ میڈیا کی کامیابی کسی معجزے سے کم نہیں۔ اس کامیابی میں ہمارے قلمکار حضرات اور پبلشرز کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان معدودے چند قلم کاروں میں محترم محمود احمد مودی ایک معتبر نام ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ قاری کو اپنی تحریر کے سحر سے مسحور کرنے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ "سمندر" کی کہانی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قرآن پاک میں "رب العالمین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تمام جہانوں کا رب۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف ایک ہی جہان نہیں ہے اور بھی کئی دنیائیں آباد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب مخلوق آباد ہے اور ابھی تک انسان ان سے لاعلم ہے۔ "سمندر" میں ایسے ہی دو جہانوں کی مخلوق کا ذکر ہے۔

کہانی اس وقت دلچسپ مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے جب معاشرے کی ٹھکرائی ہوئی اور معاشرتی ناہمواریوں کی شکار ایک آدم زادی پر ایک پراسرار مخلوق مہربان ہو جاتی ہے۔ اس مخلوق کی پراسرار قوتوں کی بدولت لڑکی دولت اور شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے۔ کہانی اس وقت سنسنی خیزی کی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے جب سمندر کے نیچے سے آنے والا انسان اس لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ جہاں رقابت کا جذبہ ہو وہاں خون بہے بغیر نہیں رہتا۔

کہانی اگرچہ افسانوی ہے لیکن حقیقت سے زیادہ دلچسپ ہے۔ داستان طرازی کے ساتھ ساتھ مثبت اور تعمیری پہلو کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ مصنف کا ہاتھ اپنے معاشرے کی نبض پر محسوس ہوتا ہے۔

صحیح منصف تو قارئین ہی ہیں جو کہانی پڑھنے کے بعد فیصلہ دیں گے۔

ادارہ

ارمانوں کے بند دروازوں پر آج پھر کوئی ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ زندگی کے جھلتے ہوئے صحرا میں ڈاکٹر زبیری کا تصور ایک خنک جھونکے کی طرح در آیا تھا۔

پلنگ پر لیٹے لیٹے ساجدہ نے ایک طویل انگڑائی لی اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ سوچوں کے دروازے بند رکھنا چاہتی تھی مگر نہ جانے کس چور دروازے سے ایک جانا پہچانا چہرہ بار بار تصور کی دنیا میں چلا آتا تھا۔ بھوری آنکھیں' اجلی اجلی سی رنگت' ہونٹوں پر ایک مہربان مگر اداس سی مسکراہٹ' بالوں میں ہلکا سا سنہرا پن۔ اور لہجے میں واقعی مسیحاؤں کی سی ملائمت۔

یہ ڈاکٹر زبیری کا چہرہ تھا۔

ساجدہ کی دوست کنول نے اسے ڈاکٹر زبیری سے متعارف کرایا تھا۔ "سجو! ان سے ملو۔ یہ ہیں ڈاکٹر زبیری! انہیں اپنی بچیوں کے لئے ٹیوٹر کی نہیں' ایک مشفق و مہربان دوست کی ضرورت ہے جو ان کے معصوم ذہنوں میں پیدا ہو جانے والے خلا کو پر کر سکے۔"

پھر وہ ڈاکٹر زبیری کو ساجدہ کے بارے میں بتانے لگی تھی کہ اس نے نفسیات میں ایم اے کیا ہے۔ یہ کیا ہے وہ کیا ہے۔ ساجدہ کو بڑی الجھن سی ہوئی تھی اور اس نے قدرے بیزاری سے سوچا تھا۔ "یہ ٹیوشن پڑھانا بھی کوئی زیادہ معززانہ کام نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آپ کو ترحم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت ہی زیادہ مجبور قسم کی مخلوق سمجھتے ہیں۔"

لیکن غنیمت تھا کہ ڈاکٹر زبیری یا ان کے گھر کے کسی فرد نے اس قسم کا کوئی تاثر نہیں دیا تھا ورنہ شاید وہ پہلی ملاقات کے بعد دوبارہ ان کے ہاں نہ جاتی پھر بھی اسے ایک لمحے کے لئے خیال آیا تھا کہ اسے کوئی ملازمت ہی تلاش کرنی چاہئے۔ مگر پھر ملازمت کے تصور سے ہی اسے حلق میں کڑواہٹ گھلتی محسوس ہوتی تھی۔

اس کی کئی سہیلیاں اور شناسا لڑکیاں ملازمتیں کر رہی تھیں۔ اپنی اپنی جگہ بہت خوش

تھیں۔ کوئی پریشان نہیں تھی۔ مگر ساجدہ کی بدقسمتی تھی کہ اس کا ملازمت کا پہلا ہی تجربہ کچھ زیادہ خوشگوار ثابت نہیں ہوا تھا اور اس نے ملازمت سے ہی توبہ کرلی تھی۔

وہ' اے بی سنز' میں پیکنگ سپروائزر کے طور پر ملازم ہوئی تھی۔ یہ ملازمت اس نے بڑی جاں سوز تگ و دو کے بعد حاصل کی تھی۔ اس تگ و دو کے راستے میں اسے کئی ملازمتوں کی پیشکش ہوئی مگر ہر ایک کی تہہ میں اسے کوئی نہ کوئی اندیشہ کلبلاتا محسوس ہوا تھا۔ بالآخر یہ پیکنگ سپروائزر والی ملازمت کم تنخواہ اور کم افسرانہ شان کے باوجود اس کے دل کو بھاگئی تھی۔ اس نے نفسیات میں ایم اے کیا تھا۔ بی اے تک انگریزی میں ہمیشہ مثالی نمبر لئے تھے مگر آخر کار وہ پیکنگ سپروائزر بن گئی تھی اور پھر بھی اپنی جگہ خوش تھی!۔

جب اسے پہلی تنخواہ ملی تھی تو پہلا احساس یہی ہوا تھا جیسے اس نے ابو کی پریشانیوں کے اندھیرے میں آس کا ننھا سا چراغ روشن کردیا ہو۔ اس کے والد کلرک تھے اور ان کی کلائی پر تین جوان لڑکیوں کی تعلیم کے اخراجات اور گھر کی تمام ضروریات کا انحصار تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا کہ کبھی وہ سجو کے لئے نئی چپلیں نہیں لاسکتے یا فرحی کے امتحان کے لئے بروقت فیس کا انتظام نہیں کرسکتے تھے یا عذرا کو ایک کے بجائے دو یونیفارم لا کر انہیں دے سکتے تھے۔ ساجدہ نفسیات میں ایم اے کرنے کے بعد فارغ بیٹھنے کے بجائے انگریزی میں ایم اے کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ مزید پڑھنا ابو کی پریشانیوں میں اضافے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ اس نے چپکے چپکے جدوجہد کرکے اے بی سنز میں ملازمت کرلی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگر حالات نے اجازت دی تو وہ پرائیویٹ طور پر دوسرا ایم اے کرلے گی۔ تعلیم ہی اس کے لئے زندگی کی بے مقصدیت اور خالی پن کو بھلانے کا بہترین ذریعہ تھی۔ وہ اسے چھوڑتی بھی تو کس طرح؟۔

ملازمت میں دو ماہ تو خیریت سے گزر گئے۔ اس کے بعد جنرل مینیجر صاحب بذات خود ڈیپارٹمنٹ کے کئی کئی چکر لگانے لگے۔ کبھی ساجدہ کو ہدایات دے رہے ہیں۔ کبھی خواہ مخواہ ٹائپسٹ کے پاس کھڑے آدھا آدھا گھنٹہ گزار رہے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ساجدہ ہدایات کے بغیر زیادہ بہتر طور پر کام کرسکتی ہے تو اسے ضرورت سے زیادہ اپنے آفس میں طلب کرنے لگے۔

آخر چاہتا کیا ہے یہ کچھوا نما آدمی؟ ایک روز ساجدہ نے بہت دیر تک سوچا۔ وہ جب بھی اس کے آفس میں جاتی' وہ مدھم روشنی میں ایک شاندار میز کے عقب میں اپنی توند چھپائے بیٹھا ہوتا۔ باتیں کرنے کے دوران وہ ہاتھوں کو بہت ہلاتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تین انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں ہوتی تھیں جو کثرت سگریٹ نوشی سے پیلی ہوجانے والی سانولی انگلیوں پر بری لگتی تھیں۔ مگر وہ ان کی نمائش کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

"ہاں تو مس ساجدہ! میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ" وہ اپنی پیلاہٹ زدہ آنکھوں سے اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے اپنے چھدرے دانتوں کی نمائش کرتا۔ ساجدہ سنجیدگی سے اس کی گہری نظروں کا جائزہ لیتی رہتی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی بات کا مطلب وطلب کچھ نہیں ہوتا تھا یا پھر شاید اس کی باتوں کا جو بھی مطلب تھا اس سے انجان بنے رہنے میں ہی عافیت تھی۔

صرف یہی کچھ ہوتا تو شاید ساجدہ مجبوراً برداشت کرلیتی لیکن جب وہ جی ایم کے کمرے میں حاضری دے کر واپس پہنچتی تو ڈیپارٹمنٹ کے کلرک اور ٹائپسٹ وغیرہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہتے' مسکراتے اور کام کے دوران دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے رہتے۔

کافی عرصے تک وہ اندر ہی اندر سلگتی رہی لیکن کب تک؟ ڈھیٹ بن کر رہنے کا فن اسے کچھ زیادہ نہیں آتا تھا۔ چوتھے مہینے وہ کیشیئر سے تنخواہ لے کر سیدھی جی ایم کے آفس میں گئی اور استعفیٰ اس کی میز پر پٹخ کر بولی۔ "اب مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ لڑکیاں اس کمپنی میں کام کرتی کیوں نظر نہیں آتیں۔ کوئی خوددار اور شریف لڑکی یہاں کام نہیں کرسکتی۔"

جی ایم کو ہکا بکا چھوڑ کر وہ چلی آئی۔

پھر ایک روز اس نے کنول سے کہا۔ "تم مجھے کسی ایک ہی آسودہ حال گھر کے دو چار بچوں کی ٹیوشن نہیں دلاسکتیں جس میں ایک چھوٹی موٹی ملازمت جتنے ہی پیسے مل جائیں؟۔"

کنول اس کی آسودہ حال دوست تھی مگر اس کے گھر میں بچے نہیں تھے۔ وہ قدرے چونک کر بولی۔ "کیوں سروس سے دل بھر گیا تمہارا؟"

"گولی مارو سروس کو۔ تم میری بات کا جواب دو۔" ساجدہ کا موڈ بہت خراب تھا۔ اس نے کنول کو نہیں بتایا تھا کہ وہ جاب چھوڑ چکی ہے۔

کنول ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "ہمارے دور کے ایک رشتے دار ہیں ڈاکٹر زبیری' دو بچیاں ہیں۔ بیوی کا انتقال ہوچکا ہے۔ وہ کوئی ایسی ٹیوٹر چاہتے ہیں جو تعلیم کے ساتھ بچیوں کی تربیت کے لئے بھی کچھ وقت دے سکے۔ دوسری شادی وہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور انہیں معلوم ہے کہ نوکروں کے سر پر بچوں کی اچھی تربیت نہیں ہوسکتی۔ خود وہ بہت مصروف ڈاکٹر ہیں۔ بچوں کو زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ اس مقصد کے لئے ٹیوشن فیس وہ تمہاری تنخواہ سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں۔"

بس ٹھیک ہے کیسے لوگ ہیں؟ نو دولتیوں کی طرح مغرور اور نک چڑھے تو نہیں ہیں؟"

"توبہ کرو' ان کی امی تو اتنی پیاری ہیں کہ ان کے پاس بیٹھے ہی رہنے کو دل چاہتا ہے۔ گم گشتہ پرانی تہذیب کی بچی کھچی نشانی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم بات کرلینا۔" ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔

کنول نے ڈاکٹر زبیری سے اس کی ملاقات کرا دی اور پھر اگلی ہی شام آکر بولی۔ ''ڈاکٹر زبیری کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکی میری بچیوں کو صحیح تربیت دے سکے گی۔'' پھر وہ شدید لہجے میں بولی۔ ''کیا جادو دکھایا تم نے اتنے مختصر سے انٹرویو میں؟''

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس مسکرا رہ گئی۔ اسے انجانی سی خوشی محسوس ہوئی۔

دو تین روز میں ہی بچیاں اس کی گرویدہ ہوگئیں۔ ساجدہ نے ان کی کمزوری پالی تھی۔ وہ صرف مامتا اور دوستانہ شفقت کی پیاسی تھیں۔ چند ہی دن میں ان کی سرکشی اور بدتمیزیاں ختم ہوگئیں۔

ساجدہ کو وہ دن یاد آیا جب ڈاکٹر زبیری نے اس موضوع پر پہلی مرتبہ اس سے بات کی تھی۔ ساجدہ پڑھا رہی تھی کہ وہ آئے۔ ایک لمحے کے لئے بچیوں کو پڑھتے دیکھا اور دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے دروازے کی طرف مڑ گئے مگر پھر وہیں رک گئے۔ دروازے سے آتی ہوئی سورج کی کندنی کرنیں ان کے بالوں پر لرز رہی تھیں۔

''ساجدہ صاحبہ! ماں کی محرومیوں نے ان بچیوں کو بڑا سرکش اور ضدی بنا دیا تھا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے تھوڑے ہی دنوں میں انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ اب گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو ان کی تعریف ہی کرتا ہے۔''

''بچوں کو ہینڈل کرنا مشکل نہیں ہوتا زبیری صاحب! مشکل صرف یہ ہے کہ آج کے دور میں لوگوں کے پاس وقت نہیں رہا۔ بچے وقت مانگتے ہیں۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔

اس کی بات سن کر ڈاکٹر زبیری نے ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور ساجدہ نے نظر جھکالی۔ اس نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر زبیری نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر کہے بغیر پلٹ گئے تھے۔

آخر وہ کیا بات تھی جو ان کے ہونٹوں پر ہی رہ گئی؟ ساجدہ نے خواہ مخواہ تجسس سے سوچا۔

دوسری تفصیلی سی ملاقات کا سبب نوشین تھی۔ وہ ڈاکٹر زبیری کی چھوٹی بہن تھی اور ساجدہ سے شاید تین چار سال چھوٹی تھی۔ اس روز جیسے ہی ساجدہ نے بچوں کو خدا حافظ کہا۔ نوشین ایک دم کمرے میں آگئی اور اس کا ہاتھ تھام کر اس دروازے کی طرف لے جانے لگی جو اندر کھلتا تھا۔

''آپ روزانہ چائے پیئے بغیر چلی جاتی ہیں۔ آج مما نے بڑے اصرار سے آپ کو بلایا ہے۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

ساجدہ اس کے ساتھ لان پر پہنچی تو دھوپ جیسے اجلے لباس میں ایک انتہائی مشفق سی عورت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں۔ ساجدہ تو سمجھتی تھی کہ خوشحال لوگوں میں

سر پہ ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے کا رواج ختم ہو چکا تھا۔

زبیری نے آج نہ جانے اس وقت گھر پہ رہنے کے لئے کیسے وقت نکال لیا تھا۔ وہ سامنے ہی لان چیئر پر بیٹھے تھے اور بڑے تازہ دم نظر آرہے تھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ بکھرے بکھرے سے بالوں والا بظاہر یہ لاابالی سا آدمی دو خاصی بڑی بڑی بچیوں کا باپ ہے! ساجدہ نے قدرے حیرت سے سوچا تھا۔

''سنا ہے آپ پرائیویٹ ایک اور ایم اے کر رہی ہیں۔ کس مضمون میں؟'' ڈاکٹر زبیری نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا اور ساجدہ کے ہاتھ میں نہ جانے کیوں کپ ایک لمحے کیلئے کپکپا کر رہ گیا۔

''انگلش میں۔'' اس نے حسب عادت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟'' زبیری نے پوچھا۔

''ہم جیسے لوگ ارادے باندھنا کہاں افورڈ کر سکتے ہیں۔'' وہ قدرے تلخی سے بولی تھی۔

''دیکھتے ہیں حالات کا دھارا کس طرف لے جاتا ہے۔''

نہ جانے کیوں چند لمحے کے لئے بوجھل سا سکوت چھا گیا۔ زبیری بغور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور گھڑی دیکھ کر اپنی والدہ سے مخاطب ہوئے۔ ''مما! میں کلینک جا رہا ہوں۔''

ساجدہ نے انہیں جاتے دیکھا اور اچانک ذہن کے کسی تاریک گوشے میں ایک کوندا سا لپکا۔ یہ چال بالکل آذر کی چال سے ملتی ہے۔ اسی طرح چلتا تھا وہ! یہ سوچ کر اس کے اعصاب گویا سن سے ہوگئے۔

اور اب اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے ساجدہ کے ذہن میں ڈاکٹر زبیری کے چہرے کے عقب سے ایک اور چہرہ ابھر آیا۔ اس کی زرد رنگت میں موت کا سونا پن رچا ہوا تھا۔ کھوئی کھوئی آنکھوں کی گہرائیوں میں جیسے یادوں کی دھندلی دھندلی پرچھائیاں لرز رہی تھیں اور ہونٹوں پر جیسے کوئی نغمہ کرب کی شدت سے ٹوٹ گیا تھا۔

''سجو!'' چہرے نے اس کے قریب سرگوشی کی۔ اور جیسے اس کے سینے میں خوابیدہ زخموں کو کسی ان دیکھے ہاتھ نے کھرچ ڈالا۔ اس کا ذہن بہت پیچھے چلا گیا۔

چارپائی پر لیٹا ہوا دبلا پتلا سا آذر کچھ عجیب سی نظروں سے خلاء میں گھور رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو آذر؟'' ساجدہ نے اس کے لئے دوا کی شیشی سے گولیاں نکالتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''سوچ رہا ہوں ایسی بے بسی کی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔ تم لوگوں پر کتنا بوجھ بنا ہوا ہوں میں۔'' اس کی آواز میں شکست تھی۔

"آذر! تم ایسی باتیں سوچنا نہیں چھوڑو گے؟ کیا میرا وجود بھی تمہیں جینے پر نہیں اکساتا؟ ڈاکٹروں نے کتنی بار تمہیں بتایا ہے کہ یہ قابل علاج مرض ہے۔ لیکن اگر تم امید ہی چھوڑ دو گے تو......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر چپکے چپکے رونے لگی۔

آذر کی آنکھیں بھی خشک نہیں تھیں۔ بڑی آہستگی سے گردن موڑ کر اس نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔ کھڑکی سے روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس کے نچڑے ہوئے سے زرد رخساروں پر بڑھے ہوئے شیو کی نیلاہٹ تھی اور بھورے بال خشک ہو کر بکھرے ہوئے تھے۔

"ہاں' شاید مرض قابل علاج ہو' لیکن علاج بہت مہنگا ہے اور پھر علاج ہر انسان کے لئے شفا کی ضمانت نہیں ہوتا۔" پھر جیسے اچانک ہی اس نے ساجدہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ "ارے؟ تم رو رہی ہو پگلی؟ موت کی راہوں کے مسافروں کے لئے رویا نہیں کرتے۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا سجو! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تمہاری چاہت کا احساس سینے میں بسائے جس تھکی تھکی زندگی کا میں ساتھ دے رہا تھا وہ اب مجھ سے روٹھنے والی ہے۔ لیکن تم یہ آنسوؤں کے انگارے برسا کر میری موت کو اذیت ناک نہ بناؤ۔ سجو!

ساجدہ اس کے پلنگ کی پٹی سے سر ٹکائے سسکتی رہی اور آذر کی کپکپاتی ہوئی استخوانی سی انگلیاں دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں رینگتی رہیں۔ پھر اس نے ساجدہ کا سر اٹھا کر بڑی آہستگی سے اپنی سرد انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھ دیئے۔

"تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو آذر؟۔"

"میں کسی کو بھی جھوٹی امیدیں نہیں دلا سکتا۔ تم نے انجانے میں اپنی چاہت کا محل ریت کے بگولوں پر تعمیر کرلیا تھا۔ جانے کون سا جھونکا ان بگولوں کو منتشر کر جائے۔" اس کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی۔

"تم اچھے ہو جاؤ گے آذر!" ساجدہ نے کہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ آذر ٹی بی کے تیسرے درجے میں داخل ہوچکا تھا اور اس کی حالت مایوس کن تھی۔

وہ اس وقت سے ہی کچھ بجھا بجھا سا رہتا تھا جب ابو اسے گھر لائے تھے۔ وہ اس وقت نو دس سال کا تھا۔ ان کے خاصے قریبی عزیزوں میں سے تھا۔ اس کے والدین کوئٹہ کے زلزلے میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ آذر معجزانہ طور پر بچ گیا تھا مگر اچھے بھلے کھاتے پیتے اور خاص خاص عزیزوں میں سے کسی نے اسے رکھنے کی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کے والدین کچھ چھوڑ کر نہیں مرے تھے۔

شروع شروع میں ساجدہ کے والدین یہی سمجھتے تھے کہ ہولناک حادثے کے اثرات کی وجہ سے آذر اتنا بجھا بجھا سا رہتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ گھر میں گھل مل گیا۔ ہنسنے بولنے لگا مگر اس

کے چہرے کی زردی بڑھتی گئی جس پر کسی نے توجہ نہیں دی اسے کھانسی بھی رہتی تھی۔ کبھی کبھار اس کے لئے کوئی کف سیرپ آ جاتا تھا۔

اس وقت وہ انیس سال کا تھا جب گھر والوں کو پہلی بار اس کے تھوک میں خون کی سرخی نظر آئی۔ سول ہسپتال میں معائینے کے بعد پتہ چلا کہ ٹی بی کے جراثیم شاید اسے ورثے میں ملے ہیں اور تشخیص میں بہت دیر ہو چکی ہے۔

پھر جیسے آذر کی شخصیت یاس کی دبیز تہوں تلے دفن ہوگئی۔ وہ بہت خاموش خاموش رہنے لگا۔ اس نے خود بخود ہی نہ جانے کس طرح مصوری سیکھ لی تھی شاید اس میں فطری طور پر ٹیلنٹ موجود تھا۔ رفتہ رفتہ اسے چھوٹے موٹے رسالوں اور کتابوں کے ٹائیٹل بنانے کا کام ملنے لگا۔ آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اور جو تھی وہ بھی اس کے علاج معالجے وغیرہ پر خرچ ہو جاتی تھی بلکہ اس کے لئے بھی ناکافی رہتی تھی۔ کچھ عرصے بعد یہ ہونے لگا کہ وہ زیادہ دیر تک کام نہ کر پاتا۔ دو تین گھنٹے بورڈ کے سامنے بیٹھ کر اس کا سر چکرانے لگتا۔

پھر رفتہ رفتہ وہ تصویریں بنانے سے بھی معذور ہوگیا۔ اس کی انگلیوں میں لرزش آچکی تھی۔ اب وہ دن بھر کمرے میں پڑا کتابیں پڑھتا رہتا یا پھر ہوا میں گھورتا رہتا۔ ساجدہ اس کے لئے چھپ چھپ کر رویا کرتی۔ کتنا بدنصیب تھا وہ! بچپن نے اس کے والدین چھین لئے اور جوانی نے اسے ٹی بی کا داغ دیا۔

"میرا تندرست ہونا اب سراب بن چکا ہے سجو"! وہ بڑبڑایا۔ دفعتہ" اسے کھانسی کا دورہ پڑا۔ نچڑے ہوئے سفید چہرے پر پھر بھی سرخی نہ آئی۔ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔ کھانسی تھمتے ہی ساجدہ نے اسے دوسری دوا دی اور وہ جلد ہی پرسکون ہوگیا۔

"لو۔ تم شیو بناؤ۔ تب تک میں تمہارا ناشتہ تیار کرتی ہوں۔" ساجدہ نے شیو کا سامان لا کر پٹائی پر رکھ دیا۔

وہ ناشتہ لے کر آئی تو آذر شیو بنا چکا تھا اور منہ دھونے غسل خانے کی طرف جا رہا تھا۔ کتنی تھکن تھی اس کی چال میں۔ بیماری کے ساتھ ساتھ اس کے چلنے کا انداز بدل گیا تھا۔ ساجدہ کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر سہارا دے مگر اسے امی کا خیال آگیا جو پہلے ہی خفا رہتی تھیں کہ ساجدہ' آذر کا اتنا خیال کیوں رکھتی ہے۔ کہیں اس مہلک مرض کا سایہ اس پر بھی نہ پڑ جائے۔

پھر ساجدہ کو وہ دن یاد آیا۔ عید کا دن!۔

گھر میں منہ اندھیرے ہی رونق ہوگئی تھی۔ ساجدہ کی چھوٹی بہن فرحی' عذرا اور کوثر نہادھو کر اپنے بہترین کپڑے پہنے تتلیوں کی طرح ادھر ادھر منڈلاتی پھر رہی تھیں اور ساجدہ ایک بے نام اداسی کا بوجھ اٹھائے بجھے بجھے دل سے گھر کے کام کاج کر رہی تھی۔ گھر کی صفائی سویاں بنانا' ابو کے کپڑے استری کرنا اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ عید کا

گزری ہوئی عید سے زیادہ اشتیاق سے انتظار ہوتا ہے لیکن ہر عید پچھلی عید سے زیادہ تھکا جاتی ہے۔ دن بھر ہونٹوں پر مبارکباد کی مسکراتی کھنک سجا کر گھروں میں جاتے ہیں اور شام کو تھکے ہارے دل کے ساتھ اپنے خیالات کی ویران دنیا میں بھٹکنے کے لئے تنہا رہ جاتے ہیں۔ شاید یہ سوچنے کے لئے کہ مسرتوں کے اس چمکیلے سیلاب میں وہ کون سی خلش ہے جو ہم لوگوں کے دل میں بسی رہتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہنس ہنس کر ہم سب اپنے آپ کو فریب دے رہے ہوں۔ ہمارے مسکراتے ہونٹوں اور چمکتی آنکھوں کے عقب میں ایک اور ہی دنیا آباد ہے۔

وہ کام کرتی رہی اور اس کی پاگل سوچیں بھٹکتی رہیں۔ خاصی دھوپ چڑھنے تک اس نے کپڑے نہیں بدلے تو امی نے اسے ڈانٹا۔ "یہ کیا اجاڑ صورت بنا رکھی ہے تم نے؟ جاؤ کپڑے وغیرہ بدلو۔ اور ہاں آذر کے کپڑے بھی نکال دینا۔"

وہ آذر کے کمرے میں پہنچی تو وہ لحاف اوڑھے آنکھیں موندے پڑا تھا اور اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"اجی اجی کیا ہوا تمہیں؟" ساجدہ نے گھبرا کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ ساجدہ کی آواز سن کر اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں مایوسی کی تاریک پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ چہرے پر ایسی تھکن تھی جیسے کوئی مسافر صحراؤں میں سفر کرتے ہمت ہار گیا ہے۔

"کچھ نہیں ہوا سجو! بس حرارت معمول سے کچھ بڑھ گئی ہے۔" زخمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ آئی۔

"تم نے مجھے آواز کیوں نہیں دی اجی؟" ساجدہ کے لہجے میں ہزار شکوے تھے۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری عید کی مسرتوں پر تفکرات کے سائے لرزنے لگیں۔ یہ خوشی کا دن سال میں ایک بار آتا ہے۔"

"ہونہہ......! عید بھلا ہم جیسے لوگوں کے لئے کون سی خوشیوں کا پیغام لے کر آتی ہے۔" ساجدہ تلخی سے بولی۔ "جبکہ ہم تو خدا سے کچھ زیادہ مانگتے بھی نہیں۔ بس ایک انسان کی زندگی کی بھیک مانگتے ہیں۔"

"سجو! تم بھول کیوں نہیں جاتیں کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ ہوا کے دوش پر رکھے ہوئے چراغ سے پیار کر کے بھلا تم کیا پاؤ گی؟ تم جوان ہو...... صحت مند ہو...... اپنی زندگی کے لئے کوئی مضبوط سہارا ڈھونڈو'...... میں تو...... میں تو......"

"چھوڑو یہ فضول باتیں۔" ساجدہ تڑپ کر بولی۔

"میں نے پانی گرم کر دیا ہے۔ تم صرف منہ ہاتھ دھو لو...... بخار میں نہانا شاید نقصان دے گا۔"

وہ ساجدہ کا سہارا لے کر بھی بمشکل اٹھا۔ آج تو اس کا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اسے باتھ روم میں گئے ذرا ہی دیر گزری تھی کہ ساجدہ نے اس کے بے تحاشہ کھانسنے کی آواز سنی۔ آواز کچھ ایسی غیر معمولی تھی کہ ساجدہ کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا اور کرچی کرچی ہو گیا۔

وہ گھبرا کر باتھ روم کی طرف بھاگی۔ آذر سینہ تھامے فرش پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ ساجدہ نے سہارا دے کر اسے اٹھانا چاہا تو وہ چکرا کر گر پڑا۔ امی ابو وغیرہ بھی آ گئے۔ ابو نے اسے اٹھا کر کمرے میں لا کر لٹایا اور خود سائیکل لے کر ڈاکٹر کو بلانے چلے گئے۔

ساجدہ کے آنسو پلکوں کے بندھن توڑ کر بہنے کے لئے مچل رہے تھے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ آذر کا سر گود میں رکھ لے اور اس کے الجھے الجھے بال پیشانی سے ہٹا کر پوچھے۔ "اجی! آخر تم ٹھیک کیوں نہیں ہوتے؟ ٹی بی کے بہت سے مریض ٹھیک بھی تو ہو جاتے ہیں۔" مگر آذر بدستور آنکھیں بند کئے لیٹا تھا اور ساجدہ کی امی سامنے بیٹھی تشویش زدہ نظروں سے آذر کے بجائے ساجدہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

ڈاکٹر آیا...... کافی دیر تک آذر پر جھکا رہنے کے بعد اس نے مایوسی سے سر اٹھا کر کہا۔ "اب انہیں دوا کی ضرورت نہیں" اور ساجدہ کے سینے سے جیسے کسی نے دل نوچ کر پھینک دیا۔

آذر کی آنکھیں نہ کھل سکیں...... ہونٹوں پر وہی یاس بھری مسکراہٹ لئے وہ یوں دبے پاؤں ساجدہ کی دنیا سے رخصت ہو گیا کہ ایک عرصے تک تو اسے یقین ہی نہ آسکا۔ امنگوں کے چمن یوں بہار آئے بغیر بھی اجڑ جاتے ہیں۔

اس عید کی ساری خوبصورتی اجڑ گئی اور اس دن کی یاد ہمیشہ کے لئے ایک زخم بن کر اس کے دل میں پیوست ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے جھلستے ریگستان میں وہ جس نازک سے پودے کی چھاؤں میں بیٹھنے کی آس لئے سفر کر رہی تھی' اسے کسی بے درد ہاتھ نے اکھاڑ پھینکا ہے۔ تاریک راہ گزر پر جس کمزور سی کرن کو وہ منزل کا نشان سمجھ رہی تھی وہ بھی دم توڑ گئی تھی۔

ساجدہ کے ہونٹ مسکرانا بھول گئے۔ وہ کچھ ایسی نوجوان یا نوعمر بھی نہیں تھی مگر اس کے محسوسات تو وقت سے بہت پہلے ہی بوڑھے ہو گئے۔ ماں جو اپنی کم مائیگی کے احساس سے اور چار جوان لڑکیوں کے بوجھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھی' اب ساجدہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی بیواؤں کی سی ویرانی دیکھ کر اور زیادہ چپ چپ رہنے لگی۔ اس کے ابو کے کندھے کچھ اور جھک گئے۔

ساجدہ کو بعض اوقات زندگی سزا محسوس ہونے لگتی۔ کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس میں آس

راج نہ کرسکا......... اور ساجدہ! آپ سے نہ جانے کیوں میں اپنی روح کا یہ المیہ چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا۔ حالانکہ آج تک میں یہ بات سب سے چھپاتا آیا ہوں۔ دراصل بعض چہرے نہ جانے کیوں مدتوں کے شناسا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمارے درد کو محسوس کرسکتے ہیں۔"

زبیری کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور انہوں نے پھر تاریک چشمہ کی اوٹ میں پناہ لے لی۔ دفعتاً وہ سنبھل کر بولے۔ "معاف کیجئے......... آپ کو میری یہ بے تکلفی گراں تو نہیں گزری؟"

"جی نہیں......... یہ کوئی ایسی بے تکلفی تو نہیں......... انسان کا درد آخر انسان ہی بانٹ سکتا ہے؟" ساجدہ کو بعض اوقات زبیری کے اتنے تکلف سے الجھن ہونے لگتی تھی۔

"ہاں......... کہتی تو آپ درست ہیں۔ لیکن آج کل گوشت پوست کے انسان کے سینوں میں دل نہیں، مشینیں ہیں۔ اور ہم وہ کم نصیب ہیں جو ان مشینوں میں خلوص تلاش کرتے ہیں۔" ان کے لہجے میں دکھ در آیا۔ اس لمحے وہ ساجدہ کو ڈاکٹر نہیں، مریض معلوم ہونے لگے......... ایسا مریض جس کی روح پر خراشیں تھیں۔

ساجدہ گھر واپس آئی تو اس کی طبیعت بوجھل سی ہوچکی تھی۔ بڑی افسردگی سے وہ سوچتی رہی کہ اس دنیا میں ہر چہرے کے پیچھے ایک کہانی چھپی ہے۔ ہر سینے میں ایک زخم پنہاں ہے۔ ہر مسکراہٹ کے عقب میں آنسوؤں کی جھلملاہٹ ہے اور ہر قہقہے کی تہہ میں درد کی کھنک ہے۔

اپنے گھر پہنچ کر برآمدے میں قدم رکھتے ہی افتخار کو دیکھ کر وہ سلگ اٹھی۔ ساجدہ کی چھوٹی بہن فرح چارپائی پر بیٹھی آلو چھیل رہی تھی اور افتخار اس کے کندھے سے کندھا تقریباً ملائے بیٹھا تھا۔ امی شاید کچن میں تھیں اور وہ دونوں کسی بات پر نیچی آواز میں ہنس رہے تھے۔ ساجدہ کو دیکھ کر افتخار قدرے ہٹ کر بیٹھ گیا اور فرح بھی سنجیدگی سے آلو چھیلنے لگی۔

افتخار ان کا رشتہ دار ہی تھا لیکن ساجدہ کو اس کا گھر میں آنا بہت کھلتا تھا۔ فرح بے چاری کی آمدورفت تو بس اپنی گلی اور قریبی گرلز کالج تک ہی محدود تھی۔ لیکن ساجدہ تو دنیا دیکھ رہی تھی، حالات کی بھٹی میں پگھل کر کندن بن رہی تھی۔ وہ ان گرلز کالجوں میں چمکتے دمکتے شاپنگ سینٹرز کے سامنے سے بھی گزرتی تھی جہاں افتخار اکثر و بیشتر اپنے دو چار لفنگے قسم کے دوستوں کے ساتھ منڈلاتا اور لڑکیوں پر آوازے کستا نظر آتا تھا۔

بے راہ روی اور بدمعاشی اس کے چہرے پر لکھی تھی۔ ساجدہ نے اڑتی اڑتی سی خبر سنی تھی کہ ایک آدھ بار وہ چرس کے چھوٹے موٹے دھندے کے چکر میں جیل کی ہوا بھی کھا چکا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ خود اور اس کے گھر والے ہمیشہ اس بات کی تردید ہی کرتے آئے تھے۔

ساجدہ کے سامنے بہرحال افتخار گربہ مسکین بنا رہتا تھا۔

ساجدہ محسوس کرتی تھی کہ فرح اگر اپنی نادانی کے سبب اسی رفتار سے افتخار سے بے تکلف ہوتی رہی تو یہ دلکش راستہ جسے جوانی کہتے ہیں، اس کے لئے تلوار کی دھار نہ بن جائے۔ اس نے کئی بار دبے دبے لفظوں میں فرح کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن فرح نے ہر بار یہی کہا تھا۔ "باجی! کیا آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں؟" اور ساجدہ خاموش ہونے کے علاوہ کیا کرسکتی تھی؟

دن گزرتے گئے اور زبیری غیر محسوس طور پر اس کے خاصے قریب آگئے۔ اتنے قریب کہ وہ جینے کی امنگ محسوس کرنے لگی۔ کئی مرتبہ اس نے سوچا کہ زبیری کا ہاتھ تھام کر انہیں اسی مقام پر واپس چھوڑ آئے جہاں سے غیرارادی طور پر وہ چاہت کا سفر شروع کر بیٹھے تھے۔ لیکن اس سے یہ بھی نہ ہوسکا۔

زبیری کی شخصیت تو کسی سبک رو ندی کی طرح تھی جو اسے تنکے کی طرح اپنی لہروں کے دوش پر لئے دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی۔ ان کی باتوں میں درد اور حساسیت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ انہیں سن کر مایوسی نہیں بلکہ جینے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔

ایک دن زبیری کی ضعیف والدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ ساجدہ اپنی امی کے ساتھ تعزیت کے لئے گئی تو زبیری ان کے سامنے بیٹھے بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے رہے۔

رفتہ رفتہ موت کے ہنگامے سرد ہوگئے اور زندگی یوں معمول پر آگئی جیسے سمندر کی لہروں میں ایک لمحے کے لئے تلاطم برپا ہوا ہو اور پھر وہی پہلا سا دھیما پن لوٹ آیا ہو۔ تاہم زبیری کے چہرے پر ایک مستقل سی افسردگی نقش ہوگئی۔

دوسرا خاص واقعہ یہ ہوا کہ ساجدہ کے ہاں افتخار کی آمدورفت بند ہوگئی۔ ساجدہ نے ایک دن امی کے سامنے پوری صورت حال بیان کر دی تھی اور انہیں آئندہ کے خدشات سے باخبر کر دیا تھا۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کسی کو ناراض کئے بغیر نہ جانے کس طرح گھر میں افتخار کی آمدورفت بند کرا دی۔ ساجدہ کو بڑا سکون محسوس ہوا جیسے اس نے کوئی بہت نازک ذمے داری بہ حسن خوبی پوری کر دی ہو۔

زبیری کی والدہ کی وفات کے بعد زبیری اور ساجدہ گویا غیرارادی طور پر کچھ اور قریب آگئے تھے۔ ایک شام جب کہ وہ لان پر بیٹھے تھے تو زبیری نے اس سے کہا۔ "ثمینہ نے اس گھر کی...... میری......... اور معصوم بچیوں کی قدر نہیں کی اور ہمیں خلاء میں معلق چھوڑ گئی۔ اب تو مما بھی نہیں ہیں جن کی آغوش میں سرچھپا کر میں دنیا بھر کے غم بھول جاتا تھا۔ سجو! تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ دنیا کی ہر نعمت میسر ہونے کے باوجود میں نے کیسی محروم زندگی گزاری ہے۔ میں زندگی کے ہر مرحلے سے گزر آیا لیکن محبت کی پیاس آج بھی جوں کی توں ہے۔ ثمینہ نے نہ

جانے کس مجبوری کے تحت مجھ سے شادی کرلی تھی۔ وہ امی کی پسند تھی۔ اس کے اصل دکھ کا اندازہ بھی مجھے اس وقت ہوا جب وہ بستر مرگ پر تھی اور میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اب میری معصوم بچیوں کی زندگی میں بھی ایک خوفناک خلاء در آیا ہے۔ ان کے ذہن میں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ وہ کسے ماں کہیں؟ کس کی ممتا کے آنچل میں پناہ لیں؟ سجو! اب جبکہ تم اس گھر میں اس طرح رچ بس گئی ہو کہ تمہارے جانے پر تنہائی کا احساس شدت سے ہوتا ہے' تو میں چاہتا ہوں کہ تم اس گھر میں بکھری ہوئی ویرانیوں کو اپنی محبت کے دامن میں سمیٹ لو......... میری بچیوں کو وہ شفقت مستقل طور پر دے دو جو اب صرف تھوڑی سی دیر کے لئے مخصوص ہے۔ بولو سجو! کیا تم مجھے یہ بھیک دوگی؟"

زبیری کی آواز مرتعش تھی اور اس کی تیز سانسوں کی تپش ساجدہ کو اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ آج خلاف معمول ان کی سفید جلد پر بڑھے ہوئے شیو کی نیلاہٹ نظر آ رہی تھی۔

اس لمحے گویا ڈاکٹر زبیری کے چہرے کے عقب سے ایک اور دھندلا دھندلا چہرا ابھر آیا۔ یادوں کی دبیز تہہ تلے اس چہرے کی زرد رنگت میں موت کا سوناپن رچا ہوا تھا۔ خوبصورت بال خشک ہو کر ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

"موت کی راہوں کے مسافروں کے لئے رویا نہیں کرتے پگلی!" چہرے نے جیسے اس کے عین قریب سرگوشی کی۔ ساجدہ کے دل میں ہزاروں ان دیکھے زخموں کو کسی انجانے ہاتھ نے کھرچ ڈالا۔ بیکراں اذیت کی ایک لہر اس کے دل کی گہرائیوں سے اٹھی اور اس کی نس نس میں پھیل گئی۔

"نہیں زبیری صاحب!" وہ لرزتی آواز میں بولی۔ "میں آپ کو یہ محبت اور آپ کی بچیوں کو یہ شفقت نہیں دے سکتی۔" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

"آخر کیوں؟" زبیری کے لہجے کا ارتعاش بڑھ گیا۔

"اس لئے کہ میرے سینے میں بھی ناکام محبت کا ناسور پل رہا ہے۔" ساجدہ نے کہا اور شکست خوردہ انداز میں میں اٹھ کر وہ اپنی آہوں' اپنی سسکیوں اور اپنے آنسوؤں کو سینے میں دفن کئے اپنے گھر چلی آئی۔

دو دن تک وہ بخار میں پھنکتی رہی۔ اس وقت اسے قدرے سکون محسوس ہوا جب اس کی امی نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر روتے ہوئے کہا۔ "میری بدنصیب بچی! تو نے اپنی زندگی تج کر اس گھر کے بوجھ کم کئے ہیں۔ تیری تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔"

تیسرے دن وہ بستر سے اٹھی۔ اس وقت وہ باتھ روم میں منہ دھو رہی تھی جب اس نے قریب ہی برآمدے میں فرح کی دھیمی سی آواز سنی۔ فرح کو یقیناً معلوم نہیں تھا کہ ساجدہ باتھ

روم میں ہے۔ وہ عذرا سے کہہ رہی تھی۔ "تم نے دیکھا عذرا؟ آخر ساجدہ باجی نے افتخار کا یہاں آنا جانا بند کرا دیا۔ دراصل ساجدہ باجی لاشعوری طور پر ہم سے حسد محسوس کرتی ہیں۔ انہیں کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ہماری قسمتوں کے دروازوں پر پتھر کی سل بن کر بیٹھی ہیں۔"

ساجدہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔ یہ تھیں وہ بہنیں جن کے لئے اس نے اپنے آپ کو مٹی میں ملا لیا تھا؟"

منہ ہاتھ دھو کر وہ نکلی تو اسے دیکھ کر فرح کا چہرہ سفید پڑ گیا مگر ساجدہ نظریں جھکائے کچن کی طرف چلی گئی۔

"امی......... امی! کل سے افتخار یہاں آیا کرے گا۔" اس نے کرب سے ٹوٹتی آواز میں نہایت آہستگی سے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو سجو!" امی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں......... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" ساجدہ نے شکستہ لہجے میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس وقت دن چڑھ چکا تھا جب وہ تیز تیز قدموں سے زبیری کے گھر کی طرف جا رہی تھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ اب تک وہ زندگی کے بارے میں غلط فیصلے کرتی آئی ہے لیکن اب ان آبلہ زدہ پیروں اور ریزہ ریزہ دل کے ساتھ زندگی سے نباہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ زبیری کے گھنے وجود کی پناہ قبول کرلے گی۔ اگر اس نے پہلے ہی پریکٹیکل بن کر سوچا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ زندگی کا تقاضا یہی تھا۔

زبیری کے گھر میں لان پر ہی ان کی چھوٹی بہن نوشین اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور بڑی نڈھال نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ اندر گھر میں ایک عجیب' شادی کا سا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

"زبیری کہاں ہیں نوشین؟" ساجدہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ان کے دل کا شیش محل چور چور کرنے کے بعد آپ پوچھنے آئی ہیں کہ زبیری کہاں ہیں؟" نوشین جیسے یکلخت پھٹ پڑی۔ "یہ سوال تو مجھے آپ سے پوچھنے کے لئے آنا چاہئے تھا۔ بتائیے میں اپنے بھیا کو ڈھونڈنے کہاں جاؤں؟ محض آپ کے اشارے نے ان کی اداس اور گھمبیر زندگی کے اندھیروں میں ٹمٹماتا ہوا آخری چراغ بھی بجھا دیا۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ بھیا دل کے مریض تھے لیکن مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ محض آپ کے انکار کی وجہ سے وہ دل کے معمولی دورے سے زندگی کی بازی ہار گئے۔ وہ جو ہزاروں کے مسیحا تھے' اپنے دکھ کی دوا نہ کرسکے......... اور آپ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ان مہمانوں کی بھیڑ میں ہی آن شامل

ہوتیں جو سوئم پر آئے ہیں اور اندر ضیافت اڑا رہے ہیں۔" نوشین کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اس کا شوہر بے بسی سے اس کا کندھا تھپکنے لگا۔

ساجدہ کو یہی محسوس ہوا جیسے آسمان زمین سے آن ملا ہو اور اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں تحلیل ہوگیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں تاریکیوں کے بھنور پھیلتے چلے گئے۔

ساجدہ چکرا کر گر پڑی تھی لیکن جلد ہی ہوش میں آگئی۔ اس نے اپنے آپ کو لان پر ہی چت پڑے پایا۔ نوشین کا شوہر گھبراہٹ کے عالم میں اخبار سے اسے پنکھا جھل رہا تھا اور نوشین اس کے ہاتھ کی مالش کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ گیلا تھا۔ شاید اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے بھی مارے گئے تھے۔

اسے ہوش میں آتے دیکھ کر نوشین ندامت زدہ سے لہجے میں بولی۔ "معاف کیجئے گا باجی! میرا مقصد آپ کو صدمہ پہنچانا نہیں تھا بس میرا دل حد سے زیادہ دکھا ہوا تھا میں نے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی تھی۔ میں شرمندہ ہوں۔"

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور شرمندگی اس کے چہرے پر رقم تھی۔ ساجدہ نے مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور بیٹھی بیٹھی آواز میں بولی۔ "شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں نوشی! تم نے بہت اچھا کیا جو دل کی بھڑاس نکال لی۔ کم از کم منافقت سے تو کام نہیں لیا۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی شکوہ ہے۔ تم نے تو درحقیقت مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔ میں تو اس سے زیادہ کی مستحق تھی۔ اور تمہیں میرے بارے میں فکر مند ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں بہت سخت جان ہوں۔ یہ تو بس یونہی چکر سا آگیا تھا۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور کوشش کرنے لگی کہ اس کی ٹانگوں کی کپکپاہٹ ان میاں بیوی کو نظر نہ آئے۔ نوشین نے اس کے ہاتھ نہیں چھوڑے اور اسے ایک کرسی پر بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "آپ کھڑی مت ہوں۔ پلیز بیٹھ جائیے میں آپ کے لئے پانی لاتی ہوں۔" وہ تپائی سے خالی جگ اور گلاس اٹھانے لگی۔

"نہیں، میں بیٹھوں گی نہیں۔" ساجدہ اپنے لہجے کو ہموار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "صدمہ بہت بڑا ہے اور میرے الفاظ بہت چھوٹے۔ اگر میں الفاظ سے تمہیں تسلیاں دینے کی کوشش کروں تو شاید تمہیں ایسا محسوس ہو کہ میں تمہارے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہوں۔ اس لئے میرا رخصت ہو جانا ہی بہتر ہے۔"

"میں آپ کو گاڑی میں بھجوا دیتی ہوں۔" نوشین کا رویہ یکسر بدل گیا تھا۔

"میں آرام سے چلی جاؤں گی نوشین!" ساجدہ نے مشفقانہ سے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "تم میرے بارے میں ذرا بھی فکر مت کرو۔ خدا حافظ۔" اس نے آہستگی سے ہاتھ

چھڑایا اور گیٹ سے باہر آگئی۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ چند قدم چل کر ہی اسے رکشا مل گیا اور وہ اس میں ڈھیر ہوگئی۔ وہ مزید پیدل چلتی تو شاید ایک بار پھر گر جاتی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلے پیلے دائرے ناچ رہے تھے۔

گھر آکر اس نے کسی سے بھی کچھ نہ کہا۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں لیٹ گئی اور دیر تک پلکیں جھکائے بغیر چھت کو گھورتی رہی۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کے سوتے گویا خشک ہوگئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی کیفیت کیا ہوگئی تھی۔ صدمے کا یہ بھی ایک عجیب اثر تھا۔ اس سے نہ تو رویا جا رہا تھا اور نہ ہی کسی سے تسلی و تشفی کے دو بول سننے کو جی چاہ رہا تھا۔ اپنا دکھ کسی سے شیئر کرنے کی بھی کوئی خواہش نہیں تھی۔

بس دل میں اچانک ہی گہرا سناٹا چھاگیا تھا' حواس شل ہوگئے تھے۔ یکدم ہی اس کا وجود گویا کھنڈر ہو کر رہ گیا تھا۔ ہاتھ پیروں سے جان نکل گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس سے کچھ سوچا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بس روح تک کو یخ بستہ کر دینے والا ایک احساس تنہائی تھا جو رگ رگ میں پھیل گیا تھا۔ بیکراں خلاؤں میں یکدم ہی جیسے کسی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ یخ بستہ کہر اور تاریکی میں معلق ہو کر رہ گئی تھی۔

دل مانتا ہی نہیں تھا کہ زبیری مر چکے ہیں۔ آجکل کسی کی محبت میں کون مرتا تھا۔ کسی کو حاصل نہ کرنے کے دکھ میں کون جان سے جاتا تھا؟ جذبوں کی یہ شدتیں تو قصہ پارینہ بن چکی تھیں۔ محبتوں کی یہ روائتیں تو کب کی دم توڑ چکی تھیں۔

اس تلخ حقیقت کا زندہ ثبوت وہ خود تھی۔ وہ بھی مرجانا چاہتی تھی مگر اس پر نہ تو دل کا دورہ پڑا تھا اور نہ ہی اس کی رگوں میں شدت غم سے لہو منجمد ہوا تھا۔ خود کو ہلاک کرنے کی بھی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ فیصلہ نہ کرسکی کہ وہ بزدل تھی یا اس کے جذبے میں وہ شدت نہیں تھی جو ہونی چاہئے تھی؟

اتنا ضرور ہوا کہ چند دن تک اس سے صحیح طور پر کھایا پیا نہیں گیا۔ وہ صرف چند لقمے زہر مار کر کے دستر خوان سے اٹھ جاتی۔ وہ بھی محض گھر والوں کو یہ احساس دلانے کے لئے کہ زبیری کی موت اس کے لئے عزیز از جان قسم کی ہستی کی موت نہیں تھی اور اس غم نے اس کی ہر رگ جاں میں زہر نہیں گھولا ہے۔

کوئی چیز اسے نہ بھاتی۔ کسی کی صورت اچھی نہ لگتی۔ کسی کی بات سننے کو جی نہ چاہتا۔ زیادہ تر وہ بس اپنے کمرے میں اپنے بستر پر ساکت پڑی رہتی نہ سوتی نہ جاگتی' بس ان دونوں کیفیتوں کے درمیان ہی کہیں ہلکورے لیتی رہتی۔

ایسے میں اس کی دوست کنول ایک بار پھر اس کے کام آئی۔ ایک روز وہ اسے گاڑی میں

بٹھا کر اس کے گھر سے بہت دور طارق روڈ لے گئی اور ایک اسنیک بار کے سامنے جا کر رکی۔

گاڑی ابھی صحیح طور پر رکی بھی نہیں تھی کہ ویٹر لپک کر قریب آیا۔ اس کی وردی صاف ستھری تھی مگر ہاتھوں پر میل تھا۔ چہرے پر پیشہ ورانہ مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں غربت اور تھکن کی تلخی تھی۔ اس نے ایک ہی سانس میں ان ساری چیزوں کے نام گنوا دیئے جو اسنیک بار میں دستیاب تھیں۔ آخر میں امید بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”کیا لاؤں بی بی جی؟“

کنول نے اسے کافی کا آرڈر دیا۔ ساتھ ہی ایک ہار پھولوں والا اور دو تین بھکاری بچے ہاتھ پھیلائے آ گئے۔ ایک مفلوک الحال بچہ میلے کچیلے کپڑے سے گاڑی صاف کرنے لگا۔

ساجدہ پژمردہ سے لہجے میں بولی۔ ”کیوں لے آئی ہو مجھے یہاں؟ ہر طرف دست سوال پھیلا ہوا ہے۔ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“

”اس میں گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ یہ زندگی ہے۔“ کنول بے پروائی سے چیونگم چباتے ہوئے اور ایک چیونگم تقریباً زبردستی ساجدہ کے منہ میں ٹھونستے ہوئے بولی۔

”بہت ناآسودہ زندگی ہے۔“ ساجدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ ”کبھی کبھی تو مجھے ساری دنیا بھکاری سی لگتی ہے۔ ہر شخص‘ ہر انسان سوالی ہے۔ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ چاہئے۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی سے کچھ چاہئے۔ ہر ایک کسی نہ کسی چیز کا طلبگار ہے۔ کسی کو ماں بہن کا پیٹ پالنے کے لئے چند سکوں کی بھیک درکار ہے۔ کوئی ترقی اور پروموشن کا طالب ہے۔ کسی کو کروڑوں کا قرضہ چاہئے‘ کسی کو پناہ اور کسی کو خراج حتیٰ کہ ملک اور قومیں بھی ایک دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے رکھتی رہتی ہے۔“

”اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں صرف تھوڑی سی محبت درکار ہوتی ہے۔“ کنول اپنے مخصوص شریر انداز میں مسکرائی۔

”وہی سب سے زیادہ تہی دست رہتے ہیں۔“ ساجدہ دھیمے لہجے میں بولی۔

”بہت فلسفہ بول رہی ہے۔“ کنول نے اسے گھورا۔

”مجھے معلوم ہے تمہارے اندر بہت توڑ پھوڑ ہوئی ہے مگر تم مجھے اس کے بارے میں نہیں بتاتیں۔ جب اندر کا موسم خراب ہوتا ہے‘ دل کے کھنڈر میں گرم ہوائیں چل رہی ہیں تب انسان اس قسم کے دکھیارے فلسفے بولتا ہے۔ آخر تم مجھے بتاتیں کیوں نہیں؟۔“

”بتانے کو کچھ ہو تو بتاؤں۔“ ساجدہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ اپنے اکثر راز‘ اپنے اکثر دکھ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ کبھی فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ اس کی یہ عادت اچھی تھی یا بری۔

”میں نے محسوس کیا ہے کہ زبیری کی موت کے بعد تم میں بڑی تبدیلی آئی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی چکر تو نہیں چل گیا تھا تمہارا؟“ کنول نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”نہیں تو۔“ ساجدہ نے بے بسی میں سر ہلایا۔ کبھی کبھی اسے شرم بھی آتی تھی کہ اسے اپنی بچپن کی سب سے اچھی دوست کے سامنے جھوٹ بولنا پڑتا تھا۔ مگر وہ اس معاملے میں اپنے آپ کو مجبور محسوس کرتی تھی۔

”فار گاڈ سیک مجھے کبھی یہ مت بتانا کہ دو بچیوں کے رنڈوے باپ سے تمہارا کوئی سلسلہ تھا۔ قسم سے بہت ماروں گی۔“ کنول گویا اطمینان کی سانس لے کر بولی۔

”تم ان کا ذکر اتنی بے رحمی سے تو نہ کرو۔“ ساجدہ اپنے لہجے کے کرب کو چھپاتے ہوئے بولی۔

”اس میں بے رحمی کی کیا بات ہے بھئی؟ میں تو اس طرح ان کا ذکر کر رہی ہوں جس طرح ان کی زندگی میں کرتی تھی۔ موت تو ہر ایک کو آنی ہی ہے۔ کسی کو جلدی‘ کسی کو دیر سے۔“ کنول اطمینان سے بولی۔

ساجدہ بظاہر سرسری سے لہجے میں بولی۔ ”معلوم نہیں میرا مشاہدہ درست ہے یا غلط بہرحال میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگوں پر جب خوشحالی آتی ہے تو ان میں سے اکثر کے دل کٹھور سے ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کے دکھ درد کا انہیں کوئی خاص احساس نہیں رہتا۔ بڑے بڑے المیوں کا ذکر بھی استہزائیہ سے انداز میں کرنے لگتے ہیں۔“

”غلط مشاہدہ ہے تمہارا۔“ کنول فوراً بولی۔ ”میں اپنے طبقے کی وکالت نہیں کر رہی۔ بلکہ تمہیں تجربے کی بات بتا رہی ہوں۔ خوشحالی آنے کے بعد تو آدمی زیادہ رقیق القلب ہو جاتا ہے۔ اس میں قوت برداشت بھی زیادہ آ جاتی ہے۔ وہ خیرات زیادہ دینے لگتا ہے اور سماجی بہبود کے کاموں میں چندے بھی دینے لگتا ہے خواہ کمائی اسمگلنگ کی ہو۔ یہ تنگدستی اور بدحالی کے ہی شاخسانے ہیں کہ انسان‘ انسان کی بوٹیاں نوچنے لگتا ہے۔ کبھی کسی بہانے‘ کبھی کسی بہانے۔“

”خیر یہ لمبی بحث ہے اور مجھ میں فی الحال بحث کرنے کی سکت نہیں ہے۔“ ساجدہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”تم یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں لے کر کیوں آئی ہو؟ مجھے معلوم ہے کہ تم بطور خاص مجھے لے کر آئی ہو۔“

”ہاں‘ تم ٹھیک سمجھیں۔“ کنول نے اسٹیئرنگ وہیل پر انگلیاں نچاتے ہوئے کہا۔ ”میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہیں اندر ہی اندر گھن سا لگ گیا ہے۔ اگر تمہیں مزید کچھ عرصہ تمہارے حال پر چھوڑ دیا گیا تو تمہارا انتقال پر ملال ہو جائے گا۔ تمہیں کسی دھندے سے الگ جانا چاہئے۔ زبیری کی بچیوں کو پڑھانے کے لئے جانا کیوں چھوڑ دیا تم نے؟ زبیری کے انتقال سے بچیوں کی یہ ضرورت ختم نہیں ہوئی بلکہ اور بھی بڑھ گئی ہے۔“

”وہ تو درست ہے مجھے خود بھی اس کا احساس تھا۔“ ساجدہ کی آواز گلے میں پھنسنے لگی ”مگر میں کیا کروں نہ جانے کیوں یہ حادثہ مجھے بہت بڑا محسوس ہوا ہے۔ میری اب اس گھر میں

جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔"

"مجھے معلوم تھا تم اسی قسم کا کوئی احمقانہ جواب دوگی۔" کنول سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "چنانچہ میں نے پہلے ہی تمہارے لئے دو کام سوچے ہوئے تھے۔ دونوں تجویزیں میں تمہارے سامنے رکھ رہی ہوں۔ تمہیں ان میں سے ایک کو ضرور قبول کرنا ہوگا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں گویا فیصلہ سنا دیا۔

"اوہ اتنی سختی"! ساجدہ نے کراہنے کے سے انداز میں کہا۔

کنول اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔" ایک خاتون کا پرائیویٹ' انگلش میڈیم اسکول ہے۔ تمہارے گھر سے زیادہ فاصلے پر بھی نہیں ہے۔ پیدل کا فاصلہ ہے۔ زیادہ پرانا اسکول نہیں ہے۔ انہیں تم جیسی محنتی اور پڑھاکو قسم کی لڑکیوں کی سخت ضرورت ہے۔ روپیہ بھی وہ دل کھول کر خرچ کر رہی ہیں۔ جس طرح عام طور پر نئے اور چھوٹے موٹے اسکول لڑکیوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں چار چار پانچ پانچ سو روپے پر ملازم رکھ لیتے ہیں' ویسا سلسلہ نہیں ہے۔ ان خاتون نے صرف لوگوں کو لوٹنے کھسوٹنے کے نقطہ نظر سے اسکول نہیں کھولا۔ وہ واقعی اسے قابل فخر اسکول بنانے کی فکر میں ہیں۔ میں نے ان سے بات بھی کرلی ہے۔ تنخواہ معقول دیں گی۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ تم وہاں پڑھانا شروع کر دو۔ دل بہل جائے گا اور تم قسطوں میں مرنے سے بچ جاؤ گی۔ وہاں خواتین اور بچوں سے ہی تمہارا واسطہ رہے گا اس لئے کوئی الٹی سیدھی شکایت پیدا ہونے کا امکان کم ہی ہوگا۔"

"اور دوسری تجویز کیا ہے؟" ساجدہ نے کوئی خاص دلچسپی ظاہر کئے بغیر پوچھا۔

"پاپا کو کچھ عرصے سے وہم ہوگیا ہے کہ میں بہت ذہین اور کاروباری لڑکی ہوں۔" کنول ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "ان کا خیال ہے کہ اگر میں کوئی کاروبار کروں تو بہت کامیاب رہوں گی۔ وہ مجھے ریڈی میڈ کپڑوں کا کام کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جبکہ میں اس کام کے بلکہ کسی بھی کام کے قریب پھٹکنا بھی نہیں چاہتی۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں کتنی مصروف لڑکی ہوں۔"

"واقعی۔" ساجدہ نے اثبات میں سرہلایا۔ "تمہاری مصروفیات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ آج یہاں پارٹی' آج وہاں فنکشن۔ آج اس کی سالگرہ' آج اپنی سالگرہ۔ آج کسی کے ہاں ہاؤس وارمنگ پارٹی تو آج کسی کے ہاں فیئر ویل پارٹی۔ آج کسی کا زکام ٹھیک ہوگیا تو پارٹی۔ آج کسی نے ڈائٹنگ کرکے دو پونڈ وزن کم کرلیا تو اس خوشی میں پارٹی۔ تمہیں بھلا فرصت کہاں۔"

"بالکل ٹھیک سمجھیں تم۔" کنول نے سنجیدگی سے اثبات میں سرہلایا۔ "ان حالات میں بھلا کاروبار جیسی فضول اور بے ہودہ سرگرمی کے لئے کون وقت نکال سکتا ہے۔ میرا تو پاپا سے

اکثر کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جو کمالیا ہے پہلے اس کو تو خرچ کرلیں۔ مزید کما کر ہمیں کرنا کیا ہے؟ بنکوں ہی کو فائدہ پہنچانا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ باتیں میں پاپا کو نہیں سمجھا سکتی۔ انہیں قائل نہیں کرسکتی۔ میں ان کی اکلوتی لڑکی ہو' وہ مجھے بہت لائق فائق دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"جبکہ تم نالائق کی نالائق ہی رہنا چاہتی ہو۔" ساجدہ بولی۔

"ہاں' اسی میں عافیت ہے۔" کنول بولی۔ "ننانوے کے پھیر میں پڑنے کے بعد تو انسان کتنا ہی کمالے' اسے چین نہیں آتا۔ میں اس ریٹ ریس میں شامل ہونا نہیں چاہتی۔"

"تو پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ پاپا کو خوش کرنے کے لئے کام شروع کروں۔ لیکن اسے درحقیقت تم سنبھالو۔ ساری ذمے داری تمہاری ہو۔ میں صرف دکھاوے کے لئے سامنے رہوں گی۔ تمہارے علاوہ مجھے اپنی کسی دوست پر بھروسہ نہیں ہے۔ بات صرف روپے پیسے کی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ کسی کے بی ہاف پر کون دل و جان سے محنت کرسکتا ہے۔ یہ طے ہے کہ کام میں نقصان نہیں ہوگا۔ پاپا نے سارے انتظام کر رکھے ہیں۔ پہلے سے آرڈر موجود ہیں۔"

"تمہارے اعتماد کا شکریہ۔" ساجدہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "مگر میں بھی اس کام کے قریب نہیں پھٹک سکتی۔"

"اس ناشکری کی وجہ؟"

"یہ ناشکری کی نہیں' اپنی اوقات کو پہچاننے کی بات ہے۔ میں کاروبار کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ مجھ میں انتظامی صلاحیتیں بالکل نہیں۔ ریڈی میڈ کپڑوں سے میرا واسطہ اتنا رہا ہے کہ زندگی میں صرف چار چھ مرتبہ خرید کر پہنے ہیں۔ ایسا تو صرف فلموں اور افسانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی ایسا کاروبار شروع کر دیتی ہے جس کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتی۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی کروڑ پتی ہو جاتی ہے۔"

"ارے بابا! تمہیں اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پیچھے ہماری فیملی ہوگی۔ ہم تمہیں پوری آرگنائزیشن دیں گے۔ اصل میں تو ہمیں ہر لمحے نگرانی کرنے والے ایک دیانتدار اور قابل اعتبار شخص کی ضرورت ہوگی۔" کنول بولی۔

"یہ تو اس معاملے کا اور بھی خراب پہلو ہے کہ اس میں دوست کا روپیہ لگا ہوا ہوگا۔ وہ انگریزی کا مقولہ ہے نا۔ ڈونٹ ڈو بزنس ود اے فرینڈ۔ یو ول لوز بوتھ' دوست کے ساتھ کاروبار مت کرو۔ دونوں ہاتھ سے چلے جائیں گے۔ دوست بھی اور کاروبار بھی۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ اتنے بڑے تجربے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔ مجھے اگر زندگی کو بہلانا ہی ہوگا تو ٹیچنگ کے سہارے ہی بہلا لوں گی۔ اس میں اتنے خطرات نہیں ہیں۔"

"بہت ہی چھوٹی اوقات ہے تمہاری میں نے تو تمہارے لئے بڑے اونچے منصوبے بنائے

تھے۔" کنول منہ بنا کر بولی۔

"مجھے میری اوقات پر ہی رہنے دو۔ بہرحال میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم میرے لئے اتنا کچھ سوچتی ہو۔ لیکن ہمارے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم ایک دولت مند گھرانے کی لڑکی ہوتے ہوئے بھی ہمارے غریبانہ سے گھر میں آتی ہو۔ معمولی برتنوں میں ہمارے ساتھ کھانا کھاتی ہو' چائے پیتی ہو' ہمارے افلاس زدہ ماحول میں بیٹھ کر گھنٹوں ہمارے ساتھ گپ شپ کرتی ہو۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ ہمارے مسائل میں تم ذہنی طور پر شریک ہو' یہ کیا کم ہے۔"

"بہت فارمل باتیں کر رہی ہو۔" کنول نے اسے گھورا۔ "اتنی رسمی باتیں کرنے والوں کو میں گاڑی سے نیچے دھکیل دیا کرتی ہوں۔"

"تو دھکیل دو۔" ساجدہ نے اطمینان سے کہا۔ "تمہارے ہاتھوں سے تو مرنا بھی قبول ہے۔ بے شک گاڑی سے گرا کر گاڑی اوپر سے گزار دو۔"

"ایسی مری ہوئی شکلوں کو کیا مارنا۔" کنول نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "ویسے میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میری پیدائش سے پہلے پاپا بھی معمولی ملازم تھے اور انہیں ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔ سستی اور کاہلی کے الزام میں۔ میری پیدائش کے بعد انہوں نے معمولی سی رقم سے ٹھیکیداری شروع کی اور پھر لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ ان سے زیادہ محنتی آدمی آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں ان پر کاہلی اور سستی کے الزام درست تھے یا ان کی انتھک محنت کی داستانیں حقیقت تھیں۔ بہرحال پھر تو بس اوپر والے کا کرم ہوتا چلا گیا۔ پھر انہوں نے بجلی کے سامان کی مینو فیکچرنگ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بھی چل نکلا۔ مجھے یاد ہے میں جب چھوٹی تھی تو راتوں کو انہیں اکثر جاگتے ہی دیکھتی تھی۔ اب تو انہیں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔ ان کا بس چلے تو سر کھجانے کے لئے بھی ملازم رکھ لیں۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ اب انہیں بڑا افسوس ہوتا ہے کہ ان کی زیادہ اولادیں کیوں نہیں ہوئیں۔ بچے ہوتے' آج کام سنبھالتے۔ میں جو ایک ہوں' اسے بھی کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

ساجدہ ایک لمحے کے لئے دل ہی دل میں تقدیر کی بوالعجبی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک طرف لوگوں کے لئے اولاد ایک بوجھ تھی' ایک طرف لوگوں کو اولاد کی کمی کا قلق تھا۔ ایک طرف زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان نہیں تھا' ایک طرف وسائل کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ قدرت کے عجیب کھیل تماشے تھے۔

ذہن کا بوجھ بٹانے کے لئے اس نے موضوع بدلتے ہوئے کنول سے پوچھا۔ "تمہارا منگیتر کینیڈا سے واپس آ رہا ہے یا نہیں؟۔"

"ابھی تک اس کے ارادوں کا کسی کو کچھ پتا نہیں۔" کنول آہ بھر کر بولی۔ "اتنے برسوں

سے کینیڈا جا کر بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے نیاگرا آبشار خرید کر ہی واپس آئے گا۔ سنا ہے کوئی کاروبار کر رہا ہے وہاں۔ پاپا نے تو کئی بار اسے سے کہا ہے کہ کاروبار ہی کرنا ہے تو یہاں آکر کر لو مگر اس ہونق کی سمجھ میں بات ہی نہیں آتی۔ وہاں ضرور کوئی کشش ہے جس نے اسے روکا ہوا ہے۔ بہرحال اب تو پاپا اس سے کہنے والے ہیں کہ اگر چھ ماہ کے اندر اندر آکر اس نے شادی نہیں کی تو وہ منگنی توڑ دیں گے۔"

"اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو تمہیں دکھ نہیں ہوگا؟" ساجدہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"دکھ کیوں؟" کنول کو گویا اس کی حیرت پر حیرت تھی۔

"وہ تمہارا کزن ہے۔ بچپن کا ساتھی ہے۔" ساجدہ بولی۔

"بچپن کی باتیں بچپن کے ساتھ چلی گئیں۔ اب تو اس میں بچپن والی کوئی بات نہیں رہی نا۔ اسے کینیڈا میں پاپا نے سیٹل کروایا تھا۔ اب اس کا یہ عالم ہے کہ چھ چھ ماہ خط نہیں لکھتا۔ ہم لوگوں میں اس کی دلچسپی بس اتنی رہ گئی ہے جب رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو فون کر دیتا ہے۔ پاپا اس کے لئے کینیڈا میں کسی دوست کے توسط سے رقم کا بندوبست کر دیتے ہیں۔ اور بس میں سوچتی ہوں شادی سے پہلے یہ عالم ہے تو شادی کے بعد کیا ہوگا۔"

"اوہ!" ساجدہ محض اتنا ہی کہہ کر رہ گئی۔

کافی آچکی تھی۔ وہ دونوں چند لمحے خاموشی سے چسکیاں لیتی رہیں۔ پھر کنول بولی۔ "تو پھر کیا طے پایا؟ تم کیا کرو گی؟"

"تم چاہتی ہو کہ میں ضرور کچھ نہ کچھ کروں؟" ساجدہ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں' کیونکہ تمہارا ایک آدھ پرزہ تو پہلے ہی گرا ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تنہا اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے تمہاری باقی مشینری کو بھی زنگ لگ جائے اور زمانہ ہمیں الزام دے کہ ہم نے دوستوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔" کنول بولی۔

"میں دو چار روز میں سوچ کر جواب دوں گی۔" ساجدہ سر جھکائے ہوئے بولی۔ "بہرحال یہ طے ہے کہ اگر میں کروں گی تو اس اسکول میں ٹیچنگ ہی کروں گی جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔"

"ایک تو تم جیسے نکمے لوگوں کے نخرے بڑے ہوتے ہیں۔ ایک کام کرنا ہی ہے تو اس میں سوچ بچار کیسی؟"

"اصل میں اس دوران میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کروں گی میں اپنے آپ کو اتنا پراعتماد محسوس نہیں کر رہی کہ بس کل سے جا کر پڑھانا شروع کر دوں"۔ ساجدہ کمزور سے لہجے میں بولی۔

"چلو ٹھیک ہے"۔ کنول کو گویا اس پر ترس آگیا۔ "دو چار دن میں تم اپنی کھوپڑی کے نٹ بولٹ کس لو"۔

بعد میں ساجدہ کو احساس ہوا کہ اس نے دو چار دن کی مہلت لے کر اچھا ہی کیا تھا۔ وہ واقعی فوری طور پر جا کر پڑھانا شروع نہیں کرسکتی تھی اس پر تو ایک عجیب خالی الذہنی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی۔

اس کے پاس زبیری کی ایک ننھی سی تصویر تھی جو اس نے کتاب میں چھپا کر رکھی ہوئی تھی تنہائی کے اذیت ناک لمحوں میں وہ اسے نکال لیتی اور دیکھ دیکھ کر روتی رہتی۔ بالآخر ایک دن اس نے اسے ننھے ننھے پرزوں میں تبدیل کردیا۔ اس چھوٹی سی دھندلی تصویر کے ساتھ ہی گویا دل ریزہ ریزہ بھی دکھ کی انجانی فضاؤں میں کہیں بکھر گیا۔

دوسرے دن سے اس نے پڑھانے جانا شروع کر دیا۔ زندگی گویا ایک نئے ڈھب' ایک نئی ڈگر پر آگئی۔ دل خواہ کتنا ہی ویران تھا' پاؤں خواہ زخم زخم تھے' جینے کی امنگ خواہ کب سے دم توڑ چکی تھی۔ مگر زندگی کا ساتھ تو نباہنا تھا۔ وضع داری کا تقاضا یہی تھا کہ زندگی اسی طرح بسر کی جاتی جس طرح دوسرے لوگ کر رہے تھے۔

ابتداء میں شب و روز بہت بوجھل لگے۔ وقت گزارے نہیں گزرتا تھا ذہن پر وہی دھند سی چھائی رہتی تھی' حواس شل سے رہتے تھے مگر پھر رفتہ رفتہ اسے اس مقولے کی صداقت پر یقین آنے لگا کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ کچھ عرصے بعد جیسے اسے احساس ہی نہ رہا کہ لمحے کس رفتار سے گزر رہے ہیں۔ دن کس طرح مہینوں میں اور مہینے کس طرح برسوں میں ڈھل رہے ہیں۔

اس دوران بہت سی تبدیلیاں آئیں اس کی دو چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہوگئیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ دونوں مرتبہ لڑکے والے درحقیقت ساجدہ کو دیکھنے آئے تھے مگر یکے بعد دیگرے فرح اور عذرا کو پسند کرکے چلے گئے۔

ساجدہ کو دل شکستگی اور توہین کا تھوڑا سا احساس ضرور ہوا مگر ساتھ ہی خوشی بھی ہوئی کہ ابو کے سر سے ہی نہیں' اس کے اپنے سر سے بھی کچھ بوجھ کم ہو رہا تھا۔ یہ سوچنے والی چھوٹی بہنیں اپنے گھروں کو رخصت ہو رہی تھیں کہ بڑی بہن ان کی قسمتوں کے دروازے پر پتھر کی سل بنی بیٹھی تھی۔ اب صرف سب سے چھوٹی بہن کوثر رہ گئی تھی ساجدہ کو امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کی بھی ڈولی اٹھ ہی جائے گی۔

اس دوران اس نے بارہا تنہائی میں آئینے میں تنقیدی نظروں سے اپنا جائزہ لیا تھا۔ خود پرستی کو بالائے طاق رکھ کر اپنے آپ کو پرکھا تھا' تولا تھا' وہ شکل صورت میں اپنی بہنوں سے کمتر نہیں تھی تعلیم میں بھی زیادہ تھی ڈبل ایم اے ہوچکی تھی برسرروزگار تھی اور معقول تنخواہ لے

رہی تھی۔ لیکن شاید یہی اس کا عیب بن گیا تھا اس کی عمر زیادہ ہوچکی تھی۔ چہرے سے بھی جھلکنے لگی تھی۔ قدرتی طور پر وہ کچھ عمر چور بھی نہیں تھی اور عمر چھپانے کے ہنر سے بھی واقف نہیں تھی۔

ایک روز تو وہ اپنی ایک ساتھی ٹیچر کی بات سن کر حیران رہ گئی اس کا نام افشاں تھا اور اس نے بی اے کیا ہوا تھا۔ ساجدہ از راہ ہمدردی اسے مشورہ دے بیٹھی۔ "تم اکنامکس میں ایم اے کرلو"۔

"توبہ کریں ساجدہ باجی! میں تو کبھی بھی ایم اے نہیں کروں گی"۔ افشاں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے جواب دیا۔ کبھی کبھی ساجدہ کو قدرے حیرت سی بھی ہوتی تھی کہ اس کی زیادہ تر ساتھی ٹیچرز اسے باجی کہتی تھیں حتیٰ کہ وہ بھی جو عمر میں اس سے کچھ بڑی ہی دکھائی دیتی تھیں۔

"کیوں بھئی؟" ساجدہ حیرت سے بولی۔ "تم تو یوں کانوں کو ہاتھ لگا رہی ہو جیسے ایم اے کرنا بہت بری بات ہو"۔

"بری بات نہیں تو لڑکیوں کے حق میں کچھ زیادہ اچھی بات بھی نہیں"۔ افشاں بولی "دراصل میں نے محسوس کیا ہے کہ بی اے کرکے لڑکی دس سال بھی گھر بیٹھی رہے تو اس کا تاثر کم عمر لڑکی والا ہی رہتا ہے۔ ادھر لڑکی نے ایم اے کیا اور ادھر رشتے کیلئے آنے والوں نے اس کی عمر کے بارے میں تشویش میں پڑنا شروع کیا۔ فوراً ناک بھوں چڑھنے لگتی ہے۔ مجھے تو اگر ایم اے کرنا بھی ہوگا تو شادی کے بعد کروں گی"۔

"مائی گاڈ..........! کیسی دقیانوسی سوچ ہے"۔ ساجدہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "اگر سب لڑکیاں تمہاری طرح سوچنے لگیں تو لڑکیوں میں تو تعلیم کا رواج بہت کم ہو جائے"۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ دل ہی دل میں وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ ان چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کی زمانے اور زندگی پر نظر کتنی گہری تھی اس نے اندر ہی اندر افشاں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بے وقوف سی محسوس کیا۔

رشتے کے سلسلے میں جب لوگ ساجدہ کو دیکھنے آئے تھے اور چھوٹی بہنوں کو پسند کرکے چلے گئے تھے تو اس کی امی نے بھی اس چیز کو اچھا محسوس نہیں کیا تھا۔ انہوں نے خواہ ساجدہ کا دل رکھنے کے لئے ہی سہی' مگر ایک بار انکار ضرور کیا تھا۔ لیکن خود ساجدہ نے ہی ان کی منت کی تھی کہ وہ اسے انا کا مسئلہ ہرگز نہ بنائیں اور جس حد تک بھی فرض سے سبکدوشی کا موقع مل رہا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔ اور آج فرح اور عذرا اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ فرح تین بچوں کی اور عذرا دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔

جس اسکول میں ساجدہ پڑھا رہی تھی وہ مونٹیسوری اور نرسری کلاسوں سے شروع ہوا تھا

اب اس میں سیکنڈری کلاسیں شروع ہو گئی تھیں۔

اس کی سب سے اچھی دوست کنول کی شادی ہو چکی تھی اور وہ کب کی کینیڈا جا چکی تھی پھر بھی ساجدہ کو کوئی خاص احساس نہیں تھا کہ اس بات کو کتنے برس گزر چکے ہیں۔ اسے تو اس وقت جھٹکا سا لگا جب کنول نے کینیڈا سے اپنی تصویر بھیجی۔ تصویر میں اچھا بھلا ایک بچہ اس کے ساتھ کھڑا تھا کم از کم سات سال کا تو ضرور رہا ہو گا۔ اور کنول نے خط میں لکھا تھا۔ یہ ہے میرا بیٹا ذیشان..............

ان بے جان الفاظ کی تہہ میں بھی ایک عجیب سا فخر کروٹیں لے رہا تھا۔ ساجدہ دیر تک اس تصویر کو دیکھتی رہ گئی۔

اس سے بھی زیادہ ناقابل فہم سی حیرت کا سامنا اسے اس وقت کرنا پڑا' جب ایک روز بازار میں اسے اپنی ایک پرانی کلاس فیلو فرحت ٹکرا گئی۔ فرحت صرف میٹرک تک اس کی کلاس فیلو رہی تھی۔ وہ آگے پڑھ ہی نہیں سکی تھی۔ میٹرک کرتے ہی اس کی شادی ہو گئی تھی اور وہ اسلام آباد چلی گئی تھی۔

اس کے بعد سے آج سامنا ہوا تھا اسکول کے زمانے میں ہی وہ بھاری جان کی لڑکی تھی اب تو اچھی خاصی پھیل گئی۔ تھی سچی بات یہ تھی کہ ساجدہ نے تو اسے پہچانا بھی نہیں تھا فرحت نے ہی اسے پہچانا تھا اس کے ساتھ ایک جوان لڑکی بھی تھی اس سے بھی کچھ بڑی سی' جتنی فرحت خود میٹرک میں نظر آیا کرتی تھی۔

جب دونوں بہت جوش و خروش سے مل چکیں' شکوے گلے ہو چکے تو ساجدہ نے ہی سوالیہ نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ فرحت جلدی سے بولی۔ "کمال ہے! تمہیں اندازہ نہیں ہوا؟ بیٹی ہے میری۔ اتنی تو شکل ملتی ہے مجھ سے"۔

کیا وقت واقعی پر لگا کر اڑ رہا تھا؟

فرحت ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بھئی پہلی اولاد اگر لڑکی ہوئی ہو تو وہ کچھ زیادہ ہی جلدی بڑی ہو جاتی ہے"۔ پھر اس نے سوالیہ سے انداز میں ساجدہ کا سراپا جائزہ لیا۔ "تم اپنی سناؤ.........."

اس سے آگے اس نے کچھ نہ کہا مگر ساجدہ اس کی آنکھوں میں خاموش سوال پڑھ سکتی تھی۔ وہ یقیناً یہی جاننا چاہتی تھی۔ "شادی ہوئی یا نہیں؟ اگر ہو گئی تو بچے کتنے ہیں؟"

ساجدہ نے اندر ہی اندر اپنے آپ کو شرمندہ سی محسوس کیا۔ جیسے غیر شادی شدہ ہونا ایک سماجی جرم تھا اور اس جرم کی مرتکب ہونے میں قصور سراسر اس کا اپنا تھا۔

اپنی دانست میں اس نے ایک ڈھیٹ سی ہنسی کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کی مگر یہ ہنسی اسے خود ہی کچھ کھسیانی سی محسوس ہوئی۔ وہ بظاہر بے پروائی سے بولی۔ "بھئی ہم نے یہ بکھیڑا

نہیں پالا۔ بچے ہوئے ہیں ان سارے جھنجھٹوں سے"۔

ساجدہ کو احساس تھا کہ فرحت کی نظروں میں اس کے لئے ترحم تھا' ہمدردی تھی مگر وہ ایک مصنوعی سی ٹھنڈی سانس لے کر رشک آمیز لہجے میں بولی۔ "بھئی میں تو کہتی ہوں خوش قسمت ہو تم۔ واقعی بہت مشکل ہے آج کے دور میں گھر چلانا.......... بچے پالنا اور میاں کو خوش رکھنا.........."

فرحت کا اب میکہ بھی کراچی میں نہیں رہا تھا وہ کسی شادی میں شرکت کے لئے صرف تین دن کے لئے آئی ہوئی تھی انہوں نے ایک دوسرے کو بڑے جوشیلے انداز میں گھر آنے کی دعوت دی۔ حالانکہ دونوں ہی کو معلوم تھا کہ سرِراہ جو ملاقات ہوئی تھی سو ہو گئی تھی' اب کوئی بھی ایک دوسرے کے گھر جانے کا تردد نہیں کرے گا۔ زمانہ بہت تیز رفتار' کٹھن اور ہرجائی ہو گیا تھا کسی کے پاس کسی کے لئے وقت نہیں رہا تھا۔

جاتے جاتے فرحت نے ایک بار پھر گویا اسے خوبصورت منافقت کی تھپکی دینے کی کوشش کی۔ "قسم سے تمہارا فگر تو آج بھی وہی اسکول کے زمانے والا ہے۔ یہ سب شادی سے بچے رہنے کا کمال ہے۔ مجھے دیکھو.......... بارہ من کی دھوبن ہوتی جا رہی ہوں"۔

ساجدہ مسکرا دی۔ کبھی کبھی منافقت واقعی بڑا خوبصورت سہارا محسوس ہوتی ہے۔

گھر آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی اور دیر تک سنگھار میز کے آئینے میں اپنا جائزہ لیتی رہی۔ گزرے ہوئے ظالم لمحوں کی دھول اس کے انگ انگ پر بکھری ہوئی تھی۔ بجھی بجھی سی آنکھیں.......... رخساروں کے مرجھائے ہوئے گلاب .... خشک بالوں کے درمیان اجڑی سی مانگ.......... اور ان بالوں سے جھانکتے ہوئے چاندی کے تار..........

کیا واقعی یہ اسی کا چہرہ تھا؟ وہ آنکھوں میں جھلملاتے ستارے' وہ رخساروں پر مہکتے نادیدہ گلاب' وہ لبوں پر لرزتی شبنمی پنکھڑیاں کہاں چلی گئی تھیں؟ کیا وقت کا عفریت ساری بہاریں' ساری تازگی نگل گیا تھا؟ اپنا چہرہ اسے حسرتوں کا مرقد محسوس ہوا جس پر اس کے تصورات کے کاغذی اور بے رنگ پھول بکھرے ہوئے تھے۔

ماہ و سال کا وہ آسیب جو دبے پاؤں آ کر اس کے پیکر سے نہ جانے کیا کچھ چرا کر لے گیا تھا' اس کی طرف اس نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ مصنوعی سہاروں کی طرف بھی اس کی توجہ نہیں گئی تھی.......... شاذونادر ہی وہ میک اپ کرتی تھی۔ لباس کی بھی اسے کوئی خاص پروا نہیں ہوتی تھی۔

جس اسکول میں وہ پڑھاتی تھی اس کی بیشتر ٹیچر فیشن ایبل تھیں۔ اسکول اچھے علاقے میں تھا۔ زیادہ تر خوشحال گھروں کے بچے پڑھنے آتے تھے۔ ان کی مائیں کبھی کبھار اسکول آتی تھیں تو گویا کسی فیشن شو میں حصہ لینے کا اہتمام کر کے آتی تھیں۔

مگر ساجدہ کو کسی کی طرف دیکھ کر بھی تو رشک نہیں آتا تھا۔ کبھی اس کا اپنے روکھے پھیکے سراپا کی طرف دھیان نہیں جاتا تھا۔ بہت سی باتیں اس میں اپنی صنف کی فطرت کے بالکل خلاف تھیں۔ اس کی ساتھی لڑکیوں کو تو یہ بھی یاد رہتا تھا کہ فلاں عورت نے پچھلی عید پر کیا پہنا تھا اور اس عید پر کیا پہنا......... مگر ساجدہ کو خود اپنے بارے میں یاد نہیں رہتا تھا کہ گزشتہ روز اس نے کیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آتا تھا۔ اس کے اندر تصورات کی ایک عجیب دنیا آباد تھی اور وہ اس میں مگن رہتی تھی۔ مگر جب بھی کبھی مدتوں بعد وہ چونک کر اپنے گردوپیش پر نظر ڈالتی تھی تو اسے نئی حیرتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ماں اکثر و بیشتر اسے ٹوکتی رہتی.........”آخر یہ ہر وقت بیواؤں کی طرح سر جھاڑ منہ پہاڑ کیوں پھرتی رہتی ہو......... بلکہ تمہارے لئے تو بیواؤں کی مثال بھی مناسب نہیں ہے۔ آج کل کی بیوائیں تو سہاگنوں کو شرماتی ہیں۔ تم تو خود اپنے راستے میں کانٹے بوتی رہتی ہو۔ خدا کے لئے اپنا حلیہ ٹھیک رکھا کرو.........“

”مجھے تو کوئی خرابی نظر نہیں آتی اپنے حلیے میں.........“

وہ افسردگی سے جواب دیتی۔ ”جس تراش خراش کا رواج چل رہا ہوتا ہے اسی کے مطابق لباس ہوتا ہے۔ صاف ستھری رہتی ہوں......... مصنوعی لیپا پوتی میرے بس کی بات نہیں......... جیسی ہوں ویسی ہی نظر آتی ہوں......... لوگوں کی نظر میں پسندیدہ بننے کے لئے اگر میں اپنے آپ کو مصنوعی سہاروں میں جکڑ بھی لوں تو وہ چوبیس گھنٹے تو میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ روز و شب کے کسی نہ کسی مرحلے میں تو انسان کو اپنی اصلی اور خالص شکل میں دوسروں کے سامنے جانا ہی پڑتا ہے۔ اس وقت کیا ہوگا؟ اگر کسی کو اس کی اصلی اور خالص شکل میں پسند نہیں کیا جاتا تو پھر لنگڑے لولے سہاروں کا کوئی فائدہ نہیں.........“

”ایک تو میں تمہارے فلسفوں سے بڑی عاجز ہوں.........“ اس کی امی جل کر کہتیں۔ ”آج کے زمانے میں لڑکیوں کی اتنی بقراطی نہیں چلتی.........“

”اور میں آپ کے اس ”آج کے زمانے“ سے بڑی عاجز ہوں......... یہ ”آج کا زمانہ“ تو میری جان کو آگیا ہے.........“ وہ ملائمت سے کہتی......... ”میں شاید کسی اور زمانے کی مخلوق ہوں۔ غلطی سے اس زمانے میں پیدا ہوگئی ہوں......... بالکل مس فٹ ہوں میں اس سوسائٹی میں.........“

”لیکن اب تو مجبوری ہے......... رہنا تو اسی سوسائٹی میں ہے.........“ اس کی امی گہری سانس لے کر کہتیں......... ”سمجھوتا کرنے کی کوشش کرو‘ اپنے آپ کو کچھ بدلنے کی کوشش کرو“۔

”آپ کو کیا معلوم امی.........!“ وہ آہ بھر کر کہتی......... ”بہت کوشش کرتی ہوں

میں.........“

”خاک کوشش کرتی ہو.........“ امی کو غصہ آجاتا۔

”آپ سمجھتی کیوں نہیں امی!“ وہ مربیانہ لہجے میں کہتی.........”یہ سب قسمتوں کے سودے ہوتے ہیں.........“

اس قسم کی گفتگو ہمیشہ اسی طرح بے نتیجہ رہتی......... لیکن آج فرحت سے ملنے اور گھر آکر آئینے میں اچھی طرح اپنا جائزہ لینے کے بعد اسے ایک بے نام سا احساس زیاں ضرور ہوا تھا۔ اب تو اس کی سب سے چھوٹی بہن کوثر کی بھی منگنی ہو چکی تھی۔ ساجدہ اور کوثر کی عمروں میں خاصا لمبا فرق تھا مگر اب کوئی دن جاتا تھا کہ وہ بھی اپنے گھر کی ہونے والی تھی۔ ماں باپ کھینچ تان کر اس کی شادی کے انتظامات کرنے میں مصروف تھے۔

ساجدہ نے بھی اتنے برسوں میں جو کچھ کمایا تھا‘ بہنوں کی شادیوں پر لگا دیا تھا اور خود تہی دست کی تہی دست تھی......... گو کہ اسے اپنی راہوں میں آس کا کوئی ننھا سا چراغ بھی روشن نظر نہیں آتا تھا لیکن کبھی کبھار ایک موہوم سا خیال آتا تھا کہ ماں باپ تو ابھی تک اس کے ہاتھ پیلے کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے‘ اگر کبھی معجزاتی طور پر اس کا کوئی سلسلہ چل بھی نکلا تو اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی بیل کیسے منڈھے چڑھے گی......... تین لڑکیوں کا بوجھ اتارنے کے بعد تو گھر میں قرضوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہتا تھا......... مگر پھر ساجدہ جلدی سے اس سوچ کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتی تھی۔

وہ تو اس پودے کی طرح تھی جس کے گرد آکاس بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی زندگی دوسروں کو دے چکی تھی اور جواب میں اسے تشکر کا ایک لفظ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ اسے اب اندیشوں میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جن امیدوں پر اس نے اپنی پتھریلی‘ بنجر اور بے کیف زندگی میں تصورات کے گلشن سجائے رکھے‘ وہ سب تو وقت کے ساتھ دم توڑ گئی تھیں۔ دل کی ویران رہ گزر پر بھی بھلا کون سے شہزادے کے قدموں کی آہٹ ابھرنی تھی......... یہ سب کچھ سوچ کر اس نے دل کے کواڑ مضبوطی سے بند کر لئے تھے۔ مگر وقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اپنے دامن میں کیا کیا تغیرات لے کر آئے۔

ایک روز ساجدہ اسکول سے آئی تو صحن میں اسے دو نئی صورتیں دکھائی دیں‘ بھرے بھرے جسم کی ایک لڑکی تھی جو صورت سے ہی خاصی چٹاخہ پٹاخہ قسم کی چیز دکھائی دیتی تھی۔ دوسرا پکی عمر کا ایک مرد تھا۔ لمبے بال‘ گھنی مونچھیں‘ بھاری جسم‘ ناک پر نظر کا چشمہ۔ دونوں خاصے خوش لباس دکھائی دے رہے تھے۔ باہر گلی میں گھر کے سامنے جو پرانی سی گاڑی کھڑی تھی‘ غالباً انہی کی تھی۔ ان کے سامنے میز پر چائے اور لوازمات سجے ہوئے تھے۔ امی ہنس ہنس کر ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ مرد کے چہرے میں ساجدہ کو مانوسیت کی ہلکی سی جھلک

محسوس ہوئی۔

وہ سرسری سے انداز میں سلام کر کے اپنے کمرے میں جانے لگی تو امی نے آواز دے کر اسے روکا......... "ارے ساجدہ! تم نے پہچانا نہیں؟ یہ قمر اور عمارہ ہیں......... تمہارے مرحوم خالو عابد صاحب کے بچے......... قمر کے ساتھ تو تم بچپن میں بہت کھیلی ہو........."

ساجدہ کے پاؤں اپنی جگہ گڑ گئے۔ ذہن میں چھناکا سا ہوا اور یادوں کے طلسم خانے سے کئی پردے اٹھ گئے۔ وہ اس کے بچپن کا دور تھا جب اس کے ابو ملتان میں تعینات تھے۔ وہاں عابد صاحب کا گھر ان کے سرکاری کوارٹر سے نزدیک ہی تھا۔ عابد صاحب کسی دور پار کے رشتے کے حساب سے اس کے خالو ہوتے تھے۔ قمر اس وقت سانولا اور دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔ عمارہ اس وقت گود میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ساجدہ قمر کے ساتھ بچپن میں کھلی کودی تھی لیکن جب اس کے ابو کا تبادلہ ہوا تو معصوم یادوں کے وہ کارواں بہت پیچھے رہ گئے تھے.........

رفتہ رفتہ حافظے کے ان تاریک گوشوں پر فراموشی کی مکڑیوں نے جالے تان لئے تھے.........

پھر کبھی اس خاندان سے نہ ملاقات ہوئی' نہ رسم و راہ رہی' نہ کبھی خط و کتابت ہوئی.........

اتنے برسوں میں تو شکلوں اور شخصیتوں میں زمین آسمان کا فرق آ جاتا ہے......... اس نے اگر قمر اور عمارہ کو نہیں پہچانا تھا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔

اس نے قریب جا کر مسکراتے ہوئے دوبارہ سلام کیا۔ قمر اسی بچپن کی سی بے تکلفی سے بولا......... "ارے سجو! قسم سے مجھے تو بالکل امید نہیں تھی کہ زندگی میں دوبارہ کبھی تم سے ملاقات ہوگی......... میں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے........."

ساجدہ کا دل گویا کنپٹیوں میں آ کر دھڑکنے لگا۔ اسے اپنے کانوں کی لویں تپتی ہوئی سی محسوس ہوئیں۔ اس نے بمشکل نظر اٹھا کر قمر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور گہری گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے محسوسات کا بربط صدیوں سے خاموش تھا......... مگر اب اچانک ہی اس کے تار جھنجھنا اٹھے......... مصر کے اہراموں میں مدفون' حنوط شدہ ممی کے وجود میں زندگی کی پھریری دوڑنے لگی۔

مگر وہ اپنی اس کیفیت سے خوفزدہ ہو گئی۔ اس کا گلا خشک ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ یکدم چلا اٹھے ...."بند کرو اپنی یہ آنکھیں......... نہیں چاہئیں مجھے ایسی نظریں.........!" مگر وہ کچھ نہ بول سکی......... بت بنی کھڑی رہی۔

قمر کی آواز اسے بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔ "ایسی گم صم کیوں کھڑی ہو بھئی؟ بچپن میں تو خوب قینچی کی طرح زبان چلتی تھی تمہاری"۔

ساجدہ ایسا بے تکلفانہ لہجہ سننے کی عادی نہیں تھی۔ اس کے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا لیکن وہ

فیصلہ نہ کر سکی کہ اس کے دل کی یہ حالت پسندیدگی کی وجہ سے تھی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ اسے غصہ آ رہا تھا یا خوشی محسوس ہو رہی تھی؟ اس کی رگ و پے میں نفرت کی کڑواہٹ پھیل رہی تھی یا وہ لاشعوری طور پر لذت اندوز ہو رہی تھی۔

اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے وہ نہایت دھیمے لہجے میں بولی۔ "عمر کے ساتھ ساتھ انسان میں سنجیدگی آ جاتی ہے اور آنی بھی چاہئے"۔

"یہ ابھی سے عمر کا کیا کمپلکس ہو گیا بھئی تمہیں؟" قمر مصنوعی خفگی سے بولا۔ "ایسی کوئی بڈھی کھوسٹ تو نہیں ہو گئیں تم۔ ہمیں دیکھو......... عمر میں تم سے بڑے ہیں لیکن ہم تو ابھی تک اپنے آپ کو لڑکا بالا ہی سمجھتے ہیں۔ جینز پہنتے ہیں......... گلی کوچوں میں لڑکے کرکٹ کھیلتے نظر آ جاتے ہیں تو راہ چلتے رک کر ان سے بیٹ لے کر دو چار شاٹ بھی مار لیتے ہیں۔ ہنستے کھیلتے اور قہقہے لگاتے ہیں۔ زندگی کو زندگی کی طرح گزارتے ہیں۔ سزا کی طرح نہیں"۔

قمر کی بہن عمارہ نے جلدی سے لقمہ دیا۔ "ہاں باجی! بھائی جان تو اپنے آپ کو ایسا چھیل چھبیلا سمجھتے ہیں کہ ابھی تک شادی کے لئے بھی رضامند نہیں ہوئے۔ کہتے ہیں ابھی سے شادی کر کے میں کیا کروں گا' ابھی تو میرے کھانے کھیلنے کے دن ہیں"۔

"ماشاء اللہ........." ساجدہ نے بظاہر ملائمت سے کہا۔ "اپنے اپنے حوصلے کی بات ہے........."

اس کی امی غالباً موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے جلدی سے بولیں...... "سجو! یہ لوگ اب کراچی ہی شفٹ ہو گئے ہیں۔ قمر نے ایم بی بی ایس کیا ہوا ہے۔ اب یہ یہیں کلینک کھولے گا۔ عمارہ کا بھی ملازمت کا ارادہ ہے اس نے بی ایڈ کیا ہوا ہے"۔

"بہت خوب......... بڑی خوشی ہوئی سن کر........." ساجدہ نے گویا ازراہ ترحم سوچا کہ کچھ رسمی باتیں بھی کر ہی لینی چاہئیں......... وہ براہ راست قمر سے مخاطب ہوئی۔ "تو کیا آپ ملتان میں کلینک نہیں کر رہے تھے؟"

"کچھ ہی عرصہ پہلے کھولا تھا لیکن کوئی خاص چلا نہیں"۔ قمر بولا "میں نے زیادہ عرصہ سرکاری ہسپتالوں میں ملازمت میں گزارا ہے"۔

"کلینک کیا خاک چلنا تھا........." عمارہ نے ایک بار پھر لقمہ دیا۔ "مریضوں کے سامنے بھی ٹھٹھے لگاتے رہتے تھے اور ہر ایک کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ اسے کوئی بیماری نہیں۔ مریض تو بے چارہ زیادہ سے زیادہ ہمدردی چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے مرض کا حال بتائے تو ڈاکٹر سراپا ہمدردی بن جائے' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگیں۔ مریض کہے کہ میری ایک ٹانگ میں درد ہے تو ڈاکٹر اسے یقین دلائے کہ مجھے تو تمہاری دوسری ٹانگ میں بھی درد محسوس ہوتا ہے' بے شک ٹانگ تمہاری ہے لیکن درد میں محسوس کر

رہا ہوں۔ لیکن ہمارے بھائی جان اس قسم کی کوئی بات نہیں کرتے تھے اس لئے مریض ایک بار آنے کے بعد دوبارہ ان کے کلینک کا رخ نہیں کرتا تھا“۔

”اس پاگل کو کیا معلوم“۔ قمر اپنی بہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”مریض دوبارہ اس لئے نہیں آتا کہ وہ پہلے ہی وزٹ پر ٹھیک ہو چکا ہوتا تھا۔ میں کوئی ان ڈاکٹروں میں سے تھوڑا ہی ہوں جن کے پاس کوئی ایک بیماری کے علاج کے لئے آتا ہے تو وہ اسے دو بیماریاں اور لگا دیتے ہیں۔ بے چارہ زندگی بھر کلینک کے چکر ہی لگاتا رہتا ہے۔ آپ لوگ دیکھ نہیں رہے کہ جتنے ڈاکٹر زیادہ ہو رہے ہیں‘ اتنی ہی بیماریاں بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ میرا تو مقولہ ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ بیماریوں سے مرجاتے تھے‘ آج کل علاج سے مرجاتے ہیں“۔

عمارہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”بھائی جان! مجھے تو اندیشہ ہے کہ کراچی میں بھی آپ کے کلینک پر الو ہی بولیں گے“۔

”نہیں‘ کبھی کبھی تم بھی آکر بول لیا کرنا“۔ قمر نے اسے پیار بھری چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ ساجدہ کی امی ہنستے ہوئے بڑی محبت سے ان دونوں بہن بھائیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ پھر وہ بسکٹ اور پیسٹریوں کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑے لاڈ سے بولیں۔ ”تم دونوں یونہی بچوں کی طرح لڑتے ہی رہو گے یا کچھ کھاؤ گے بھی؟“

”کھانے پینے کے معاملے میں آپ ہمیں کبھی پیچھے ہٹتے نہیں دیکھیں گی“۔ قمر ایک پیسٹری کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”میں شاید واحد ڈاکٹر ہوں جو اپنے مریضوں کو بھی اس وقت تک کچھ کھانے سے منع نہیں کرتا جب تک ان کی جان کو خطرہ نہ ہو“۔

”بھئی تم دونوں بہن بھائی ہو بہت دلچسپ“۔ ساجدہ کی امی مسکراتے ہوئے بولیں۔ ”تم دونوں کیا آئے ہو گھر میں رونق سی آگئی ہے۔ ورنہ یہاں تو اداسی چھائی رہتی ہے۔ فرح اور عذرا کی شادیاں ہوگئیں۔ کوثر کمپیوٹر کا کورس کر رہی ہے۔ اس وقت جاتی ہے تو شام ڈھلے آتی ہے۔ ساجدہ کے ابا ریٹائرمنٹ کے بعد پرائیویٹ نوکری کر رہے ہیں۔ صبح جاتے ہیں‘ رات کو آتے ہیں۔ ساجدہ بھی اس وقت آتی ہے۔ میں جوڑوں کے درد کی وجہ سے کافی حد تک معذور سی ہوگئی ہوں۔ ایک جگہ بیٹھی رہتی ہوں۔ درودیوار پر ایک سوگوار سی خاموشی چھائی رہتی ہے“۔

”آپ فکر نہ کریں آنٹی“! قمر منہ چلاتے ہوئے بولا۔

”آپ نے حوصلہ افزائی کر دی ہے۔ اب ہم دونوں بہن بھائی اکثر ہی آپ کے ہاں دھرے رہا کریں گے۔ کیونکہ کراچی میں ہمیں ابھی اور کسی عزیز رشتے دار کا گھر معلوم نہیں۔ آپ ہی کا گھر بڑی مشکل سے ڈھونڈا ہے“۔

”اب کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری گرمجوشی سے گھبرا کر آپ لوگ شہر چھوڑ جائیں“۔ عمارہ جلدی سے بولیں۔

”نہیں.......... نہیں اب ہم اتنے بھی کم حوصلہ نہیں“۔ ساجدہ کی امی ہنستے ہوئے بولیں۔ ”یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ جب دل چاہے بلاتکلف آؤ۔“

قمر ایک بار پھر ساجدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ”آنٹی بتا رہی تھیں کہ تم نے ڈبل ایم اے کیا ہے.......... بھئی بڑی خوشی ہوئی سن کر۔ لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ ذہن کے دریچے کھل جاتے ہیں..........“

”اور یہ جو دل کے دریچے بند ہوگئے ہیں انہیں کون کھولے گا آکر؟“ ساجدہ نے بڑے دکھ سے دل ہی دل میں سوچا مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔

قمر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”اور تم نے یہ بھی بہت اچھا کیا ٹیچنگ کی لائن اختیار کرلی۔ لڑکیوں کے لئے تو خاص طور پر یہ پروفیشن بہت اچھا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں‘ میں نے خود کچھ عرصے کے لئے پارٹ ٹائم ٹیچنگ کی تھی۔ انسان کو احساس ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی کو کچھ دے رہا ہے۔ سوسائٹی کی تعمیر میں اس کا بھی کچھ حصہ ہے..........“

ساجدہ بیٹھی ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہت رسمی لگ رہی تھیں اسے یہ باتیں۔ وہ اسے بتا نہیں سکی کہ سوسائٹی میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو اپنی مرضی اور ارادے سے کوئی لائن اختیار کر سکتے تھے۔ حالات نہ جانے کس کی انگلی پکڑ کر کہاں لے جاکر کھڑا کر دیتے تھے۔ اور جہاں تک سوسائٹی کو کچھ دینے کا سوال تھا۔ تو وہ دیانتداری سے بچوں کو پڑھاتی ضرور تھی لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ سوسائٹی کو کچھ دے رہی ہے یا نہیں۔ وہ تو بس آنکھیں بند کئے ایک عجیب پراسرار سے دھندلکے میں‘ لگے بندھے راستے پر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ راستہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔

قمر کی آواز ایک بار پھر اسے بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔ ”سجو! میری مانو تو تم اب پی ایچ ڈی بھی کرلو۔ تم یقیناً ہمارے خاندان کی پہلی پی ایچ ڈی لڑکی ہوگی“۔

ساجدہ کے حلق میں آنسوؤں کا غبار سا بھر گیا۔ دل ہی دل میں اس نے کہا۔ ”کیا مجھے بہلانے کے لئے کسی کے پاس تعلیم کے لالی پاپ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ منزل کا تعین کئے بغیر میں کہاں تک بڑھتی جاؤں؟ کیا میری قسمت میں ڈگریوں کے کاغذی پھولوں کے سوا مسرت کا کوئی پھول نہیں ہے؟“

مگر یہ سب کچھ وہ کس سے پوچھتی‘ کون جواب دیتا؟ چنانچہ حسب عادت وہ خاموش رہی۔ حلق میں آنسوؤں کا غبار تھا مگر بظاہر وہ مسکراتی رہی۔

دفعتہً قمر نے پوچھا۔ ”آپ پڑھاتی کون سے اسکول میں ہیں؟“

ساجدہ نے اسے اسکول کا نام بتایا۔ قمر کو گویا محض اسکول کا نام جاننا کافی محسوس نہ ہوا۔ اس نے باقاعدہ اس کا محل وقوع سمجھا اور کئی لمحے تک پرخیال انداز میں سرہلاتا رہا۔ اس کے رویے میں کوئی گورکھ دھندا نہیں تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ ساجدہ کی شخصیت میں' اس کے حالات میں' اس کی تعلیم میں اور اس کے کیریئر میں' غرضیکہ ہرچیز میں دلچسپی لے رہا تھا۔

مگر کہیں یہ محض سراب تو نہیں تھا؟ کہیں یہ اس کی عادت تو نہیں تھی؟ بعض لوگوں کا رویہ سبھی کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے وہ ان کی ذات میں بہت دلچسپی لے رہے ہوں۔ وہ اس کے بارے میں یقین سے کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی۔ بچپن کی رفاقت کے بعد برس ہابرس کا طویل وقفہ حائل تھا۔ آج کی ملاقات کو ایک طرح سے پہلی ہی ملاقات کہا جاسکتا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ساجدہ اپنے کمرے میں آئی تو مدتوں بعد اس نے دیر تک آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ رخساروں کی شفق کچھ ایسی ماند بھی نہیں پڑی تھی۔ لبوں کی پنکھڑیاں کچھ ایسی مرجھائی بھی نہیں تھیں۔ آنکھوں میں جگنو تو ابھی جھلملاتے تھے۔ محسوسات کے آتش فشاں خاموش ضرور تھے مگر سرد تو نہیں پڑے تھے۔ اندر کی دنیا پر ایک یاس انگیز کہر ضرور چھائی ہوئی تھی مگر یہ دنیا اجڑی تو نہیں تھی۔ دل' خوابیدہ زخموں کی آماجگاہ ضرور تھا مگر اس نے دھڑکنا چھوڑا تو نہیں تھا۔ بالوں میں چاندی کے تار ضرور چمکنے لگے تھے لیکن اچھوتی سوچوں پر تو برف نہیں جمی تھی۔

تیسرے دن وہ اسکول میں اپنی کلاس لے رہی تھی کہ ماسی نے آکر بتایا......"بی بی جی! آپ سے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔ میں نے انہیں اسٹاف روم میں بٹھا دیا ہے.........."

وہ بڑی حیران ہوئی۔ اسکول میں اتنے برسوں میں آج تک کوئی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ بچوں کے والدین میں سے اگر کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ آفس میں آتا تھا اور میڈم اسے وہیں بلالیتی تھیں۔

"کون صاحب ہیں؟ نام پوچھا تھا تم نے؟" اس نے ماسی سے دریافت کیا۔

"قمر نام بتایا ہے جی انہوں نے"۔ ماسی نے جواب دیا۔ اور نرسری کے ایک چھوٹے سے بچے کا ہاتھ تھامے آگے چل دی۔

ساجدہ اسٹاف روم میں پہنچی تو اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ قمر نے اپنی مخصوص بے تکلفانہ اور بے مقصد سی ہنسی کے ساتھ' کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ وہ فربہی مائل آدمی تھا لیکن آج تھری پیس سوٹ میں خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"آپ یقیناً حیران بھی ہو رہی ہوں گی.......... اور پریشان بھی.......... کہ اس شخص کو اسکول کا پتا کیا بتا دیا' یہ تو فوراً ہی آدھمکا.........." شاید یہ اس کا معذرت خواہی کا انداز رہا ہو لیکن اس کے لہجے میں معذرت ہرگز نہیں تھی۔

پھر وہ بیٹھتے ہوئے بولا.........."بھئی ہم تو ایسے ہی آدمی ہیں.........."

"کوئی بات نہیں.........." ساجدہ رسمی سے لہجے میں بولی.........."آپ نے اچھا کیا جو چلے آئے"۔ پھر غیرارادی طور پر اس کے منہ سے نکل گیا.........."کوئی کام تھا مجھ سے؟"

"جی نہیں.........." وہ کچھ حیران سا نظر آیا.........."ابھی تو مابدولت غیرشادی شدہ ہیں.........اگر کبھی شادی ہوئی اور بچے ہوئے تو شاید داخلے وغیرہ کے مسائل درپیش ہوں.........."

"وہ دراصل.......... میرا یہ مطلب نہیں تھا.........." وہ کچھ جھینپ سی گئی اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ بات کو کس طرح سنبھالے۔ جلدی سے بولی.........."آپ بیٹھئے نا.........."

وہ بیٹھتے ہوئے بولا.........."ویسے کوئی ضروری تو نہیں کہ انسان کو جب کسی سے کام ہو تبھی ملا جائے.........."

"جی ہاں.......... درست کہا آپ نے.........." وہ قدرے مضطرب سے لہجے میں بولی.........."چائے منگاؤں آپ کے لئے؟" سچی بات یہ تھی کہ اسے اسکول میں کسی بیرونی ملاقاتی اور خصوصاً مرد ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں تھا۔

"نہیں.......... نہیں.......... تکلفات پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں.........." خلاف توقع وہ بولا.........."میں تو یونہی ذرا چلتے چلتے یہاں جھانکنے آگیا تھا۔ اچھا خاصا اسکول ہے یہ تو.........."

"بہت سے لوگوں کی برسوں کی محنت سے ایسا بنا ہے"۔ ساجدہ کے لہجے میں خودبخود فخر جھلک آیا.........."جب میں نے جوائن کیا تھا تو بلڈنگ کا زیادہ تر حصہ خالی پڑا رہتا تھا۔ بس دو تین کلاسوں میں چار چار چھ چھ بچے بیٹھے ہوئے تھے"۔

"بہت خوب.......... اب تو اچھا خاصا مشہور ہے۔ مجھ جیسا آدمی جسے ابھی یہاں کے راستوں سے زیادہ واقفیت نہیں ہے' بھی آسانی سے پہنچ گیا.........." قمر نے کہا پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا.........."بس اب میں چلتا ہوں۔ آپ کلاس لیجئے۔ گھر کا ایڈریس تو اس روز میں نے آپ کو اور آنٹی کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ اب آپ کو اطلاع دینی تھی کہ ہم نے گھر کو اچھی طرح سیٹ بھی کرلیا ہے۔ آپ لوگ کسی بھی روز' کسی بھی وقت' بلاتکلف' بلا اطلاع تشریف لاسکتے ہیں اور عمارہ کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھانے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں.........."

"ہم ضرور آئیں گے.........." ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہم انتظار کریں گے.........." اس نے ایک ادائے خاص سے کہا اور رخصت ہوگیا۔

ساجدہ اس کے جانے کے بعد بھی دیر تک گم صم کھڑی رہی۔

بالآخر وہ اسٹاف روم سے نکلی تو قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیچر رک کر شریر سے انداز

میں بولی...... "کیا گھر پر ملاقات کی اجازت نہیں ہے جو مہمان یہاں بلائے جا رہے ہیں"۔

ساجدہ کو پہلے ہی اس قسم کا کوئی ریمارکس سننے کا اندیشہ تھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی...... "نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... یہ تو بن بلائے مہمان تھے......"

دو دن بعد قمر گاڑی لے کر ان دونوں ماں بیٹی کو لینے آ پہنچا...... "مجھے معلوم ہے یوں تو آپ لوگ آئیں گے نہیں...... میں خود ہی آپ کو اپنے کھٹارے میں لاد کر لے چلوں......" وہ اطمینان سے بولا...... ہم آپ کے شہر میں نووارد ہیں اور ہم نے اپنا گھر صرف ماسی کے مشوروں سے سیٹ کیا ہے کیونکہ ماسی کے مشورے عمارہ کے مشورے سے بہتر تھے...... لیکن آپ لوگوں کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ آکر مزید ہماری رہنمائی کریں۔ کہیں غریب الدیار لوگ بددل ہو کر واپس نہ چلے جائیں......"

ساجدہ اور اس کی امی نے کئی بہانے کئے لیکن قمر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور انہیں اس کے ساتھ روانہ ہونا ہی پڑا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ مکان نہایت معقول تھا اور بے حد خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی نہ جانے کب اور کس طرح آکر وہاں سیٹ ہو گئے تھے۔ ملتان میں وہ اپنا کافی بڑا آبائی مکان فروخت کر کے آئے تھے اور یہاں انہوں نے یہ نسبتاً چھوٹا مکان خرید لیا تھا لیکن ان دونوں بہن بھائیوں کی ضرورت کے اعتبار سے تو یہ بھی بہت بڑا تھا۔

عمارہ نے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ گویا اسے یقین تھا کہ قمر ان ماں بیٹی کو لے کر ہی آئے گا۔ کھانا نہایت پر تکلف تھا۔ قمر اور عمارہ دونوں ہی ان کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ ان ماں بیٹی کی ایسی دلداری اور خاطرداری زندگی میں کسی نے کم ہی کی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اظہار تشکر کریں تو کس طرح کریں۔

کھانے کے بعد گپ شپ کے دوران شادی بیاہوں کے قصے چھڑ گئے اور ان باتوں کے دوران عمارہ بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے شریر لہجے میں بولی...... "ظاہر ہے بھائی جان اب اس عمر میں شادی کریں گے تو کسی میچور لڑکی سے ہی کریں گے۔ انہیں کسی کمسن دوشیزہ کا رشتہ تو ملنے سے رہا"۔

قمر بہن کو گھونسا دکھاتے ہوئے بولا...... "ایک تو یہ لڑکی میری عمر کے ایسا پیچھے پڑی ہوئی ہے...... "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" والا معاملہ ہے۔ یا پھر بقول شاعر ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایک وہ بھی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کے بھائیوں' چچاؤں یا ماموؤں کے منہ میں دانت ہوتا ہے نہ پیٹ میں آنت...... مگر رشتہ مانگنے جاتی ہیں تو امیدوار کو انڈر نائنٹین ثابت کر کے آتی

ہیں۔ ایک یہ ہماری بہن ہے...... خود ہی اپنے بھائی کو بڑے میاں ثابت کرنے پر تلی رہتی ہے...... پگلی! تمہیں پتہ نہیں ہے اس سے تمہارے مستقبل پر بھی برا اثر پڑ سکتا ہے"۔

"مجھے اپنی پروا نہیں ہے بھیا!" عمارہ اپنا لہجہ غمناک بناتے ہوئے بولی...... "مجھے تو آپ کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ جوں جوں آپ کے سفید بالوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے میری راتوں کی نیند اڑتی جا رہی ہے۔ میرے سوا اب آپ کی فکر کرنے والا ہے بھی کون؟ میں تو کہتی ہوں جو بھی کرنا ہے' جلدی سے کر گزریں......"

"بے فکر رہو......" قمر سرہلاتے ہوئے معنی خیز سے انداز میں بولا...... "اب کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا وقت آ ہی گیا ہے......"

ساجدہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ اس کی امی ٹھنڈی سانس لے کر عمارہ سے مخاطب ہوئیں...... "رشتوں کا کیا پوچھتی ہو بیٹی! لڑکیوں والے تو آج کے دور میں بہت مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔ تم پڑھی لکھی' باشعور اور سمجھدار ہو...... تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ یہ مسائل کئی اعتبار سے کتنے پیچیدہ ہیں۔ کبھی کبھی تو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس عمر کے مردوں کو کس عمر کی لڑکیوں کے رشتے مل جاتے ہیں"۔

"وہ تو ٹھیک ہے آنٹی! لیکن آپ ہمارے بھیا کو نہیں جانتیں...... ان میں اتنی صلاحیت کہاں......" عمارہ شرارت سے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

ساجدہ کی امی گویا دل کی بات کہنے کا یہ مناسب موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔ ایک اور ٹھنڈی سانس لے کر فوراً بولیں...... "سارے مسائل دولت پرستی نے پیدا کئے ہیں بیٹی! مناسب رشتے تو بعض اوقات ناک کے عین نیچے موجود ہوتے ہیں۔ بعض اوقات خطا لڑکی والوں کی ہوتی ہے۔ جب لڑکی کم عمر ہوتی ہے تو وہ لوگ اپنی سطح سے ذرا بھی نیچے آنا پسند نہیں کرتے بلکہ کچھ زیادہ ہی اوپر کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹروں' انجینئروں کی راہ دیکھتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ لڑکی کی مناسب عمر گزر جاتی ہے۔ لڑکوں کا اور لڑکے والوں کا اور بھی زیادہ برا حال ہے۔ انہوں نے شادی کو ہی مستقبل سنوارنے کا سب سے بڑا موقع سمجھ لیا ہے۔ گرین کارڈ' کار' بنگلہ' کاروبار کے لئے روپیہ اور نہ جانے کن کن چیزوں کا مطالبہ لئے پھرتے ہیں لوگ......"

ساجدہ کو اس گفتگو سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ اسے اپنی امی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ بیٹی کی موجودگی میں کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی ہیں اور ساجدہ کی انا کو یہ گوارا نہ تھا۔ اس نے موضوع بدلنے کے لئے یکدم ہی بلند سی آواز میں کہا...... "عمارہ! یہ ڈائننگ ٹیبل تو بہت خوبصورت ہے۔ بنی بنائی لی ہے یا بنوائی ہے؟"

"ارے باجی..........! بنوانے کا ٹائم کہاں تھا ہمارے پاس..........؟" عمارہ کراہنے کے سے انداز میں بولی.........."بھیا نے تو ایک دم ہی اٹھا پٹخ شروع کر دی تھی۔ ملتان میں مکان بیچا.......... یہاں آکر کرائے کے مکان میں گر گئے.......... ایک ماہ گزار کر یہ مکان لیا.......... ہفتے دس دن میں اسے سیٹ کر ڈالا اور کلینک کے لئے جگہ کی تلاش شروع ہو گئی.......... اس دوران دل گھبرانے لگا کہ کچھ ایسے گھر بھی تلاش کئے جائیں جن کے مکینوں کو وقت بے وقت جا کر تنگ کیا جاسکے۔ جن کے کان بے تکلفی سے کھائے جاسکیں.......... اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کا گھرانہ یاد آیا.........."

"بہت دیر لگائی ہم تک پہنچنے میں.........." ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی.........."جس روز تم دونوں کراچی آئے تھے' اسی روز کیوں نہیں پہنچے ہمارے پاس؟"

"بھیا کی خواہش تھی کہ ہم سیٹ ہونے کے بعد ہی کسی سے ملیں.......... ایک طرح کی سرپرائز سی دیں.......... کہیں کسی کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ ہم کسی کو کوئی زحمت دینے آئے ہیں.........." عمارہ نے گویا صاف گوئی سے کام لیا۔

"گستاخی معاف.......... بہت ہی احمقانہ سوچ تھی تمہارے بھیا کی.........." ساجدہ بولی۔

"میں آپ سے سوفیصد متفق ہوں.........." عمارہ فوراً بولی۔

"اس گھر کو "دوبارہ" آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے.........." قمر کراہ کر بولا۔

"قمر صاحب! مصرع وزن سے گر گیا ہے.........." ساجدہ نے خبردار کیا۔

"تم صرف مصرع کی بات کر رہی ہو ایسی بہنوں کی موجودگی میں تو انسان خود اپنی نظروں سے گر جاتا ہے.........." قمر نے مظلومانہ سے انداز میں کہا پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا چونک کر بولا.........."یہ تمہیں مصرعوں کے وزن اور بحر وغیرہ کا پتا ہے کیا؟"

"تھوڑا' تھوڑا.........." ساجدہ نے جواب دیا۔

"اف خدایا..........!" قمر نے سر تھام لیا.........."ایک تو ہمارے ہاں کی لڑکیاں شاعری میں ٹانگ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتیں.......... سولہ سال کی عمر سے روتے روتے المناک قسم کے اشعار کا ذخیرہ کرنا شروع کر دیتی ہیں.......... تم ان سے بھی کچھ آگے بڑھ گئیں.......... وزن اور بحر کی بھی خبر رکھنے لگیں.........."

"لیکن میرے پاس اشعار کا ذخیرہ نہیں ہے.......... آپ بے فکر رہیں۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی بھی چیز کا ذخیرہ نہیں کیا.........." ساجدہ نے اسے تسلی دی۔

اسی طرح کی رنگ بدلتی گفتگو میں دیر تک وہ محفل جمی رہی کبھی کوئی سنجیدہ موضوع چھڑ جاتا تو کبھی باتوں میں شگفتگی اور چھیڑ چھاڑ غالب آ جاتی بالآخر ساجدہ کی امی جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ قمر انہیں گاڑی میں ان کے گھر چھوڑنے آیا۔

اس کے جانے کے بعد ساجدہ کی امی رشک آمیز سے لہجے میں بولیں.........."کتنے اچھے بہن بھائی ہیں.......... کتنے ہنس مکھ اور بے فکرے.........." پھر یکدم ہی انہوں نے بظاہر سرسری سے لہجے میں پوچھا.........."تمہیں کیسا لگا قمر؟"

ساجدہ نے ماں کی آنکھوں میں جھانکا اور ایک لمحے کے توقف کے بعد مجروح سے لہجے میں بولی.........."پھر امی..........! اب خواب دیکھنے مت شروع کر دیجئے گا.......... اس کے اور ہمارے درمیان کافی فاصلہ ہے.......... وہ خوش شکل ہے.......... خوش حال ہے.......... ذاتی مکان اور گاڑی کا مالک.......... پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر.......... ایسے لوگوں کی آنکھیں بہت اوپر ہوتی ہیں..........اور کراچی جیسے شہر میں انہیں کوئی کمی بھی نہیں ہوتی.........." اس کی آواز حلق میں اٹکنے لگی وہ جلدی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ماں کو تو اس نے خواب دیکھنے سے باز رہنے کی تاکید کی تھی لیکن دل بے ایمان خود بار بار خوابوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتا تھا.......... قمر کے انداز میں کوئی خاص بات تھی ضرور.......... کبھی کبھی بچپن کی یادیں بھی تو انسان کو ایسے فیصلوں پر مجبور کر دیتی ہیں جو بظاہر منطقی نظر نہیں آتے۔ اس کے اندر بار بار کسی تاریک گوشے سے سرگوشی سی ابھرتی.......... اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی من ہی من میں امیدوں کے خوش رنگ تار الجھانے سلجھانے لگتی۔

مدت ہوئی اس نے خوابوں کے ہر دریچے پر سنگدلی اور خود آگہی کے بھاری قفل ڈال دیئے تھے اور اپنی حسرتوں کی راکھ کا سیندور مانگ میں سجا کر مسکرانا سیکھ لیا تھا.......... ایسے میں قمر نہ جانے کیوں بچپن کی بھولی بسری وادیوں سے نکل کر اس کے سامنے چلا آیا تھا۔

وہ دونوں بہن بھائی ہر تیسرے چوتھے روز ان کے ہاں آنے لگے۔ وہ کیا آتے تھے گھر میں گویا زندگی چلی آتی تھی.......... افسردگی اور تفکرات کی وہ نادیدہ سی لہر جو ہر وقت گھر کے ماحول پر چھائی رہتی تھی ان کے آتے ہی چھٹ جاتی تھی۔

ساجدہ نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر' اس کی سوچوں پر اور اس کے محسوسات پر نکھار سا آنے لگا تھا۔ وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی تو بہت بہتر محسوس ہوتا۔ دل کو ٹٹولتی تو وہاں اچھوتی امنگیں کروٹیں لیتی محسوس ہوتیں۔ رگ و پے میں ایک انجانا سا سرور تیرتا رہتا جو اسے آسمان اور زمین کے درمیان کہیں معلق رکھتا.......... کبھی کبھی وہ غیر ارادی طور پر کسی کام کے دوران گنگنانے لگتی۔

دن گزرتے جا رہے تھے مگر قمر یا اس کی بہن کے منہ سے واضح طور پر وہ بات نہیں نکلی تھی جسے سننے کی ساجدہ اور اس کی امی دونوں ہی لاشعوری طور پر منتظر تھیں۔

پھر ایک روز وہ دونوں بہن بھائی آئے تو معمول سے کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہے تھے حسب معمول خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ رات کا کھانا کھا کر وہ رخصت ہونے لگے تو ساجدہ انہیں

چھوڑنے دروازے تک آئی۔ قمر پہلے باہر چلا گیا تھا اور کچھ دور کھڑی ہوئی اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا ساجدہ اور عمارہ خواتین کی مخصوص عادت کے مطابق دروازے پر رک کر الوداعی گفتگو کر رہی تھیں۔

"اب کب آؤ گی؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"بس اب تو بھیا کی شادی کی تاریخ ہی بتانے آؤں گی.........." عمارہ مسرور لہجے میں بولی۔

"خوب.......... تو گویا بھابھی تلاش کرلی ہے تم نے؟"

ایک لمحے کے لئے ساجدہ کے من میں نقرئی سی گھنٹیاں بج اٹھیں کیونکہ عمارہ شوخ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عمارہ کی نظر اور ذہن جیسے یکدم کہیں دور چلا گیا تاثرات بدل گئے اور وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی.......... "بھیا نے ہمیں تو اس خدمت کا موقع ہی نہیں دیا.......... انہوں نے تو طالبعلمی کے زمانے سے ہی اپنی جیون ساتھی کا انتخاب کر رکھا تھا.......... لیکن ان کے ساتھ بڑی ٹریجڈی رہی۔ لڑکی کے ساتھ کچھ ایسی مجبوری آن پڑی کہ اسے والدین کی مرضی کے مطابق کسی اور لڑکے سے شادی کرکے یہاں کراچی آنا پڑا.......... حالانکہ وہ ڈاکٹر بن چکی تھی اچھے بھلے آزاد خیال خاندان سے تعلق رکھتی تھی.......... چاہتی تو تھوڑی سی خودمختاری' تھوڑی سی بغاوت کا مظاہرہ کرسکتی تھی.......... مگر اس نے کچھ بھی نہ کیا.......... خاموشی سے رخصت ہو کر یہاں آگئی.......... بھیا کی وفاداری اور استواری دیکھو کہ انہوں نے اس کے غم میں شادی نہیں کی.......... ایک برس ہوا کہ موصوفہ کو طلاق ہوچکی ہے.......... لیکن وہ طلاق کے بعد بھی یہیں کراچی میں سیٹل ہے.......... پریکٹس کرتی ہے۔ دو بچے ہیں اس کے.......... جب سے اسے طلاق ہوئی ہے ان کے درمیان نہ جانے کیا خط و کتابت ہوئی ہے کہ تبھی سے بھیا کراچی شفٹ ہونے اور یہیں مستقل رہائش اختیار کرنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اس نے تو یہیں کہیں اپنے طور پر میری بھی بات پکی کر دی ہے اور بھیا نے اسے میری زندگی کے بارے میں بھی فیصلے کرنے کا مکمل اختیار دے رکھا ہے.......... اتنے دن سے یہی تو چکر چل رہے تھے.......... اب تو بس شادی کی تاریخ طے ہونے والی ہے.......... شاید ایک ہی تاریخ میں ہم دونوں بہن بھائی بھگت جائیں.......... اور اپنا یہ عالم ہے کہ ہم نے ابھی تک اپنے ہونے والے "ان" کی جھلک تک نہیں دیکھی.......... لیڈی ڈاکٹر کی ہوشیاری دیکھو.......... مجھے رخصت کرکے ہی گھر میں راج کرنے آئے گی"۔

ساجدہ کو بڑے زور کا چکر آ رہا تھا دل تھا کہ پاتال میں اترا جا رہا تھا اگر اس نے چوکھٹ مضبوطی سے نہ تھام رکھی ہوتی تو شاید وہ گر چکی ہوتی۔ عمارہ کی آواز سے بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس دوران قمر نے بہن کو بلانے کے لئے بے تابی سے ہارن دیا..........

ہارن کی کرخت آواز ساجدہ کو اپنی روح کے کھنڈر میں گونجنے والی کسی کریہہ چیخ سے مشابہ محسوس ہوئی۔ اس کی سماعت پر ان گنت خراشیں پڑ گئیں۔ پھر بھی اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن اسے احساس تھا کہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر زخم کی طرح کھلی ہوگی بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی.......... "یعنی.......... قمر دو بچوں کی ماں سے.......... ایک مطلقہ سے شادی کریں گے؟" لہجے میں بے یقینی تھی جیسے اس کا لاشعور دعا کر رہا ہو کہ کہہ دے یہ سب مذاق تھا۔

لیکن اس کے لاشعور کی یہ دعا قبول نہیں ہوسکی۔ عمارہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے بولی.......... "عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے.........."

ساجدہ کا گلا رندھ گیا تھا اور وہ چونکہ اپنی کوئی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے مزید کچھ نہ بولی چہرے پر مسکراہٹ سجانا قدرے آسان تھا لیکن آواز کی لرزش اور اس کی تہہ میں کراہتے ہوئے مجروح خوابوں کو چھپانا بہت مشکل تھا۔

عمارہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی.......... "اچھا باجی! میں چلتی ہوں.........." پھر وہ چونک کر بولی.......... "ارے.......... آپ کا ہاتھ تو برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا ہے!"

ساجدہ تب بھی کچھ نہ بول سکی بس مسکراتی رہی حالانکہ خیالوں کے صنم خانے میں سارے حسین بت چھن چھن کرکے بکھر چکے تھے اور ان کی کرچیاں اس کے دل میں پیوست ہوگئی تھیں.......... مگر مسکراہٹ کو اس نے اپنے چہرے پر چسپاں کرلیا تھا۔

قمر نے ایک بار پھر ہارن دیا اور بالآخر عمارہ رخصت ہوگئی۔ ساجدہ چوکھٹ تھامے کھڑی رہی حتیٰ کہ گاڑی کی سرخ بتیاں اس کی نظر سے اوجھل ہوگئیں تب اس نے حسرتوں کے مرقد پر سے تصورات کے کاغذی پھولوں کی پتیاں سمیٹیں اور بڑی بے دردی سے ذہن کے چور دروازے سے باہر پھینک دیں۔ کیا واقعی وہ اتنی بے وقوف تھی کہ قمر کی باتوں' اس کی نظروں' اس کے استعاروں' اس کے اشاروں کا مطلب غلط سمجھتی رہی تھی؟ یا اس میں قصور قمر کا بھی تھا؟ کیا وہ تبسم' وہ تکلم اس کی عادت تھی؟ کیا دونوں ہی بہن بھائیوں کی وہ گرم جوشی محض اس لئے تھی کہ ایک نئے اور ہنگامہ پرور شہر میں انہیں محض وقت گزاری اور خوش گپیوں کے لئے سہارے درکار تھے؟ درحقیقت ان کے دل میں کوئی بات نہیں تھی؟

بالآخر وہ اسی نتیجے پر پہنچی کہ قصور اس کا اپنا ہی تھا.......... یا پھر شاید اس کی تقدیر کا..........

اس نے ماں سے کچھ نہیں کہا.......... کہنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ اس نے سوچ لیا تھا کہ انہیں جب شادی کا دعوت نامہ ملے گا تو خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اپنے اندازوں کی غلطی کا صدمہ وہ بھی اٹھالیں گی۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی.......... لیکن جلد ہی اسے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے آنسو اسے خود اپنی ہی نظروں میں گرا رہے تھے۔

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ خیالوں کے صنم خانوں میں کانچ کے حسین بت تو اس طرح ٹوٹتے رہیں گے اور کسی شہزادے کے قدموں کی چاپ سننے کی ترستی ہوئی راہ گزر یوں ہی سنسان رہے گی.......... وہ کس کس صدمے پر یوں ہی اندر ہی اندر اپنے آپ کو ہلاک کرتی رہے گی؟

اس نے اپنی حیات سے لہو نچوڑ کر فرح اور عذرا کی راہوں میں تو مسرتوں کے چراغ روشن کر دیئے تھے اور ان کی آنکھوں سے جھانکتے ہوئے سوال کی چبھن اپنے دل کے زخموں میں جذب کر لی تھی' اپنی خوشیوں کے ٹوٹے تاروں سے ان کی زندگی میں اجالے بکھیر دیئے تھے۔ اپنی امیدوں کا سیندور ان کی مانگ میں سجا دیا تھا.......... لیکن ابھی تیسری بہن کوثر باقی تھی.......... اس کے لئے بھی ساجدہ کو یہی کچھ کرنا تھا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ کل کوئی شہزادہ آئے اور کوثر کی آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے ستارے اس وقت ماند پڑ چکے ہوں۔ اس کے رخساروں کے گلاب بھی مرجھانے لگے ہوں.......... اور تب انہیں بھی خوابوں کے شکستہ بتوں کی کرچیاں سمیٹنی پڑیں ساجدہ کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا اس نے تو اب اپنے آپ کو ایسا چراغ سمجھ لیا تھا جسے بجھنے سے پہلے اپنی روشنی دوسرے چراغوں کو دے کر جانا تھا۔

کوثر کی جہاں بات چیت چل رہی تھی' ان لوگوں کو شادی کی جلدی تھی جبکہ کوثر کے لئے جہیز کی تیاریوں میں کافی کمی تھی۔ یہ کمی پوری کرنے کے لئے ساجدہ کو ہی ایک بار پھر باپ کے شانہ بشانہ کھڑے ہونا تھا۔ چنانچہ آج کل وہ زیادہ سے زیادہ ٹیوشنیں پڑھا رہی تھی اور اس کے ابو زیادہ سے زیادہ اور ٹائم لگا رہے تھے۔ ساجدہ نے اسکول میں ایڈوانس کے لئے بھی اپلائی کیا تھا مگر وہاں سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔

بس اب تو اسی قسم کے مسائل سے نمٹنا اس کا کام تھا.......... خواب دیکھنا یا ان کی تعبیریں تلاش کرنا وہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

دیر تک وہ اپنے آپ کو یہ سب کچھ سمجھاتی رہی.......... مگر وہ جو اندر گھاؤ سا پڑ گیا تھا وہ اتنی جلدی تو نہیں بھر سکتا تھا۔ کئی دن تک وہ گم صم سی رہی چہرے پر زردی نے پڑاؤ ڈال لیا تھا رت جگوں کے باعث آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے۔

پھر ایک روز عمارہ نے اچانک ہی اپنا اور بھائی کی شادی کا کارڈ ساجدہ کی امی کے ہاتھ میں لا تھمایا تو وہ بھی ہکا بکا سی رہ گئیں۔ ساجدہ ان کی حالت دیکھ کر تلخی سے ہنس کر رہ گئی..........

دھوکہ ان کی تجربہ کار اور جہاندیدہ آنکھوں نے بھی تو کھایا تھا۔ اس دن کے بعد سے امی اس سے یوں نظر چرانے لگیں جیسے وہ اس کے سامنے شرمندہ ہوں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے مجرم سی محسوس کرتی ہوں.......... حالانکہ ساجدہ کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ان کا بھلا کیا قصور تھا؟

ساجدہ نے ایک ہموار جھیل کی طرح زندگی گزارنے کا ہنر تو بہت پہلے سیکھ لیا تھا اب بھی اسی طرح خاموشی سے اس کے شب و روز گزرتے رہے حتیٰ کہ قمر کی شادی بھی ہوگئی اور عمارہ بھی اپنے گھر کی ہوگئی۔ ساجدہ نے ان شادیوں میں شرکت بھی کی اور بعد میں وہ قمر کی بیوی سے بھی ملی.......... وہ کوئی ایسی غیر معمولی عورت نہیں تھی.......... ہاں مگر اتنا ضرور تھا کہ وہ اونچے طبقے کی عورت دکھائی دیتی تھی۔

کچھ عرصے بعد کوثر کی بھی شادی ہوگئی اور اس کے بعد تو گھر میں ایک عجیب سا سناٹا در آیا۔ اب گویا صرف ساجدہ ہی اپنی ماں اور باپ دونوں کی خاموش نگاہوں کا مرکز بن کر رہ گئی اٹھتے بیٹھتے اسے احساس ہوتا کہ وہ دونوں پرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں.......... مگر جب ساجدہ نظر اٹھاتی تو وہ نظر چرا لیتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ جس وقت بھی ان کی نظر ساجدہ کے چہرے پر جاتی تھی وہ اس کے بارے میں سوچنے لگتے تھے ساجدہ اپنے آپ کو عجیب سی شرمندگی کے بوجھ تلے دبا محسوس کرتی۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اپنے والدین کے لئے ایک مسلسل آزمائش بن کر رہ گئی ہے اس کے والدین اب بوڑھے بھی بہت ہو چکے تھے اور وہ ساجدہ کی مٹھی سے بھی عمر کی ریت بہت تیزی سے نکلتی دیکھ رہے تھے۔ شاید اس لئے اب ان کی مایوسی' دل شکستگی اور تشویش زیادہ ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک رات جبکہ ساجدہ ایک رسالہ پڑھتے پڑھتے سونے کا ارادہ ہی کرنے لگی تھی' اس کی امی نے اجازت طلب سے انداز میں اس کے کمرے میں جھانکا۔ تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ساجدہ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں مگر فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ کمرے میں آئیں یا نہ آئیں.......... نہ جانے کب سے ایک عجیب سا تکلف آ گیا تھا ماں بیٹی کے درمیان..........

"کیا بات ہے امی..........؟ آیئے نا.........." ساجدہ نے جلدی سے پلنگ پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

زیب النسا گویا اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھیں۔ گٹھیا کی مریضہ تھیں اب انہیں چلنے پھرنے میں بہت ہی زیادہ دشواری پیش آنے لگی تھی۔

سانس درست کرنے کے بعد مشفقانہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے وہ بولیں ....

"بیٹا..........! تاخیر یقیناً بہت ہو چکی ہے مگر تم ہی نے کہا تھا کہ یہ مقدروں کے کھیل ہوتے ہیں.......... میرا مطلب ہے تمہاری شادی کا سلسلہ .... شاید اس موضوع پر بات کرنا اب

تمہیں اچھا نہ لگے.......... مگر میں یہ بات کئے بغیر نہیں رہ سکتی.......... میں اس فرض سے سبکدوش ہو کر ہی قبر میں جانا چاہتی ہوں..........“

”یہ آج آپ کو بیٹھے بٹھائے کیا یاد آگیا؟“ ساجدہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”وہ.......... رضیہ خالہ ہیں نا..........“ زیب النسا بیگم سر جھکائے ہوئے بولیں ”وہ ایک رشتہ لائی ہیں..........“

رضیہ، جگت خالہ قسم کی چیز تھیں۔ یوں ہی گلی محلے میں ہر کسی کے کام میں پیش پیش رہنے کی کوشش کرتی تھیں۔ کسی کو مکان کرائے پر دلوا دیا، کسی کی چیز بکوا دی.......... کسی کا رشتہ کرا دیا.......... ان کاموں میں ان کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہوتا تھا.......... روپے پیسے کا کوئی لالچ نہیں تھا..........بس عادت سی بن گئی تھی۔

زیب النساء بیگم جلدی سے بولیں..........”لڑکا تنہا اور خودمختار ہے.......... سرکاری ملازم ہے۔ مکان اس کا ذاتی ہے.......... جہیز کے سلسلے میں اس کا کوئی مطالبہ نہیں ہے.......... ہر لحاظ سے مناسب رشتہ ہے.......... خاص طور پر ہمارے حالات کو دیکھتے ہوئے..........“ ایک گہری سانس لے کر انہوں نے جواب طلب سی نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ ساجدہ خاموش بیٹھی ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

زیب النساء بیگم گویا اس کی خاموشی سے حوصلہ پا کر بولیں۔ ”رضیہ خالہ نے تو لڑکے کی تصویر بھی لا کر دی ہے..........“

انہوں نے دوپٹے کا پلو ہٹایا اور ہاتھ میں نہایت احتیاط سے تھامی ہوئی ایک چھوٹی سی تصویر اس کے سامنے رکھ دی۔

چند لمحے تو ساجدہ دم بخود سی بیٹھی رہی۔ وہ فیصلہ نہ کرپائی کہ تصویر کو اٹھائے یا نہیں؟ چاہنے کے باوجود اسے اٹھا نہیں سکی.......... تاہم اس نے نظر بھر کر تصویر دیکھ ضرور لی۔

وہ خوابوں کا شہزادہ تو نہیں تھا.......... لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ وہ عمر کے جس دور میں ہے وہاں خوابوں کے شہزادے نہیں ملا کرتے.......... اور خوابوں کے شہزادوں کی حقیقت بھی کیا رہ گئی تھی؟ اس نے تو ایک مدت سے افسانویت کی بھول بھلیوں میں بھٹکنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ ایک پختہ العمر، تیکھا تیکھا سا چہرہ تھا۔ بال کچھ زیادہ ہی قرینے سلیقے سے جمے ہوئے تھے.......... آنکھیں ذرا چھوٹی چھوٹی تھیں.......... رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ تصویر بلیک اینڈ وہائٹ تھی.......... مگر بلیک اینڈ وہائٹ میں بھی ضروری تو نہیں ہوتا کہ ہر چیز کا سیاہ و سفید عیاں ہو جائے.......... اور اگر رنگین ہوتی تب بھی ضروری نہیں تھا کہ اس میں شخصیت کے سارے ہی رنگ جھلک آتے۔

چند لمحوں کے گہرے سکوت کے بعد وہ سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی..........”امی! مجھے

اس سلسلے میں سوچنا بھی اب اچھا نہیں لگتا.......... اگر یہ مقدروں ہی کے کھیل ٹھہرے.......... تو پھر سمجھ لیجئے کہ مقدر نے یاوری میں بہت دیر کر دی.......... اب کیا ضرورت رہ گئی ہے اس رسم کے نباہنے کی؟ جن کی شادیاں نہیں ہوتیں ان کی زندگی نہیں گزرتی کیا؟ گزر ہی جاتی ہے.......... بلکہ بعض اوقات تو اچھی بھلی گزر جاتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ جس کتاب میں یہ باب نہ ہو وہ نامکمل ہی کہلائے۔“

”سجو.......... میرے چاند!“ امی نے بڑی مدتوں بعد اسے اس طرح پچکارا جس طرح کبھی بچپن میں پچکارا کرتی تھیں۔ ”قنوطیت کی باتیں مت کرو.......... آج کے دور میں بہت سی لڑکیوں کی شادیاں تمہاری عمروں میں ہی ہوتی ہیں.......... فرق صرف یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھتی ہیں.......... اپنی عمر چھپا کر رکھتی ہیں.......... تم نے اپنی اصل عمر سے بھی پانچ دس سال زیادہ فالتو اپنے اوپر اوڑھ لئے ہیں۔ مسلط کر لئے ہیں.......... اب بھی وقت ہے.......... کچھ نہیں بگڑا.......... نیک کام جب بھی ہو جائیں، اچھا ہی ہوتا ہے۔“

وہ استہزائیہ سے انداز میں مسکرا دی۔ امی کو ہمیشہ سے اپنی اولاد سے اپنی بات منوانے کا ہنر آتا تھا۔

زیب النساء بیگم اسے خاموش پا کر جلدی سے بولیں..........”شادی ہو جائے گی تو سب کچھ بھول جاؤ گی تم.......... سارا احساس زیاں جاتا رہے گا.......... کتنے برس ضائع ہوگئے.......... کیونکر ہو گئے.......... کچھ بھی یاد نہیں رہے گا.......... تم کون سا بڈھی ہوگئی ہو۔ تم نے بس خواہ مخواہ اپنے آپ کو مار لیا ہے.......... ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے مجھے.......... اسی سرکاری کوارٹر کے صحن میں تم رسی کودا کرتی تھیں۔“

ساجدہ کے ذہن میں یادوں کی بوسیدہ کتابوں کے ورق پھڑ پھڑائے۔ اس نے ایک افسردہ سی طویل سانس لی۔ کہاں گیا میرا بچپن.......... مگر پھر اس نے سب کچھ ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

”آخر تمہیں اعتراض کیا ہے؟ لڑکا پسند نہیں ہے؟“ زیب النساء بیگم نے جاننا چاہا۔

”پسند ناپسند کے تو اب مرحلے ہی گزر گئے امی!“ وہ ناخن کریدتے ہوئے بولی۔ ”ویسے بھی کسی کی محض تصویر دیکھ کر اس کے بارے میں پسند ناپسند کے فیصلے صادر کرنا ناانصافی ہے۔“

”بس تم تصویر پسند کرو اور باقی باتیں تقدیر پر چھوڑ دو..........“ امی نے گویا اپنی طرف سے تو فیصلہ دیدیا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد انہوں نے مزید سمجھانے کی کوشش کی۔ ”دیکھو نا.......... تمہارے ابو کو ریٹائر ہوئے اب اتنا عرصہ گزر گیا ہے.......... یہ کوارٹر بھی اب ان کے کسی جونیئر ساتھی کو الاٹ ہو چکا ہے.......... یہ تو اس کی مہربانی ہے.......... اور کچھ اسے ضرورت بھی نہیں

ہے اس لئے اس نے ہمیں دے رکھا ہے اور کرایہ بھی صرف اتنا ہی لیتا ہے جتنا اس کی تنخواہ سے کٹتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ سلسلہ ساری عمر تو نہیں چل سکتا.......... کبھی نہ کبھی تو یہ گھر بھی چھوڑنا ہوگا.......... صحت بھی نہ تو تمہارے ابو کی ٹھیک رہتی ہے اور نہ ہی میری.......... ہم عمر کی جس منزل میں ہیں وہ بھی تمہیں معلوم ہی ہے۔ ظاہر ہے ہم وہ چراغ ہیں جو کسی بھی لمحے بجھ سکتا ہے.......... میں جب یہ تصور کرتی ہوں کہ ہم بھی اس دنیا میں نہ ہوں.......... اس گھر کی چھت بھی میسر نہ ہو.......... اور تم دنیا میں اکیلی رہ جاؤ.......... تو اس تصور سے ہی میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے.........."

ان کی آواز گویا گلے میں اٹکنے لگی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولیں۔ "اس لئے میں چاہتی ہوں کہ برا بھلا.......... جیسا بھی.......... مگر تمہارا اپنا ایک گھر ہو۔ ہمارے بعد بھی کوئی تمہارا خیال رکھنے والا ہو۔"

"امی! آپ کی سب دلیلیں اپنی جگہ درست سہی.......... مگر میرا دل نہیں مانتا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"اب تمہاری عمر ایسی ہے کہ تمہیں یہ باتیں دل کے بجائے دماغ سے سوچنی چاہئیں بیٹا!" زیب النساء بیگم ہار ماننا نہیں چاہتی تھیں۔ خدا خدا کر کے تو ایسا رشتہ آیا تھا جس میں واقعی بیل منڈھے چڑھتی نظر آ رہی تھی۔ ایسے میں ساجدہ کا مسلسل انکار انہیں تو کفران نعمت ہی محسوس ہو رہا تھا۔

ساجدہ بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ امی کی دلیلیں بھی دل کو لگ رہی تھیں۔ دل میں ناکام حسرتوں کی چبھن بھی تھی۔ ناتمام خواہشوں کی کسک بھی تھی.......... مگر ایک ایسے شخص کے تصور سے دل میں کوئی مہک نہیں پھیل رہی تھی جسے کبھی دیکھا نہیں تھا.......... جس کے لہجے سے سماعت کی آشنائی نہیں تھی.......... جس کی آنکھوں نے کبھی اس کے دل کے آنگن میں جھانکا نہیں تھا.......... بس ایک مختصر، بے جان سی تصویر اس کے سامنے تھی۔

بمشکل اس نے آنکھ اٹھا کر امی کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ان گنت التجائیں تھیں۔ بے شمار اندیشے تھے.......... اور ایک عجیب انجانا سا خوف تھا.......... ساجدہ کو یاد آیا کہ کتنے ہی برسوں سے وہ والدین کی متفکرانہ نظروں کا مرکز تھی.......... وہ اٹھتے بیٹھتے کیسی متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھتے رہتے تھے.......... اور جب ساجدہ ایسے موقعوں پر اچانک ان کی طرف دیکھتی تھی تو وہ نظریں چرا لیتے تھے۔

ان نظروں کا مفہوم سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ تھا.......... وہ ایک بوجھ تھی جسے وہ کندھوں سے اتار نہیں سکے تھے.......... اور اپنی اس بے بسی پر شرمندہ تھے۔ اس ناکامی کے احساس سے ہمہ وقت ان کا دل بوجھل رہتا تھا۔ شاید وہ ان کے لئے ایک چلتی پھرتی ملامت

تھی۔

وہ اس گھر میں والدین کے لئے ایک سزا بن کر رہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے والدین کی راتوں کی نیندیں حرام رہیں۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ کسی بھی قیمت پر والدین کو اس بوجھ سے نجات دلا دیتی.......... کبھی کبھی تو وہ انتہا پسند ہو کر سوچتی کہ اگر وہ جان دیدے تو شاید ان کے سر سے یہ بوجھ اتر جائے.......... لیکن پھر احساس ہوتا کہ یہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔ اس طرح تو رسوائیاں ان کا مقدر ہو سکتی تھیں۔

اب اسے والدین کا یہ بوجھ کم کرنے اور اپنے آپ کو بھی ہمیشہ کی ایک بے عنوان شرمساری سے بچانے کا موقع مل رہا تھا تو نہ جانے کیوں اس کے منہ سے انکار نکلے جا رہا تھا.......... اگر وہ شخص اس کے لئے اجنبی تھا تو یہ کوئی ایسی غیر معمولی یا انوکھی بات نہیں تھی.......... نوے فیصد لڑکیوں کی شادیاں اجنبی مردوں کے ساتھ ہی ہوتی تھیں.......... ان میں سے بعض تو "جانے پہچانے" اجنبی ہوتے تھے۔ شادی کے بعد ہی ان سے اصل شناسائی ہوتی تھی۔ یہ جوا تو تقریباً ہر لڑکی کو کھیلنا ہی ہوتا تھا۔

امی اس کی خاموشی سے گویا کچھ حوصلہ پاتے ہوئے بولیں۔ "تم سوچ لو.......... اچھی طرح سوچ لو.......... کل پرسوں جواب دے دینا.........."

"سوچنا کیا ہے امی..........!" وہ گویا یکدم ہی کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے بولی۔ "آپ یہ بتایئے کہ کیا آپ کی خوشی اسی میں ہے!"

زیب النساء بیگم نے ایک لمحے سوچا ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔ "ہاں بیٹا! میری خوشی یہی ہے۔"

"اگر آپ کی خوشی یہی ہے تو پھر اسی طرح سہی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی اور اس کے حلق میں نہ جانے کیوں آنسوؤں کی نمی سی پھیل گئی۔

زیب النساء بیگم جوڑوں کا درد بھول کر یوں پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئیں جیسے ان کے سر سے پہاڑ ہٹ گیا ہو.......... ساجدہ کو اس لمحے ان پر بھی بہت ترس آیا اور اپنے آپ پر بھی۔

اس نے ہامی کیا بھری، اس کے بعد تو سب مرحلے گویا چٹکی بجاتے ہی طے ہوتے چلے گئے۔ باقاعدہ طور پر منگنی کی رسم نہیں ہوئی۔ بس شادی کی تاریخ ہی طے ہوگئی۔ لڑکے کے والدین تو تھے نہیں.......... اس کی ایک پھوپھی تمام رسومات کی ادائیگی میں پیش پیش تھیں۔

جس روز تاریخ طے ہوئی اس روز لڑکا بھی ان کے ہاں آیا۔ ساجدہ کی دو بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ تمام مہمان ڈرائنگ روم میں تھے۔ ساجدہ کی بہنوں نے ساجدہ کو بہت چھیڑا اور اصرار کیا کہ وہ جا کر چوری چھپے، دروازے کی اوٹ سے کم از کم اپنے ہونے والے جیون ساتھی کو دیکھ تو آئے۔

ساجدہ نے اپنے دل میں نوخیز لڑکیوں والا اشتیاق محسوس کیا لیکن وہ نوخیز لڑکیوں کی طرح

اٹھ کر اس مشورے پر عمل کرنے کے لئے نہ جاسکی۔ اس کی چھوٹی بہنیں شبانہ اور کوثر وقفے وقفے سے آکر مختلف اطلاعات دیتی رہیں۔

کبھی شبانہ آکر کھی کھی کرتے ہوئے بتاتی۔ "بہت شرمیلے معلوم ہوتے ہیں ہمارے ہونے والے دولہا بھائی .... جب سے آئے ہیں بے چارے سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اتنا زیادہ سر جھکا ہوا ہے کہ مجھے تو عین سامنے بیٹھ کر بھی شکل صحیح طور نظر نہیں آرہی .... مجھے تو اندیشہ محسوس ہو رہا ہے کہ چائے بھی شاید وہ منہ کے بجائے ناک سے پی رہے ہیں۔"

کوثر قدرے سنجیدگی سے بولی۔ "عمر تو اچھی خاصی معلوم ہوتی ہے .... لیکن بال ایک بھی سفید نہیں ہے۔"

"ڈائی کرتے ہوں گے۔" شبانہ نے لقمہ دیا۔

"ڈائی کئے ہوئے بھی نہیں لگتے۔" کوثر متفکرانہ لہجے میں بولی۔ "بلکہ سچ پوچھو تو ان کی پوری شخصیت میں مجھے بال ہی قابل ذکر چیز دکھائی دیئے ہیں۔"

"بہت ہی ریشمی سے .... چمکیلے سے .... اور سلجھے سلجھے بال ہیں۔ ایک ایک بال الگ دکھائی دے رہا ہے۔ ہم لڑکیاں ہیں' اور اتنی کیئر کرتی ہیں بالوں کی .... مگر پھر بھی ان جیسے بال نہیں ہیں۔"

شبانہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "قدرت ہر چیز کی کچھ نہ کچھ تلافی تو کرتی ہے نا .... انتہائی گئے گزرے انسانوں میں بھی کوئی ایک خوبی' کوئی ایک خوبصورتی تو رکھ ہی دیتی ہے۔"

کوثر اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔ "تم آپا کو یہ بتا کر ان کا دل توڑنا چاہتی ہو کہ دولہا میاں بالکل ہی گئے گزرے ہیں۔"

پھر وہ ساجدہ کا بازو ہلاتے ہوئے بولی۔ "آپا! آپ دل چھوٹا مت کیجئے گا۔ ایسے گئے گزرے بھی نہیں ہیں ہمارے ہونے والے دولہا بھائی.......... بس ذرا سوکھے سڑے ہیں۔ چہرے پر ہلکے سے چیچک کے داغ ہیں۔ لیکن وہ بہت قریب سے دیکھنے پر نظر آتے ہیں۔ بہرحال تھری پیس سوٹ میں خاصے معقول آدمی دکھائی دے رہے ہیں.......... اور وہ جو ان کی پھوپھی ساتھ ہیں نا.......... بڑی ہی چٹاخہ پٹاخہ قسم کی چیز ہیں۔ ساٹھ سال سے کم کی نہیں ہوں گی۔ مگر سولہ سال کی چھیل چھبیلی بنی ہوئی ہیں۔"

وہ خاتون دو مرتبہ ساجدہ سے ملنے کے بہانے اسے اچھی طرح دیکھنے پرکھنے آچکی تھیں مگر ساجدہ اپنے فطری شرمیلے پن کی وجہ سے ان کا صحیح طور پر جائزہ نہیں لے سکی تھی۔ بہرحال ان کی باتوں سے ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے ساجدہ کو دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا۔

ساجدہ اب بہنوں کے سامنے سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ ان کی بڑی

بہن ہے۔ کئی سال بڑی .... وہ ان کو ڈانٹ بھی نہیں پا رہی تھی' کچھ بھی نہیں کہہ پا رہی تھی۔ اٹھائیس دن کے بعد کی تاریخ طے پائی۔ اور وہ اٹھائیس دن گویا پر لگا کر اڑتے چلے گئے۔ ان اٹھائیس دنوں میں اس نے اپنے اندر ان گنت تبدیلیاں محسوس کی۔ اس کایا کلپ پر وہ خود بھی حیران حیران سی رہ جاتی۔

وہ آئینہ دیکھتی تو محسوس کرتی کہ اس کے بے رونق سے چہرے پر یکدم ہی شادابی سی امنڈ آئی تھی۔ روکھے پھیکے ہونٹوں سے گویا رس چھلکنے لگا تھا۔ اجڑے اجڑے سے رخساروں پر گلاب کھلنے لگے تھے اور بجھی بجھی سی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے تھے۔

اسے حیرت اس بات پر تھی کہ کیا اندر کا موسم اتنی تیزی سے باہر بھی اثر دکھانے لگتا ہے؟ من میں بہار آتی ہے تو کیا تن پر بھی رنگ جھلک آتے ہیں؟

امی جب رشتے کی خبر لے کر اس کے سامنے آئی تھیں تو اسے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی تھی .... بلکہ اس کے دل میں اجڑے ہوئے خوابوں کے بھولے بسرے نقوش ابھر آئے تھے .... آذر .... اور ڈاکٹر زبیری ....! برباد اور ناآسودہ محبتوں کی بستیوں کے وہ سنگ میل جو بہت پیچھے رہ گئے تھیں دھندلکوں میں کھو گئے تھے۔

امی جو تصویر اسے دکھانے لائی تھیں اس نے وہ غور سے نہیں دیکھی تھی۔ اسے کسی اور کی تصویر دیکھنا بھی ایک جرم سا محسوس ہوا تھا۔

لیکن اب .... جبکہ سب کچھ طے ہوگیا تھا.......... تو اندر ہی اندر دل نے جیسے اس صورت حال سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ جوں جوں تاریخ قریب آرہی تھی' دل تھا کہ وفور اشتیاق سے دھڑکنا بھولتا جا رہا تھا۔ وہ ایک انجانے' ان دیکھے شخص کے یوں اچانک اپنی زندگی میں در آنے کا تصور کرتی تھی تو اس کی رگ و پے میں عجیب سی سنسناہٹ ہونے لگتی۔

ان اٹھائیس دنوں میں پہلی بار یہ انقلاب بھی آیا کہ بازار سے واپسی پر وہ ایک روز اپنے لئے ہیئر کلر بھی خرید کر لائی اور چپکے چپکے اس نے اپنے بالوں سے جھانکتے ہوئے چاندی کے تاروں پر سیاہی کا ملمع بھی چڑھایا۔ پھر چند گھنٹوں بعد اس نے شرماتے جھجکتے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔ واقعی خاصا فرق پڑ گیا تھا۔ شخصیت میں بڑی تبدیلی آگئی تھی۔

سب کام جیسے خود بخود ہوتے چلے گئے۔ جہیز بھی تیار ہوتا گیا.......... اور خاصا معقول تیار ہوگیا۔ ساجدہ کو قطعاً امید نہیں تھی کہ اتنا کچھ ہو جائے گا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس قسم کے کاموں میں مشیت ایزدی بھی شامل ہوتی تھی۔ جب وقت آتا تھا' جب قدرت کو منظور ہوتا تھا تب ہر مشکل آسان ہوتی چلی جاتی تھی۔

ایک روز اس نے محلے پڑوس کی لڑکیوں کے جھرمٹ میں اپنے آپ کو عروسی جوڑے میں ملبوس سر جھکائے بیٹھے پایا۔ اس کے اردگرد شادی بیاہ کے گیت گونج رہے تھے۔ بارات کا

انتظار ہو رہا تھا۔ اور اسے یہ سب کچھ خواب لگ رہا تھا۔ اسے صحیح طور پر یاد نہیں تھا کہ ایسی کتنی شادیوں میں اس نے شرکت کی تھی لیکن ایک مدت سے اس نے یوں سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ ایسا کوئی دن اس پر بھی آئے گا۔

سب کچھ بہت محدود پیمانے پر ہو رہا تھا۔ پھر بھی بہت رونق تھی، بہت گہما گہمی تھی۔ ساجدہ تو تمام وقت گویا حقیقت اور خواب کی دنیا کے درمیان کہیں خلا میں ہی ہلکورے لیتی رہی۔ حقائق کی دنیا میں وہ صحیح معنوں میں اس وقت واپس آئی جب رخصتی کا وقت آیا۔

لڑکیوں نے جب سہارا دے کر اسے اٹھایا اور ماں بہنیں گلے مل مل کر بلک بلک کر رونے لگیں اور اسے باہر گاڑی میں بٹھانے کے لئے لے جایا جانے لگا تب اس نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا وہ واقعی اس گھر سے رخصت ہو رہی تھی؟ یہ گھر جہاں اس کے تمام محسوسات کی جڑیں تھیں۔ جہاں اس کی ان گنت یادوں کے خزانے دفن تھے۔ جہاں کے در و دیوار پر نادیدہ لفظوں میں اس کی کل داستان حیات رقم تھی۔ اور جہاں اس کے بوڑھے ماں باپ رہتے تھے۔ جہاں انہیں آئندہ بھی اپنی صبر آزما تنہائیوں کو سینے سے لگا کر رہنا تھا۔

جب اس نے دہلیز پر قدم رکھا تو گویا غم کی شدت سے اس کا کلیجہ پھٹنے کو ہو گیا۔ نوکری، دوسرے کام کاج اور زندگی کے نہ جانے کون کون سے بکھیڑوں کے سلسلے میں ان گنت مرتبہ اس نے اس دہلیز سے قدم نکالا تھا۔ اور اب بھی یہ دہلیز پار کر کے وہ کسی دوسرے شہر نہیں جا رہی تھی، دوسرے ملک نہیں جا رہی تھی، سمندروں پار نہیں جا رہی تھی۔ اس کے باوجود دل نہ جانے کیوں شق ہوا جا رہا تھا۔

بالآخر وہ سسکیوں اور آنسوؤں کے درمیان، بھاری بھرکم عروسی لباس، خوشبوؤں اور پھولوں سے لدی پھندی، ایک اجنبی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ایک نئی زندگی کے سفر پر روانہ ہو گئی۔

وہ حجلۂ عروسی میں بیٹھے بیٹھے شل ہو چکی تھی۔ رات ڈھل رہی تھی۔ جن لوگوں کو اسے دیکھنے آنا تھا، وہ بھی دیکھ کر جا چکے تھے۔ تمام رسمیں ادا ہو چکی تھیں۔ رونمائی کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ اس کی سسرال میں زیادہ ہنگامہ نہیں تھا۔ بہت کم لوگ تھے اور اب تو شاید ان میں سے بھی زیادہ تر رخصت ہو چکے تھے۔ باہر سناٹا محسوس ہو رہا تھا.......... مگر رفیق نہ جانے کہاں تھے۔

ساجدہ کے رفیق حیات کا نام رفیق تھا!

ساجدہ نے ابھی تک صحیح طور پر اس شخص کو دیکھا نہیں تھا مگر زندگی کے اس عجیب بندھن میں بندھتے ہی وہ اسے برسوں کا شناسا محسوس ہونے لگا تھا۔ تصور ہی تصور میں جیسے ساجدہ نے بارہا اسے دیکھا ہوا تھا۔ وہ گویا اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے واقف تھی۔ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

بالآخر دروازہ کھلا اور اس شناسا اجنبی نے گویا اس کے دل کی دنیا میں قدم رکھ دیا۔ ایک طویل سانس لے کر رفیق اس کے سامنے مسہری کی پٹی پر آبیٹھا اور فوراً ہی دو بے تاب ہاتھوں نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

"اف..........! کتنی خوبصورت ہو تم ....!" بیگانہ اشتیاق میں ڈوبی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔ "میں خوش قسمت ہوں کہ تمہیں پانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ پھوپھی ٹھیک ہی کہتی تھیں کہ اس عمر میں مجھے اس سے اچھی دلہن نہیں مل سکتی.........."

ساجدہ کو 'اس عمر' کے الفاظ قدرے عجیب سے لگے مگر اس وقت دوسری کیفیات کا اس پر اس قدر غلبہ تھا کہ وہ ان پر زیادہ توجہ نہیں دے سکی۔ وہ نظر اٹھا کر رفیق کی طرف دیکھ بھی نہیں سکی۔ حیا سے اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور ہر مسام جاں سے گویا کوئی آتش فشاں پھوٹ پڑنے کو بے تاب تھا۔ ایک مدت سے اس نے اپنے آپ کو اماوس کی ڈھلتی ہوئی یخ بستہ اور اندھیری رات سمجھا تھا.......... اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے وجود میں کبھی تپتی دوپہریں بھی اتر سکتی ہیں۔

شب عروس کا یہ آغاز اسے تھوڑا سا عجیب بھی لگا۔ رونمائی کے تحفے کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ لیکن ساجدہ نے اس کمی کو بھی کچھ خاص محسوس نہیں کیا۔ حسن کی اس بے ساختہ تعریف نے اسے سر سے پاؤں تک پگھلا دیا تھا۔

حسن کے حضور میں خراج کا یہ عمل بس یہیں ختم ہو گیا۔ رفیق لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ لباس تبدیل کر کے آتے ہی وہ حد سے زیادہ تھکے تھکے انداز میں دھم سے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

"اُفوہ ....! کس قدر تھکن ہو گئی.......... کمر ٹوٹ رہی ہے۔ بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔" وہ باقاعدہ کراہتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے شادی بیاہ میں سب سے زیادہ کام کسے کرنا پڑتا ہے؟ دولہا کو.........."

پھر وہ گویا ڈرتے ڈرتے اس کا ہاتھ چھو کر بولا۔ "مجھے تو بہت سخت نیند آ رہی ہے.......... میرا خیال ہے تم بھی سو جاؤ.........."

اور پھر وہ واقعی سو گیا۔ چند منٹ بعد اس کے خراٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ساجدہ سر جھکائے دم بخود بیٹھی رہی۔ پھر اس نے سہمے سہمے سے انداز میں گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کے ساتھ مذاق نہیں کیا جا رہا تھا۔ رفیق واقعی دنیا مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔ ہلکے ہلکے خراٹے مصنوعی نہیں تھے۔

اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے پتلی سی رال کی لکیر رخسار پر پھیل آئی تھی۔ اس کے چہرے پر واقعی داغ تھے جو اس وقت ہلکی روشنی میں زیادہ محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی جلد پیلی

پیلی سی تھی اور چہرہ انسان کے بجائے کسی مومی مجسمے کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ عجیب بیمار سی رنگت تھی۔ اگر چہرے پر سانسوں کا ارتعاش نہ ہوتا تو شبہ ہوتا کہ اس شخص کے جسم میں روح موجود نہیں ہے۔ بس ہڈیوں پر کھال منڈھی ہوئی تھی۔ پتلے پتلے سفیدی مائل ہونٹ نیم وا تھے اور ان کے عقب سے چھوٹے چھوٹے ناہموار دانت جھانک رہے تھے۔

لیکن ساجدہ کو سب سے بڑا دھچکا ایک اور چیز دیکھ کر لگا!

تکیے پر رگڑ لگنے سے اور سر ایک طرف کو لڑھک جانے سے رفیق کی وگ اتر گئی تھی۔ چند دن پہلے کوثر نے دولہا بھائی' کے جن بالوں کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی وہ دراصل وگ تھی۔ رفیق درحقیقت بالکل گنجا تھا۔ ساجدہ نے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور وگ مکمل طور پر ایک طرف کو ہٹادی۔ اس کے سر پر واقعی ایک بھی بال نہیں تھا۔

اس کی شخصیت میں واقعی سب سے نفیس چیز اس کی وگ تھی اور اس کے ہٹتے ہی رفیق کی عمر میں یک بیک گویا دس پندرہ سال کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی اصل عمر اصل شخصیت دکھائی دینے لگی تھی اور وہ انتہائی مایوس کن تھی۔

بہت دیر تک وہ اپنی جگہ سن بیٹھی رہی۔ رگ و پے میں مچلتے ہوئے تمام آتش فشاں یک لخت سرد ہوگئے۔ دل میں ایک پر ہول سا سناٹا چھاگیا۔ رواں رواں جیسے یخ بستگی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گیا۔

کیا یہی تھی عمر بھر کے خوابوں کی تعبیر؟ کیا یہی تھی شادی .... جس کا نہ ہونا زندگی کا روگ بنا ہوا تھا؟ کیا یہی تھا وہ بندھن جس میں نہ بندھنا اس کے لئے گویا سب سے بڑا سماجی طعنہ بنا ہوا تھا؟

ایک عمر کے انتظار کا حاصل ....؟ حسن کی تعریف میں بس ایک بچگانہ سا جملہ ....! کیا اس کا دامن ہمیشہ آسودگی سے خالی رہنے کے لئے بنا تھا! کیا اس کے خوابوں کے مقدر میں تعبیر نہیں تھی؟ کیا ہمیشہ لٹتے رہنا ہی اس کا مقدر تھا؟ کبھی اس انداز سے کبھی اس انداز سے ....

خاموش آنسو اس کے رخساروں پر لڑھکتے رہے اور بھاری بھر کم عروسی لباس میں جذب ہوتے رہے۔ اسے اندیشہ محسوس ہونے لگا کہ وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے پتھر ہو جائے گی۔ بالآخر اس میں بیٹھے رہنے کی سکت نہ رہی اور وہ بے جان سے انداز میں بستر پر لڑھک گئی۔ نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ جب بیدار ہوئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھ صرف ایک لمحے کے لئے لگی تھی۔ رفیق دھیرے دھیرے اس کا کندھا ہلا رہا تھا۔ ساجدہ کے حواس ٹھکانے آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ رفیق شاید کہیں جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ کل والے سوٹ میں تھا اور

وگ بھی سر پر موجود تھی۔ رات وہ ساجدہ کو مردہ چھپکلی سے مشابہ دکھائی دیا تھا لیکن اس وقت کچھ بہتر معلوم ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ خود پر جبر کر کے بھی اپنے دل میں اس کے لئے پسندیدگی یا کشش کی کوئی رمق محسوس کر سکتی..........

سب سے زیادہ حیرانی اسے اپنی امی پر تھی۔ انہوں نے کیا سوچ کر اس رشتے کے لئے حامی بھری تھی؟

"ساجدہ ...."! رفیق نے اسے ملائمت سے اسے مخاطب کیا .... "میں ذرا دفتر جا رہا ہوں۔ باہر کچھ مہمان لڑکیاں وغیرہ موجود ہیں۔ وہ تمہیں ناشتہ دے دیں گی اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو انہیں بتا دینا.........."

"دفتر ....؟" ساجدہ کے حلق سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی .... اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کسی دولہا کو شادی سے اگلے روز دفتر جاتے نہیں سنا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ اٹھ بیٹھتے ہوئے بولی .... "مگر آج تو ہمارا ولیمہ ہے.........."

"ولیمہ تو رات کو ہے ...." وہ گویا اس کی بے وقوفی پر ہنسا .... اور اب ساجدہ نے محسوس کیا کہ اس کی آواز بھی منمناتی ہوئی سی تھی .... "میں تو صرف دو تین گھنٹے کے لئے دفتر جا رہا ہوں۔ دوپہر کے کھانے سے بھی پہلے آ جاؤں گا۔ ویسے بھی سب انتظام مکمل ہے تھوڑے سے لوگوں ہی کو تو آنا ہے۔"

"لیکن .... کیا آپ نے دفتر سے چھٹی نہیں لی ہوئی تھی؟" ساجدہ کی آواز حلق میں پھنسی جا رہی تھی۔

"وہ .... دراصل ...." رفیق کھسیانے سے انداز میں ہنسا ...."اس سال کے دوران میں بیمار بہت رہا ہوں .... جتنی چھٹیاں ڈیو تھیں اس سے کہیں زیادہ لے چکا ہوں اب بڑی منت سماجت سے صرف بغیر تنخواہ کی چھٹیاں مل سکتی تھیں۔ سرکاری نوکری ہے .... رولز اینڈ ریگولیشنز کی پابندی تو کرنی پڑتی ہے نا .... میں نے سوچا شادی کے شروع میں تو ویسے ہی اخراجات بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ خواہ مخواہ تنخواہ کٹوانے سے کیا فائدہ .... مجھے کونسا وہاں سارا دن جا کر بیٹھنا ہے۔ بس دو تین گھنٹے میں آ جایا کروں گا۔ مہینے بیس دن تک تو یہی سلسلہ رکھوں گا پھر پوری ڈیوٹی کرنی پڑا کرے گی۔ چار بجے تک ...." وہ مضطربانہ انداز میں اپنا استخوانی سا ہاتھ بالوں میں پھیرنے لگا۔

"آپ .... آپ وگ لگاتے ہیں نا؟" دفعتہً ساجدہ نے پوچھا۔ اسے گویا رات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اوہ .... تو تمہیں معلوم ہو گیا..........! بہت جلدی معلوم ہوگیا ...." کھسیانی سی ہنسی ایک بار پھر ابھری .... "لیکن خیر .... تمہیں تو معلوم ہو ہی جانا چاہئے تھا۔ آخر ہم

اب زندگی کے ساتھی ہیں۔ ہماری کوئی بات ایک دوسرے سے چھپی نہیں رہنی چاہئے۔"

"یہ تو درست کہا آپ نے ...." ساجدہ دھیمے لہجے میں بولی ...."لیکن میں نے پڑھا ہے کہ وگ لگانا ایک خاص مزاج کی نشانی ہے۔ جو وگ لگاتے ہیں وہ اپنی شخصیت پر پردے ڈالے رکھتے ہیں .... اپنی اصلیت چھپانے کے عادی ہوتے ہیں .... جلد اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتے ...."

"جلدی تو اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانا بھی نہیں چاہئے۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔" رفیق تیزی سے بولا .... "ویسے زیادہ کتابی باتوں میں پڑنا بھی نہیں چاہئے۔ خواہ مخواہ دماغ خراب ہوتا ہے .... اور میرے بارے میں بہرحال تم مطمئن رہو' میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا' میں نے کہا نا کہ میاں بیوی میں کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔"

"بہت تجربہ ہے آپ کو میاں بیوی کے معاملات کا؟" ساجدہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں .... مجھے کہاں سے تجربہ ہوگیا ...." وہ اپنا تیکھا پن بھول کر یکدم ہی شرما سا گیا۔ "میں تو سنی سنائی بات کر رہا ہوں۔ میری تو ظاہر ہے شادی ہی اب ہوئی ہے۔"

"میں بھی آپ سے ایک بات کہوں۔" ساجدہ سنجیدگی سے بولی۔ "انسان کو سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے خواہ مخواہ دماغ خراب ہوتا ہے۔ ویسے بائی دا وے.......... آپ کی شادی اب تک ہوئی کیوں نہیں تھی؟"

"کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی میرا دل ہی نہیں چاہتا تھا شادی کرنے کو .... خواہ مخواہ کا جھنجٹ محسوس ہوتا تھا .... اور پھر اگر بیوی خود کمانے والی نہ ہو تو اخراجات میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے' آج کل کی عورتوں کے نخرے بھی تو کتنے ہوتے ہیں' انہیں تو میک اپ کا سامان بھی چاہئے' نت نئے فیشن کے کپڑے جوتے بھی چاہئیں' دوسری فرمائشیں بھی ہوتی رہتی ہیں' گھر میں بھی نئی نئی چیزیں لانے کا شوق ہوتا ہے انہیں۔"

"ہاں .... یہ خرابیاں تو واقعی ہوتی ہیں ان میں۔" ساجدہ نے طنزیہ انداز میں سرہلایا۔

رفیق پرزور لہجے میں بات جاری رکھتے ہوئے بولا .... "ویسے بھی دراصل پندرہ بیس سال سے پھوپھی اس گھر میں میرے ساتھ رہتی تھیں ان کے میاں باہر تھے۔ بچے چھوٹے تھے گھر بھی ذاتی نہیں تھا انہوں نے میرے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ مجھے بھی فائدہ تھا وہ گھر کا سارا کام کام کرتی تھیں گھر کو سنبھالتی اور سنوارتی تھیں۔ خرچ بھی اپنا ہی کرتی تھیں بیچ میں میرا بھی گزارہ ہوتا رہتا تھا۔ پھوپھا پندرہ بیس سال باہر رہے' تقریباً ایک سال ہوا وہ مستقل طور پر پاکستان واپس آگئے ہیں۔ انہوں نے مکان بھی خرید لیا جو یہاں سے کافی دور ہے۔ پھوپھی کے چلے جانے کے بعد مجھے بڑی پریشانی رہنے لگی۔ ہوٹلوں سے کھانا .... کپڑے لتے کا مسئلہ

.... خرچا بھی بہت ہوتا تھا .... اور پھر میں کبھی کبھار بیمار بھی ہو جاتا ہوں .... مجھے ہوٹلوں کا کھانا اور بے آرامی وغیرہ سوٹ بھی نہیں کرتی۔ میرے لئے بہت نقصان دہ ہیں یہ چیزیں .... بیماریوں ہی کی وجہ سے تو میرے سر کے بال وقت سے پہلے جھڑ گئے ہیں ورنہ میری عمر تو کچھ ایسی زیادہ نہیں .... صرف باون سال ہے.........."

ساجدہ کی سانس ایک لمحے کے لئے سینے میں اٹک گئی۔

رفیق نے اپنی دھن میں سلسلۂ کلام جاری رکھا.........."میں آئے دن پھوپھی کے پاس جا کر اپنے مسائل کا رونا روتا تھا .... انہوں نے مجھے سمجھایا کہ مجھے شادی کر لینی چاہئے۔ بیوی آ جائے گی تو گھر کو بھی سنبھالے گی میرے کاموں کا اور میری صحت کا بھی خیال رکھے گی۔ انہیں معلوم تھا کہ میں کن اندیشوں کی وجہ سے شادی نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا کہ ان سب کا حل نکل آئے گا۔ وہ کسی ایسی میچور قسم کی لڑکی سے میری شادی کرائیں گی جو نہایت سادہ مزاج ہوگی' زیادہ تیز طرار اور فیشن ایبل نہیں ہوگی' فضول خرچ نہیں ہوگی' خود بھی ملازمت کرتی ہوگی تاکہ مجھ پر بوجھ بننے کے بجائے الٹا اس گھر کو بنانے سنوارنے میں ہاتھ بٹائے گی۔"

"اس گھر کو کس کے لئے بنانا سنوارنا چاہتے ہیں آپ؟" ساجدہ کے لہجے کی تہ میں زہر تھا۔

مگر رفیق اس زہر کی تلخی محسوس کئے بغیر تیزی سے بولا "اپنے لئے اور کس کے لئے؟" پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا اور اس نے جلدی سے تصحیح کی۔ اپنے اور تمہارے لئے۔"

"بس ہم اسے سجا سنوار کر اسے دیکھ دیکھ کر جیتے رہیں گے اور خوش ہوتے رہیں گے؟" ساجدہ زیرلب بولی۔

رفیق صحیح طور پر سن نہیں سکا .... جھکتے ہوئے بولا ...."کیا کہا تم نے ؟"

"کچھ نہیں ...." ساجدہ اپنے آنسوؤں کا اپنے اندر ہی اندر گلا گھونٹتے ہوئے بولی.......... اس کے اندر جیسے کوئی طوفان بلاخیز پھٹ پڑنے کو بے تاب تھا مگر وہ نہ جانے کس طرح اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"میں اب چلتا ہوں .... دیر ہوگئی ہے مجھے ...." رفیق گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر وہ مشینی انداز میں ایڑیوں کے بل گھوم گیا اور دوسرے ہی لمحے وہ جا چکا تھا۔

ساجدہ بہت دیر تک گم صم بیٹھی رہی۔ دل کے کسی تاریک گوشے میں یہی موہوم سی امید لرز رہی تھی کہ شاید یہ سب کچھ ایک ناگوار خواب ہو۔ کسی لمحے ٹوٹ جائے اور وہ اپنی اسی دنیا میں لوٹ آئے جہاں محرومیاں ضرور تھیں مگر خوش امیدی اور انتظار تو تھا .... خوابوں کے دردناک قتل عام کا تماشا تو نہیں تھا۔

زندگی کے ساتھی کی تو ایک عجیب ہی تصویر اس کے سامنے آئی تھی۔ ایک ایسا شخص

جس نے اخراجات میں اضافے کے ڈر سے شادی نہیں تھی اور پوری جوانی یونہی گزار دی تھی۔ وہ جوانی جو معلوم نہیں اس پر آئی بھی تھی یا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو اپنے ولیمے والے دن محض اس خوف سے دفتر جا رہا تھا کہ کہیں تنخواہ نہ کٹ جائے' ایک ایسا شخص جو ہندسوں کے اعتبار سے عمر میں ساجدہ سے سترہ سال بڑا تھا اور طبعی اعتبار سے تو شاید وہ اپنی عمر پوری ہی گزار چکا تھا۔

ایک ایسا شخص جس کی ہر بات میں اخراجات کا ذکر ضرور آتا تھا۔ روپے پیسے سے اس کی محبت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس کے بخل اور خصاصت کا تصور کر کے ساجدہ کو ابکائی آنے لگی۔

اسے درحقیقت بیوی کی نہیں' گھر کو سنبھالنے کھانے پکانے' کپڑے دھونے اور دیگر ساری خدمت گزاریاں کرنے والی ایک خادمہ کی ضرورت تھی اور خادمہ بھی ایسی جسے تنخواہ نہ دینی پڑے بلکہ الٹا وہ کما کر لائے اور گھر کے حالات بہتر بنانے میں ہاتھ بٹائے .... بلاشبہ یہ تو بڑا منافع کا سودا تھا۔ اور اس کی وہ پھوپھی یقیناً بڑی فنکارہ تھی جس نے یہ منافع بخش سودا کرایا تھا۔

خیر.......... دنیا میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہی ہیں۔ ایسے بھی جو دوسروں کی مجبوریاں دیکھ کر انہیں لوٹنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ مگر اسے تو رہ رہ کر اپنی والدہ پر افسوس ہو رہا تھا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ انہوں نے شاید بہت سطحی طور پر اس معاملے کو دیکھا تھا۔

بنیادی طور پر وہ ایک سادہ دل عورت تھیں باقی تینوں بیٹیوں کی شادیاں بھی اچھی جگہ ہو جانے میں ان کی ہوشیاری کو دخل نہیں تھا۔ انہوں نے تو ہر چیز کے لئے بس سادگی سے حامی بھر دی تھی۔ وہ کہا کرتی تھیں جتنی چاہے چھان پھٹک کر لو شادی بہرحال ایک جؤا ہوتی ہے بعض رشتے ہر اعتبار سے آئیڈیل دکھائی دیتے ہیں مگر آگے چل کر شادی سال چھ مہینے بھی نہیں نبھتی۔

تو کیا میرا مقدر ہی خراب ہے؟ کسی کا بھی کوئی دوش نہیں؟ ساجدہ نے بڑے کرب سے سوچا' بات پھر مقدر پر آن ٹھہری تھی۔

ایک بے بس قیدی کی طرح ایک بار پھر اس کے دل سے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ نکلے گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ دیر تک روتی رہی۔

کسی کے آنے کا کھٹکا سن کر اسے اپنے آنسو پونچھنے پڑے۔ رفیق کے عزیزوں میں سے دو تین لڑکیاں اندر آگئیں۔ انہوں نے اسے ناشتہ لا کر دیا۔ بمشکل اس نے چند لقمے زہر مار کئے لڑکیاں خود بخود ہی کھلی جا رہی تھیں اور اس سے چہلیں کرنے کی کوشش کر رہی تھیں ویسی ہی چہلیں جیسی عام طور پر پچھلی رات کی دلہن سے کی جاتی ہیں مگر وہ خاموش تھی .... برف کے

بت کی طرح اس کے وجود میں یخ بستگی پھیلی ہوئی تھی۔

بالآخر ایک شوخ سی لڑکی کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "بھئی ایسی ٹھس دلہن تو ہم نے زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"شاید مایوس ہوئی ہیں بے چاری دولہا بھائی سے مل کر.........." ایک لڑکی نے خیال ظاہر کیا۔ ساجدہ نے زخمی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر پھر بھی کچھ نہیں بولی۔

اگلے دو تین گھنٹوں میں کچھ اور لوگ بھی اسے دیکھنے' اس سے ملنے باتیں کرنے آئے۔ اس نے کوشش کی کہ ان پر اپنی شخصیت کا کچھ بہتر تاثر قائم کر سکے لیکن اسے خود بھی اندازہ تھا کہ یہ کوشش شاید کچھ زیادہ کامیاب نہیں تھی۔ دراصل منافقت اور ریاکاری کا ہلکا سا رنگ بھی کبھی اس پر نہیں چڑھ سکا تھا۔ جب وہ اندر سے بجھی ہوئی تھی تو آنکھوں میں قندیلیں جلا کر لوگوں کی طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب اس کے اندر خزاں چھائی ہوئی تھی تو وہ ہونٹوں پر دلکش لفظوں کے گلاب نہیں کھلا سکتی تھی۔

بالآخر رفیق دفتر سے لوٹ آیا اور سب لوگ ہنستے مسکراتے' فقرے کستے اس کے کمرے سے رخصت ہو گئے۔ اس دوران ساجدہ نے اپنے آپ کو سمجھایا تھا کہ اسے اتنی جلد دل شکستہ اور مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ شاید یکدم ہی ایک نئی دنیا میں آنے کا دھچکا اس کے لئے شدید ثابت ہوا ہے۔ اسے سنبھلنے اور ایڈجسٹ کرنے کی کوشش تو کرنی چاہئے۔

وہ اپنے دل کے بوجھل پن کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھی۔ رفیق ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر رہا تھا وہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی "لایئے میں آپ کا کوٹ اتار دوں۔"

پہلے تو وہ ہڑبڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا شاید اس لئے کہ یہ اس کی باون سالہ عمر کا پہلا تجربہ تھا۔ اس کے لئے ساجدہ اسے معاف کر سکتی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی سمیٹی ہوئی کرچیاں پھر بکھرنے لگیں اور اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے دراصل رفیق اس لئے پیچھے ہٹا تھا کہ اپنا پرس کوٹ کی جیب سے نکال سکے۔

پرس نکال کر وہ مٹھی میں بھینچتے ہوئے بولا۔ "یہ میں اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ مجھے معلوم ہے بیویاں شوہروں کی جیبوں کی تلاشی لیتی ہیں۔ پرس پر ہاتھ صاف کر لینا ان کی عادت ہوتی ہے۔"

ساجدہ کا دل ایک بار پھر رو اٹھا.......... یا اللہ! اس شخص میں اتنی کمینگی کیوں سمٹ آئی ہے؟

"مطمئن رہئے.........." وہ زہریلے لہجے میں بولی .... "میں زندگی بھر آپ کے پرس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی .... بلکہ یہ بیڈ پر میرا پرس رکھا ہے۔ اس میں کچھ میرے ذاتی اور کچھ میرے سلامی کے روپے ہیں کئی ہزار کی رقم ہے یہ بھی آپ رکھ لیجئے۔ میرا خیال ہے پیسوں کی

قربت میں ہی آپ کو سب سے زیادہ راحت ملتی ہوگی.........."

اس کے بازو رفیق کے کوٹ کو چھوئے بغیر ڈھیلے ڈھالے انداز میں واپس آ گئے.......... پھر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بلک بلک کر بچوں کی طرح رونے لگی.......... اس نے آنسوؤں کو پلکوں کے بندھن میں جکڑ کر رکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر بالآخر انہوں نے یہ بندھن توڑ ہی دیا تھا۔

"ارے ....ارے.......... بھئی یہ کیا حرکت ہے؟ شادی کے پہلے دن ہی رونا دھونا .... یہ تو بڑی بدشگونی کی بات ہے۔" رفیق کے لہجے میں پشیمانی کے بجائے خفگی تھی۔ "اور پھر ذرا سوچو.......... اب تمہاری عمر کی لڑکی یوں بچوں کی طرح روتی اچھی لگتی ہے؟"

دل مجروح کے زخموں پر پھایا رکھنے کے بجائے نمک چھڑکا جا رہا تھا اس کی عمر کا تذکرہ یوں کیا جا رہا تھا جیسے رفیق خود سولہ سال کا بانکا چھبیلا ہو۔ پلٹ کر جواب دینے کو ساجدہ کا بہت دل چاہا مگر اس نے خود پر ضبط کیا۔ خاموش رہی تقدیر نے اسے جس کنوئیں میں لا پھینکا وہ ابھی اس میں ہاتھ پاؤں مار کر دیکھنا چاہتی تھی۔ بقاء اور مفاہمت کی کوشش کر کے دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ زندگی کی اس نئی بازی میں ہار جانے کا الزام کسی بھی زاویئے سے اس کے سر آئے۔ اس کی خواہش اب بھی یہی تھی کہ بات اگر کسی طرح نبھ سکتی ہو تو نبھ ہی جائے۔ بالآخر وہ خود ہی اپنے آنسو پونچھ کر افسردگی کے عالم میں بیڈ پر جا بیٹھی۔ رفیق نے اس سے مزید کچھ بھی نہ کہا' نہ دلجوئی کا کوئی لفظ' نہ محبت کی کوئی سرگوشی' نہ جذب و جنوں کی کچھ جھلک' نہ بے تابی دل کے اظہار کی کوشش' نہ اشتیاق و انتظار کا کوئی فسانہ اور نہ ہی اپنے یا دوسرے کے محسوسات کے بارے میں کوئی سوال' کوئی احوال کچھ بھی تو نہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس زندگی کا آغاز یوں بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی چاہ میں لوگ مرے جاتے تھے۔

رفیق بدمزگی کے سے عالم میں مڑا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحے بعد آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ ولیمے کے انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا اور اس سلسلے میں بھی سب سے زیادہ زور اسی بات پر تھا کہ کہیں کوئی فضول خرچی تو نہیں ہو رہی؟ کہیں کوئی چیز ضائع ہونے کا امکان تو پیدا نہیں ہو رہا؟

بالآخر جوں توں کر کے ولیمہ بھی نمٹ ہی گیا اور اس کے فوراً بعد ساجدہ کی بہنیں اسے گھر لے گئیں۔ زیب النساء بیگم ولیمے میں نہیں آئی تھیں گھر پر ہی رہی تھیں۔ ساجدہ گھر پہنچی تو ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ زیب النساء بیگم کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

"کیا ہوا بیٹی ....؟ خیریت تو ہے؟ تم اس بری طرح کیوں رو رہی ہو؟" وہ بار بار متوحش لہجے میں پوچھے جا رہی تھیں مگر ساجدہ کے ہونٹوں پر گویا مہر سکوت لگی ہوئی تھی بس

آنکھیں تھیں کہ خشک ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔

بالآخر اس کے دل کا غبار کچھ کم ہوا تو وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ "امی! کیا میں آپ کی بہت ہی بری اولاد تھی؟"

"نہیں بیٹی! ایسا کیوں کہتی ہو؟" زیب النساء بیگم تڑپ کر بولیں۔ "میں نے تو ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ تم میری سب سے چہیتی اولاد ہو۔"

"اور میں نے بھی اس گھر کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ کس عمر سے میں نوکری کر رہی ہوں۔ اپنا ایک ایک پیسہ میں نے اس گھر کے کاموں میں .... بہنوں کی شادیوں میں لگا دیا۔ گھر کے کام کاج سے بھی کبھی جی نہیں چرایا۔ آپ کی بھی مجھ سے جو خدمت ہو سکی وہ کرتی رہی۔ کبھی کسی کے بارے میں شکایت کا ایک لفظ میری زبان پر نہیں آیا۔ زندگی میں کبھی میں نے کسی چیز کی فرمائش نہیں کی .... کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔ مجھ سے کبھی کسی کو کوئی شکایت نہیں رہی۔ بتایئے کیا ان میں سے کوئی بات جھوٹ ہے؟" اس نے ماں کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کی تینوں بہنیں دم بخود کھڑی تھیں۔ آج تک کسی نے اسے اس عالم میں نہیں دیکھا تھا۔

زیب النساء بیگم کی حیرانی اور وحشت بڑھتی جا رہی تھی وہ کمزور سے لہجے میں بولیں۔

"نہیں .... اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے چندا ....! اور ہم سب کو اس کا احساس ہے .... لیکن ...."

"تو پھر بتایئے امی .... آپ نے میرے ساتھ اتنا ظلم کیوں کیا؟" وہ بیٹھی بیٹھی سی وحشت زدہ آواز میں بولی

"آپ نے مجھے باون سال کے ایک بیمار .... سدا کے روگی .... ایک ایک پائی کے پیچھے جان دینے والے .... ناکارہ .... تنگ دل اور تنگ ذہن انسان کے پلے کیوں باندھ دیا؟ جسے بیوی کی نہیں صرف نوکرانی کی ضرورت تھی اور نوکرانی بھی ایسی جو الٹا کما کر لاتی ہو.........."

اس کی آواز معدوم سی ہوتی جا رہی تھی مگر وہ بولے جا رہی تھی۔ "آپ اتنی تجربہ کار ہیں امی! آپ نے کچھ بھی نہیں دیکھا؟ کچھ بھی نہیں پرکھا؟ کوئی چھان بین نہیں کی؟ کیا میں اتنا بوجھ بن گئی تھی آپ پر؟ بس سر سے اتار پھینکنے کی جلدی تھی آپ کو؟"

زیب النساء بیگم کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں جیسے انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولیں۔ "ہم نے اپنی سی معلومات کی تھیں بیٹا! ہمیں تو کافی حد تک معقول ہی لگا تھا رشتہ ...."

ساجدہ نے گویا ان کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ ہچکی لیتے ہوئے بولی۔ "ہمارے گھر میں

غربت ضرور تھی لیکن ہمارا خاندان کچھ نہ کچھ تعلیم یافتہ ضرور چلا آ رہا ہے .... شعور تھا ہمارے گھرانے میں .... میں سمجھتی تھی کہ شادی بیاہ کے معاملے میں ہمارے گھر میں لڑکی کی خوشیوں کا سب سے زیادہ خیال رکھا جاتا ہے کیا میرے اپنے ہی معاملے میں میرا یہ نظریہ غلط ثابت ہونا تھا؟"

زیب النساء بیگم سنبھل کر بولیں۔ "نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں ہے میں کتنی بھی مجبور سہی.......... کتنی بھی بے وسیلہ سہی .... لیکن میں اور تمہارے ابو اب بھی اپنے اس نظریئے پر قائم ہیں کہ جس شادی میں لڑکی کے لئے کوئی بھی خوشی نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں اس کی قائل نہیں ہوں کہ لڑکی سسرال میں گیلی لکڑی کی طرح سلگ سلگ کر زندگی گزارتی رہے اور ماں باپ کو کوستی رہے۔ میں نے اپنی کسی بھی بیٹی کو یہ کہہ کر رخصت نہیں کیا کہ جس گھر میں تمہاری ڈولی جا رہی ہے وہاں سے تمہارا جنازہ ہی نکلنا چاہئے۔ جنازہ بے شک نکلے .... ضرور نکلے لیکن ہنسی خوشی گزرانے کے بعد ۔ یہ نہ ہو کہ ہر دن' ہر لمحہ لڑکی پر قیامت بن کر گزرے۔ وہ دن میں سو بار مرے اور سو بار جئے۔ خوشیاں چاہے کتنی ہی چھوٹی ہوں .... کتنی ہی تھوڑی ہوں لیکن لڑکی کے مقدر میں کچھ نہ کچھ آنی ضرور چاہئیں.........."

ان کی آواز آنسوؤں سے بھیگتی جا رہی تھی۔ وہ سانس درست کرنے کے لئے ایک لمحے کو رکیں پھر پہلے سے بھی دھیمے لہجے میں بولیں۔ "تمہیں بھی میں نے یہی سوچ کر اس گھر سے رخصت کیا تھا بیٹا! لیکن اگر مسئلہ اتنا ہی سنگین ہے .... بات کسی طرح بھی نبھ نہیں سکتی.......... گزارہ کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ہماری طرف سے تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو بیٹی! ہم تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنیں گے.........."

ساجدہ اب تک یہی محسوس کر رہی تھی کہ وہ اسی قسم کے الفاظ سننا چاہتی تھی لیکن یہ الفاظ جب حقیقتاً اس کی سماعت کی دہلیز تک پہنچے تو اس پر بالکل مختلف ردعمل ہوا اندر ہی اندر وہ لرز کر رہ گئی جیسے کسی نے اسے بہت برے انجام کی خبر سنا دی ہو۔

"نہیں .... نہیں ...." اس نے اندر ہی اندر اپنے آپ سے کہا۔ "میں اتنی جلدی ایسا نہیں کرسکتی .... لوگ کیا کہیں گے کہ پہلے تو اس لڑکی کی شادی ہی ہونے میں نہیں آتی تھی اور اب ہوئی تو دو دن بعد ہی علیحدگی ہو گئی .... نہ جانے لڑکی میں کیا خرابی ہے .... اس معاشرے میں تو خرابی صرف لڑکی میں ہی تلاش کی جاتی ہے۔ اور اگر خرابی نہ بھی ملے تب بھی کلنک کا ٹیکہ اسی کے ماتھے پر لگتا ہے۔ علیحدگی ہو جائے تو زندگی بھر لاشعوری طور پر مجرم اسی کو گردانا جاتا ہے ہمیشہ کے لئے اس کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

اپنے آپ سے اس کا مکالمہ جاری تھا کہ ایک بار پھر اسے امی کی آواز سنائی دی۔ "تمہارے ہر فیصلے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں بیٹی! لیکن صرف ایک بزرگ کی حیثیت سے میرا

ایک مشورہ ہے۔ صرف مشورہ' اسے ہمارا حکم یا فیصلہ کچھ بھی مت سمجھنا .... کہنا صرف یہ ہے کہ فیصلہ کچھ بھی کرو' اس میں عجلت مت کرو۔ ہم سے اندازوں کی غلطیاں ہوئی ہیں ممکن ہے تم سے بھی اندازوں کی غلطیاں ہو رہی ہوں۔ ابھی اس بندھن کو استوار ہوئے صرف چوبیں گھنٹے ہی تو گزرے ہیں۔ ابھی سے نتائج اخذ مت کرو۔ تقدیر کو کچھ نہ کچھ مہلت ضرور دو کہ وہ تمہارے مسائل کو سلجھا سکے ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

ساجدہ اب بولی تو اس کا لہجہ بالکل بدلا ہوا تھا اس کی ذات میں بپھرتا ہوا رنج و غم کا طوفان جیسے دم توڑ گیا تھا۔ وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔ "میں آپ سے فیصلے وغیرہ کی بات کرنے نہیں آئی تھی .... میں کچھ بھی نہیں کروں گی .... میں تو سدا سے ہی ایک کمزور اور بزدل لڑکی رہی ہوں .... میں تو آپ کو صرف حالات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی ...... آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ آپ نے مجھے انجانے میں کس گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔ میرا کیا ہے .... میں تو اس گڑھے میں بھی زندگی گزار لوں گی .... اور سمجھ لوں گی کہ میرے مقدر میں یونہی لکھا تھا۔"



زندگی کے تپتے صحرا میں وہ آبلہ پا گھسٹ رہی تھی۔ دور دور تک کوئی شجر سایہ دار نہیں تھا۔ آرزوؤں کے نخلستان کب کے اجڑ چکے تھے۔ تمناؤں اور خواہشوں کو دل میں جگہ دینا اس نے ایک مدت سے چھوڑ دیا تھا۔ ہونٹ سی لئے تھے۔ بہ زبان خموشی بھی اس نے اپنے آپ سے، معاشرے سے، لوگوں سے یا تقدیر سے شکوہ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنے من میں پھیلے ہوئے گھمبیر سناٹے سے اس نے سمجھوتہ کرلیا تھا۔

مسز رفیق بنے اسے دو سال گزر گئے تھے!

کبھی کبھی وہ سوچتی تھی تو اسے شدید حیرت ہوتی تھی کہ یہ دو سال اس نے کیسے بتا دیئے تھے۔ شروع شروع میں اسے رفیق سے نفرت محسوس ہوئی تھی لیکن اب اس نے نفرت محسوس کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ شاید اس کے محسوسات ہی شل ہوگئے تھے۔ اس میں نفرت یا محبت، کچھ بھی محسوس کرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

شادی کے ایک ماہ بعد رفیق نے نہایت مٹھاس بھرے لہجے میں اس سے کہا تھا۔ "تمہاری تنخواہ سے ہم گھر چلایا کریں گے اور میں اپنی تنخواہ کسی سیونگ اسکیم میں انویسٹ کیا کروں گا جہاں رقم بڑھتی رہے۔"

"کس لئے؟ کیا کریں گے آپ رقم کو بڑھا بڑھا کر؟" ساجدہ نے قدرے حیرت سے پوچھا تھا۔ "کس کے کام آئے گی وہ؟"

"ہمارے اپنے کام آئے گی اور کس کے کام آئے گی؟" رفیق کو گویا اس کی حیرت پر حیرت تھی۔ "بڑھاپے میں .... ریٹائرمنٹ کے بعد .... دکھ بیماری میں ہمیں سو ضرورتیں پیش آسکتی ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ اولاد ہو تبھی آدمی ہر کام کرے۔ انہی کے لئے سب کچھ بنائے، اپنے لئے بھی تو سوچنا پڑتا ہے آخر ہمیں بھی تو پہاڑ سی زندگی گزارنی ہے۔"

"پہاڑ سی زندگی ....!" ساجدہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی پھر نہایت دھیمے لہجے میں خود کلامی کے انداز سے بولی۔ "ہاں پہاڑ سی زندگی تو واقعی گزارنی ہے۔"

"زندگی کے ہر شعبے میں پلاننگ کرنی پڑتی ہے۔" رفیق مدبرانہ لہجے میں بولا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کو زندگی کے نشیب و فراز سمجھا رہا ہو۔ "اکانومی کی بھی پلاننگ کرنی پڑتی ہے۔ اب مجھے دیکھ لو میرے والدین کا اس وقت ہی انتقال ہوگیا تھا جب میں میٹرک میں تھا۔ میٹرک کے بعد سے میں نوکری کر رہا ہوں۔ ابتداء میں برسوں تک تنخواہ بھی بہت کم رہی والدین نے بھی کچھ نہیں چھوڑا تھا لیکن دیکھ لو .... تنخواہ ہی تنخواہ میں میں نے سب کچھ بنایا ہے۔ یہ مکان تک بنایا ہے حالانکہ مکان بنانا کتنا مشکل کام ہے لیکن یہ میری معاشی پلاننگ کا ہی کمال ہے میری تو کوئی "اوپر کی کمائی" بھی نہیں تھی گھر میں جن ضروری چیزوں کی کمی تھی وہ تمہارے آنے سے پوری ہوگئی ہے۔"

"یہ شادی بھی آپ کی شاندار پلاننگ کا ہی نتیجہ ہوگی؟" ساجدہ کے لہجے میں زہر چھپا ہوا تھا۔

مگر رفیق میں شاید ایسی چیزوں کو محسوس کرنے کی اہلیت ہی نہیں تھی۔ قدرے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اعتراف کیا۔ "نہیں .... یہ تو خالصتاً قسمت کی مہربانی ہے میں نے جب پھوپھی وغیرہ کے سمجھانے بجھانے پر شادی کے لئے ہامی بھری تو میرے ذہن میں نہیں تھا کہ مجھے تم جیسی بیوی مل جائے گی۔ یہ تو بس اتفاق ہی تھا .... خوش قسمتی تھی۔"

"اور میری بدقسمتی۔" ساجدہ نے دل ہی دل میں سوچا پھر وہ ملائمت سے بولی۔ "رفیق! ویسے بائی داوے .... آپ کو زندگی میں روپے کے علاوہ بھی کسی چیز سے محبت ہے؟"

"میں کب کہتا ہوں کہ مجھے روپے سے محبت ہے؟" وہ گویا برا مناتے ہوئے بولا۔ "میں تو زندگی میں طریقہ سلیقہ رکھنے کی بات کرتا ہوں .... اور زندگی کے معاملات میں روپے پیسے کی بہرحال اہمیت ہے۔ اس کی اہمیت کا تب پتہ چلتا ہے جب یہ انسان کے پاس نہیں ہوتا۔"

"آپ نے اس وقت بھی خاصی رقم پس انداز کی ہوئی ہے اب آپ پوری تنخواہ انویسٹ کرنا شروع کر دیں گے۔ یہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جائے گی پھر ریٹائرمنٹ پر بھی آپ کو خاصی بڑی رقم ملے گی اس کا کیا کریں گے؟"

"اس سے تو میں کوئی کاروبار کروں گا۔" رفیق جلدی سے بولا۔ اس نے یقیناً اس سلسلے میں بھی کوئی "پلاننگ" کی ہوئی تھی اس کے ذہن میں یہ بھی طے شدہ تھا کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔ اس نے تو گویا اس ورق کو ہی نہایت غیر ضروری سمجھتے ہوئے زندگی کی کتاب سے پھاڑ دیا تھا۔ اس کی تمامتر منصوبہ سازیاں، ساری سوچیں صرف اپنے لئے تھیں۔

ساجدہ کا خیال تھا کہ جن لوگوں کے ہاں اولاد نہیں ہوتی اور کوئی دوسرا بھی ان کی

سوچوں' ان کی تمناؤں کا محور و مرکز نہیں ہوتا تو وہ دنیاوی معاملات سے بہت بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کا دل بجھ سا جاتا ہے۔ ہر کام کے بارے میں وہ یہی کہتے ہیں وہ کس کے لئے کچھ کریں؟"

لیکن رفیق اس کے سامنے بالکل الٹ مثال تھا۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا اور اسے گویا اس بات سے دلچسپی بھی نہیں تھی کہ دنیا میں اس کا کوئی ہو۔ بیوی بھی اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز نہیں تھی اس کے باوجود اس کے دل میں اپنی ذات کے لئے اپنے مستقبل کے لئے بڑی لگن تھی۔ جسمانی طور پر وہ جتنا مضمحل اور کمزور تھا' اپنے آپ سے اس کی محبت اتنی ہی طاقتور تھی۔

اس میں کوئی اور بھی تو خوبی نہیں تھی جس کے سہارے اس سے کوئی کمزور سا ہی ذہنی تعلق استوار ہو سکتا۔ اشعار سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کوئی اچھا شعر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہانی یا افسانہ اس نے زندگی میں نہیں پڑھا تھا۔ لطیفے کے معاملے میں بھی وہ ان لوگوں میں تھا جو لطیفہ ختم ہونے کے بعد انتہائی سنجیدگی سے پوچھتے ہیں "اچھا.........؟ پھر کیا ہوا؟"

یہ سب باتیں اپنی جگہ تھیں۔ اندر کی ویرانی بدستور بڑھ رہی تھی مگر ساجدہ نے سینے پر پتھر رکھ لیا تھا۔

ان دنوں اس کی شادی کو دوسرا سال ختم ہونے کو تھا جب پہلی بار اسے وہ دورہ پڑا۔ اس وقت وہ میکے میں ہی تھی۔ شبانہ بھی آئی ہوئی تھی اور وہ دونوں کچن میں کھڑے کھڑے کام کے دوران باتیں کر رہی تھیں۔ ازدواجی زندگی کی باتیں ہو رہی تھیں باتیں تو دراصل شبانہ ہی کر رہی تھی۔ ساجدہ تو صرف سن رہی تھی۔

کھڑے کھڑے اچانک ہی ساجدہ کے ہاتھ سے پیالا چھوٹ کر گر گیا۔ پھر وہ خود بھی فرش پر ڈھیر ہو گئی اس کا جسم اکڑنے لگا آنکھیں بند ہو گئیں دانت بھنچ گئے اور ہاتھ پاؤں مڑنے لگے اسے گردوپیش کی کوئی ہوش نہ رہی اسے تشنج کے سے عالم میں جھٹکے لگ رہے تھے۔

شبانہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھر میں اس کے بچے اور صرف امی تھیں۔ امی تقریباً معذور ہو چکی تھیں اپنی جگہ بیٹھی رہتی تھیں۔ شبانہ نے بچوں کی مدد سے بڑی مشکل سے ساجدہ کو کچن سے اٹھا کر قریبی کمرے میں بیڈ تک پہنچایا پھر ڈاکٹر بلانے دوڑی۔

ایک لیڈی ڈاکٹر نے کچھ عرصہ قبل ہی ان کی پچھلی گلی میں کلینک کھولا تھا۔ شبانہ اسے بلا لائی ان کا گھرانہ اس لیڈی ڈاکٹر کے لئے قطعی اجنبی تھا اس نے بہت دیر تک تخلیئے میں ساجدہ کا معائنہ کیا پھر شبانہ اور اس کی امی کے پاس آکر بولی۔ "جب لڑکی ہوش میں آجائے تو یہ دوائیں شروع کرا دیجئے گا۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "بہرحال اتنا بتا دینا بہتر سمجھتی ہوں کہ یہ سب عارضی علاج ہے بہتر یہی ہے کہ آپ کسی بھی طرح لڑکی کی

شادی کر دیں۔"

"شادی.........؟" شبانہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "لیکن باجی کی شادی ہوئے تو دو سال گزر گئے ہیں!"

اب شاید لیڈی ڈاکٹر کے، حیران ہونے کی باری تھی۔ اس نے گہری نظروں سے شبانہ کی طرف اور زیب النساء بیگم کی طرف دیکھا زیب النساء بیگم نے مجرمانہ سے انداز میں سر جھکا لیا۔ ڈاکٹر نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا اور خاموشی سے جھک کر اپنا بیگ بند کرنے لگی چند منٹ بعد وہ رخصت ہو گئی۔

شام تک ساجدہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ دو دن بعد وہ اپنے گھر چلی گئی۔ اس بار پہلے سے زیادہ سوگواری اس کی ہمسفر تھی۔ دو ماہ بعد اسے ایک بار پھر ویسا ہی دورہ پڑا لیکن اس دورے کا کسی کو بھی پتہ نہ چلا۔

وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں رنگت میں زردی جھلکنے لگی تھی کسی کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ ٹیچنگ پہلے بھی اس کی ضرورت تھی مگر پھر بھی اس میں اس کی لگن اور شوق شامل تھا۔ اب یہ ملازمت وہ صرف ضرورت کے تحت کر رہی تھی۔ اس کام سے اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مزاج میں بہت چڑچڑا پن آگیا تھا۔ بات بات پر وہ رفیق کو بھی کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ مگر رفیق حیرت انگیز حوصلے' قوت برداشت بلکہ خوش مزاجی سے اس کے چڑچڑے پن کو برداشت کرتا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ صرف صابر و شاکر ہی نہیں ایک کماؤ عورت بھی تھی' گھر چلا رہی تھی۔

○---------☆---------○

اس رات وہ کھانے کے بعد دیر تک صحن میں بیٹھی' اپنی کلاس کے بچوں کی رپورٹیں تیار کرتی رہی اس کا دھیان کام میں نہیں تھا بڑی مشکل سے وہ اعداد شمار وغیرہ پر توجہ مرکوز کر پا رہی تھی۔ خدا خدا کر کے کام ختم ہوا اور وہ سب چیزوں کو وہیں تپائی پر پٹخ کر بیڈ روم کی طرف چل دی۔

بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہی اس کے دانت ایک لمحے کے لئے سختی سے بھنچ گئے۔ حسب توقع رفیق اپنے بیڈ پر اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ سینے پر رکھے چت لیٹا سو رہا تھا۔ اس عالم میں وہ مکمل طور پر ایک لاش نظر آتا تھا جو نہ جانے کس معجزے کے تحت سانس لے رہی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر کسی نہ کسی ڈاکٹر کے زیر علاج رہتا تھا مگر اس کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

دنیا میں خواہ کچھ بھی ہو رہا ہوتا' گھر کا ماحول خواہ کیسا بھی ہوتا' لیکن وہ اپنے مقررہ وقت پر دھم سے یوں بستر پر گر کر سو جاتا تھا جیسے کسی مشین کا سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔

ساجدہ نے زور سے دروازہ بند کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ رفیق کی نیند میں خلل پڑے مگر اس کی اس حرکت کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ رفیق کی نیند میں قطعاً خلل نہیں پڑا۔ اس کا منہ اسی طرح نیم وا رہا اور ہلکے ہلکے خراٹے بھی جاری رہے۔ اس کی نیند میں خلل ڈالنا بہت مشکل تھا۔

کمرے میں قالین نہیں تھا۔ ساجدہ جان بوجھ کر ننگے فرش پر سینڈلوں سے زور زور سے کھٹ کھٹ کرتی الماری تک پہنچی۔ پھر سینڈل اتار کر اس نے زور سے کونے میں پھینکے۔ رفیق کی خراخراہٹ میں کوئی فرق نہ پڑا۔

ساجدہ نے تھکے تھکے سے انداز میں چپل پہنے اور بیڈ کے قریب ہی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی۔ ایک نظر اس نے رفیق کی طرف دیکھا اور نہ جانے کتنی ہزارویں مرتبہ وہی سوال ایک بار پھر اس کے ذہن میں ابھرا.......... "آخر وہ اس شادی کو کیوں نباہ رہی تھی؟"

کیا اسے سماج کا ڈر تھا؟

مگر سماج کا اس کی زندگی میں کیا دخل تھا؟ سماج نے اسے کون سی خوشیاں دی تھیں جو وہ اپنے آپ کو اس حد تک زیر بار محسوس کرتی تھی؟ اور پھر کچھ حقوق تو اسے سماج بلکہ مذہب نے بھی دیئے تھے.......... یہ پابندی تو کسی نے بھی عائد نہیں کی تھی کہ وہ اتنی محروم و محزون زندگی گزارے.......... اور گزارتی ہی چلی جائے۔

اس نے بال کھول لئے اور مضمحل انداز میں دھیرے دھیرے ان پر برش کرنے لگی۔ ذہن پر منتشر سوچوں کی یلغار جاری تھی۔ تو کیا مسئلہ صرف اتنا تھا کہ وہ بزدل تھی؟ سدا کی بزدل .... اس میں قوت فیصلہ نہیں تھی.......... کچھ کر گزرنے کا حوصلہ نہیں تھا؟

اس نے آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا.......... اس کے بال اب بھی لمبے اور ریشم کی طرح ملائم تھے۔ شباب تھا کہ اس کے پیکر سے رخصت ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جوانی اور اس کی دلکشی کو دھکے دے دے کر اپنے پیکر کی دہلیز سے نکال دینا چاہتی تھی مگر وہ بن بلائے مہمان کی طرح جم کر بیٹھ گئی تھی۔ بڑی الجھن سے وہ اکثر سوچتی تھی کہ بہت سی چیزیں ایسی جگہوں پر کیوں پائی جاتی ہیں جہاں ان کی ضرورت نہیں ہوتی؟

اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ گلابی ڈوروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔ برش رکھ کر اس نے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے ہی تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن چند لمحے بعد ہی اس نے بُری طرح چونک کر آنکھیں کھول لیں۔ اس کی رگ و پے میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کی طرف دیکھ رہا تھا.......... نہایت محبت سے.......... نہایت محویت سے ....

ایسی سنسنی اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی.......... کیا رفیق اس کی طرف دیکھ رہا تھا؟ چند سیکنڈ سے اس کے خراٹے تھمے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ساجدہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ نہایت آہستگی سے گردن موڑ کر رفیق کی طرف دیکھا۔ کمرے میں زیرو کے بلب کی مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ دیکھنا مشکل نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

وہ خاموش مگر استہزائیہ انداز میں ہنس دی.......... اسے ایسا سوچنا ہی نہیں چاہئے تھا.......... رفیق نے تو کبھی بیداری کے عالم میں بھی محویت اور محبت سے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا .... وہ نیند سے چونک کر بھلا اس کی طرف اس طرح کیونکر دیکھ سکتا تھا؟

تو پھر کون اس کی طرف دیکھ رہا تھا؟

اسے یقین تھا کہ اس کے محسوسات نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ آنکھیں کھولتے ہی یہ احساس ختم ہو گیا تھا کہ کوئی اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ جو دل کو تجسس اور بے چینی لگ گئی تھی وہ کم نہ ہوئی۔

اس تجسس اور بے چینی نے اسے اس حد تک مجبور کیا کہ اس نے اٹھ کر کمرے کے تمام کونوں کھدروں کا جائزہ لیا۔ الماری میں جھانکا۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر بھی جھانک کر دیکھا۔ حتیٰ کہ اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بیڈ کے نیچے بھی دیکھا.......... اور ایسا کرتے وقت اس نے اپنے آپ کو نہایت احمق محسوس کیا.......... مگر دیکھے بغیر رہ بھی نہیں سکی۔

کہیں بھی کوئی نہیں تھا! کمرے میں اس کے اور محو خواب رفیق کے سوا کوئی نہیں تھا۔ مگر اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کمرے کی لائٹ آن کر دی۔ روشنی براہ راست رفیق کے چہرے پر پڑی تھی اور یہ دیکھ کر ساجدہ کو حیرت ہوئی کہ رفیق کسمسانے لگا تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ لائٹ آن کرنے یا آف کرنے سے اس کے لئے کوئی فرق پڑا ہو۔ وہ اگر سو چکا ہوتا تھا تو پھر سوتا ہی رہتا تھا۔

مگر آج اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں اور چندھیائے ہوئے انداز میں ساجدہ کی طرف دیکھا.......... "تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" وہ منمنایا۔

"میں سوئی ہی کب تھی؟" وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"تو پھر سو جاؤ نا.......... ...." رفیق نے شاید اپنے لہجے کی چڑچڑاہٹ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ ساجدہ اس وقت شب خوابی کے لباس میں تھی مگر رفیق کی نظر اس کے چہرے سے نیچے نہیں گئی تھی۔

"شاید میں سو چکی ہوتی ...." ساجدہ تیزی سے بولی.......... "مگر چند لمحے پہلے مجھے ایسا لگا جیسے کوئی میری طرف دیکھ رہا ہے.........."

"اس کمرے میں؟" رفیق نے حیرت سے پوچھا۔

"ظاہر ہے چند لمحے پہلے میں شب خوابی کے لباس میں سڑک پر تو نہیں کھڑی تھی..........

میں اس کمرے میں تھی.......... اور اس کمرے کی بات کر رہی ہوں..........“ ساجدہ ناگواری سے بولی۔

رفیق نے ہاتھ بڑھا کر ڈریسنگ ٹیبل سے عینک اٹھائی۔ کچھ عرصے سے وہ نظر کی عینک لگانے لگا تھا۔ عینک لگا کر اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ”مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آرہا..........“ لہجے کی تہ میں ہلکا سا تمسخر چھپا ہوا تھا۔

”نظر تو مجھے بھی کوئی نہیں آیا۔ یہی تو پریشانی کی بات ہے ....“ ساجدہ بولی۔ ”میں تو پورے کمرے کو کھنگال چکی ہوں۔“

”کیا تمہیں اس سے پہلے بھی کبھی ایسا وہم ہوا ہے؟“ رفیق نے قدرے تجسس سے پوچھا۔

ساجدہ نے خمار آلود‘ سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورا.......... ....“ آپ ماہر نفسیات بننے کی کوشش کر رہے ہیں؟ جب بھی ایسا ارادہ ہوا تو سب سے پہلے اپنے کیس پر غور کیجئے گا.......... اسے ہی حل کرنے میں برسوں گزر جائیں گے۔“

رفیق ایک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا۔ ساجدہ کو اس کی نظروں سے الجھن ہونے لگی۔ اس نے لائٹ آف کر دی۔ کمرے میں ایک بار پھر صرف زیرو کے بلب کی برائے نام روشنی رہ گئی۔ رفیق نے گہری سانس لی اور دھم سے بستر پر گر کر پہلی سی پوزیشن میں آتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

ساجدہ ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ دھیرے دھیرے‘ ڈرتے ڈرتے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہی احساس ایک بار پھر موجود تھا!

ملگجے اندھیرے میں کسی کی نظریں اس کے انگ انگ پر رینگ رہی تھیں۔ اس بار بھی اسے یقین تھا کہ یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ اس بار اسے ایک اندازہ ہوا تھا.......... وہ یہ کہ جب اس کی آنکھیں بند ہوتی تھیں تب ہی یہ نظریں اس کے خدوخال کا سفر شروع کرتی تھیں۔

بیشتر لڑکیوں کی طرح اسے بھی نوجوانی سے اس قسم کی نظروں کا تجربہ تھا۔ بے شک وہ نظریں جھکا کر سڑکوں فٹ پاتھوں پر چلتی تھی‘ سر جھکا کر عمارتوں کی سیڑھیاں چڑھتی‘ اترتی تھی.......... لیکن اسے معلوم ہوتا کہ کب کسی کی گہری نظریں اس کے خدوخال کا سفر کر رہی ہیں اور تصور کے سہارے اسے اول تا آخر دریافت کر لینے کی کوشش کر رہی ہیں۔

تجربے کے طور پر اس نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں کھولیں۔ نظروں کا وہ احساس فوراً ختم ہو گیا۔ جیسے کوئی سوئچ آف کر دیا گیا ہو اور برقی رو منقطع ہو گئی ہو۔ اب اسے معلوم ہو چکا تھا کہ کمرے میں نظر دوڑانے یا بتی جلا کر ادھر ادھر دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پہلے کی طرح

اس بار بھی کہیں کوئی نظر نہیں آئے گا۔

آج اس نے دن میں اسکول میں بھی زیادہ کام کیا تھا اور گھر آکر بھی دیر تک کام کرنا پڑا تھا۔ اس کے جوڑ جوڑ میں میٹھا میٹھا درد تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رفیق ہی کی طرح دھم سے بستر پر گرے اور آنکھیں بند کر کے دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جائے.......... مگر ان انجانی نظروں نے گویا اس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی تھی۔

”دیکھو ساجدہ ڈیئر!“ اس نے بہ زبان خموشی اپنے آپ کو سمجھایا۔ ”تم نے خواہ کیسی بھی زندگی گزاری ہے.......... محرومی‘ ناآسودگی اور تشنگی خواہ تمہارے روز و شب پر کتنی ہی غالب رہی ہے۔ تمہارے رگ و پے میں خواہ کیسے ہی طوفاں مقید رہے ہیں.......... لیکن ایک بات طے ہے کہ تمہاری کھوپڑی ٹھیک ٹھاک ہے۔ تمہارا کوئی پرزہ کھسکا ہوا نہیں ہے .... اور نہ ہی تمہاری ناآسودہ تمنائیں تمہیں کوئی کھیل تماشے دکھا رہی ہیں .... نہ ہی تشنہ آرزوئیں نت نئے بھیس بدل کر تمہارے سامنے آرہی ہیں.......... تم اپنی کمزوریوں کے ہاتھوں میں اس طرح کھلونا بن جانے والی چیز نہیں ہو .... یہ جو کچھ تم محسوس کر رہی ہو اس کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے.......... کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے.......... کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے..........“

آزمائش کے طور پر اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کیں۔ وہ نظریں ایک بار پھر اس کے گلے کا ہار تھیں۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا سنسنی خیز تجربہ تھا کہ نظروں کے اس لمس پر وہ اب ناگواری محسوس نہیں کر رہی تھی .... اور اس بار آنکھیں بند کرنے پر اسے ایک اور بڑی حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ اس ہستی کو دیکھ سکتی تھی جو اسے یوں ایک ٹک محبت اور محویت سے دیکھ رہی تھی.......... اور اسے دیکھ کر وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

وہ ایک کونے میں کھڑا تھا اور پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ وہ قدیم رومن سپاہیوں جیسے مختصر لیکن زرق برق لباس میں تھا۔ جسمانی ساخت نہایت اونچے درجے کے باڈی بلڈرز جیسی تھی اور رنگت پگھلے ہوئے تانبے کے رنگ سے مشابہ تھی۔

ساجدہ کی معلومات کے مطابق ایسی قومیں تو کئی تھیں جن کے افراد کے بال سنہری اور آنکھیں نیلی ہوتی تھیں.......... مگر اس شخص میں عجیب سی بات یہ تھی کہ اس کی آنکھیں سنہری اور بال نیلے تھے.......... لیکن اس کے چہرے پر رنگوں کا یہ الٹ پھیر بھی نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ سرتاپا خوبصورتی تھا۔

ساجدہ کی نظر اس پر جمی رہ گئی .... اس کی شخصیت میں عجیب مقناطیسیت تھی۔ ساجدہ نظر ہٹانا چاہتی تھی مگر ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ اسے وہم ہونے لگا کہ اس کی نظریں

دھوکا کھا رہی تھیں .... کوئی تصوراتی اور تخیّلاتی مخلوق اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی......... بھلا کسی کے بال نیلے اور آنکھیں سنہری بھی ہوتی ہیں؟

بصد مشکل اس نے آنکھیں کھولیں .... اور وہ جو کوئی بھی تھا' فوراً" اس کی آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اس کا دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا......... مگر رگ و پے میں ایک عجیب سے لذت بھی پھیلی ہوئی تھی......... نو عمری کی .... چوری چھپے کی......... کسی پہلی' اچھوتی' انوکھی ملاقات کی لذت!

اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں......... وہ وہیں اس مخصوص کونے میں کھڑا تھا۔ مسکرا رہا تھا اور بس ایک ٹک ساجدہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

ساجدہ سحرزدہ سے انداز میں اسے تکتی رہی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ اس کے یوں تکنے سے اس شخص کے چہرے پر سرخی گہری ہو گئی تھی......... تو گویا وہ اس کے یوں تکنے سے شرما رہا تھا۔ پھر اس نے شرمیلے سے انداز میں سر جھکا لیا۔ اس کی یہ ادا ساجدہ کو بہت ہی عجیب لگی۔ اس کے اعصاب میں گدگدی سی ہونے لگی۔ یہ سب محسوسات اس کے لئے بالکل نئے تھے .... بہت ہی نئے اور بہت ہی انوکھے!

وہ اپنی ذات میں بے شک کتنی ہی سکڑی سمٹی رہی تھی .... لیکن بہرحال وہ اسی جدید دنیا کی باسی تھی......... ورکنگ وومن تھی .... گلی' کوچوں میں نکلتی تھی......... بے شک لوگوں سے اس کی میل ملاقات نہیں تھی......... لیکن لوگ اس کے سامنے سے گزرتے تو تھے .... وہ نت نئے چہرے دیکھتی تو تھی .... ان کے بارے میں اپنا کوئی احساس' اپنی کوئی رائے تو رکھتی تھی۔

ان گنت دلکش چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرے تھے۔ بے شمار وجیہہ مردوں پر اس کی نظر پڑی تھی۔ رسالوں' اخباروں میں بھی اچھی اچھی تصویریں چھپتی تھیں......... ٹی وی اور فلموں کے ہیرو بھی تھے۔

مگر آج تک کوئی اسے اتنا خوبصورت' اتنا دلکش نہیں لگا تھا! حالانکہ اس کی شخصیت کا تاثر کچھ غیر انسانی سا تھا......... اس کی رنگت' اس کی جسمانی ساخت' اس کے بال' اس کی آنکھیں......... اور اس کا لباس......... کچھ بھی تو مکمل طور پر اس دنیا کا' آج کے دور کا نہیں لگ رہا تھا......... اس کے باوجود اس کی وجاہت ناقابل بیان اور اس کی کشش ناقابل مزاحمت تھی۔

دھیرے دھیرے ساجدہ کی گھبراہٹ' اس کے اعصاب کا ہیجان دور ہوتا گیا۔ اس کی رگ و پے میں ایک شبنمی سی ٹھنڈک اتر آئی۔ وہ یکدم پرسکون سی ہو گئی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اس کے لئے اجنبی نہیں تھا......... وہ تو اس کا برسوں کا ساتھی' اس کا

درد آشنا' اس کا دوست' اس کا ساتھی اور غمگسار تھا......... وہ تو جیسے صدیوں سے اسے جانتی تھی۔ وہ تو صرف دنیا کے جھنجھٹوں میں پھنس کر کچھ دیر کے لئے اسے بھول گئی تھی اور وہ بھی اس دوران اس کی نظر سے اوجھل ہو گیا تھا......... ورنہ وہ تو ہر شب غم میں اس کا رفیق رہا تھا۔

اس نے تو ہر کمزور لمحے میں اسے سہارا دیا تھا۔ اسی نے تو اسے ادھر ادھر بھٹکنے سے بچائے رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے تو وہ اپنی محرومیوں اور نا آسودگیوں کے رد عمل کے طور پر شعلۂ انتقام نہیں بنی تھی......... اس کی وجہ سے تو وہ تنہائیوں اور بے خواب راتوں کے عذاب کاٹ گئی تھی۔ سب کچھ سہ گئی تھی اور تن ریزہ ریزہ کو سنبھالے ہر پل صراط سے گزر آئی تھی۔

فرق صرف یہ تھا کہ پہلے وہ آنکھیں بند کرنے پر بھی نظر نہیں آتا تھا۔ کہیں دھندلکوں میں چھپا ہوا تھا......... اب وہ کم از کم آنکھیں بند کرنے پر تو نظر آنے لگا تھا۔

اتنا تومند' اتنا وجیہہ' اتنا دراز قد اور اتنا انوکھا انسان ایسے شرمیلے انداز میں سر جھکائے کھڑا ساجدہ کو اتنا بھلا لگا کہ اس کے دل کا پنچھی سینے کا پنجرہ توڑ کر اڑ جانے کو بے قرار ہو جانے لگا۔

وہ آنکھیں بند ہی رکھتے ہوئے بہ زبان خموشی بولی .... "سر اٹھاؤ......... ادھر دیکھو میری طرف ...."

بہت آہستگی سے اس نے سر اٹھایا۔ ہونٹوں پر بدستور شرمیلی سی مسکراہٹ تھی اور رخساروں کی شرمیلے پن کی حدت گویا وہ اتنی دور سے محسوس کر سکتی تھی۔ وہ بمشکل اس سے نظر ملا رہا تھا۔

وہ خاموشی ہی کی زبان میں بولی......... "اگر تم میرے تخیل ہی کی پیداوار ہو تب بھی تمہیں خود سے جدا نہیں ہونے دوں گی .... تمہیں اپنی زندگی سے باہر نہیں جانے دوں گی .... تمہیں دوبارہ چہرہ چھپانے نہیں دوں گی......... اور اگر کسی ماہر نفسیات نے تمہیں میری زندگی سے نکالنے کی کوشش کی تو میں اسے جان سے مار دوں گی........."

انجانے شخص کے چہرے پر قرار سا آ گیا .... جیسے اسے ساجدہ کے اس ارادے سے اطمینان ہوا ہو۔ جیسے وہ ساجدہ کے دل سے یہی آواز سننا چاہتا تھا۔

"تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے؟" ساجدہ نے خاموشی کی زبان میں پوچھا۔

"نہیں .... کبھی نہیں ...." اس نے بھی خاموشی کی زبان میں جواب دیا۔ اس کے ہونٹ نہیں ہلے .... تاہم اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا اور اس کے لمبے لمبے نیلے ریشمی بال ہوا میں لہرا گئے۔

"لیکن فی الحال تم چلے جاؤ ...." ساجدہ گویا بادل نخواستہ بولی .... "میں بہت تھک

گئی ہوں۔ رات بھی بہت بیت گئی ہے .... میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔ صبح مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے .... اور اگر تم یہاں رہو گے تو میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سو سکوں گی ...."

اس نے تفہیمی انداز میں سرہلایا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر نہایت سعادتمندی سے نظریں جھکا کر دروازے کی طرف چل دیا۔ نہایت اطمینان سے اس نے دروازے کا بولٹ کھولا اور ہوا کے جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گیا۔

دروازہ کھلا رہ گیا اور ہوا سے ایک بار دونوں پٹ زور سے ایک دوسرے سے ٹکرائے۔

حیرت کی بات تھی کہ آج رفیق کی نیند میں خلل پڑ رہا تھا یا شاید وہ دوبارہ صحیح طور پر سو ہی نہیں سکا تھا......... وہ بہ آواز بلند بولا .... "ساجدہ! کیا تم باہر سے آئی ہو؟"

اس کی آواز سن کر ساجدہ نے جیسے کسی خواب سے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ دروازہ واقعی کھلا تھا اور سرد ہوا اندر آرہی تھی۔ رفیق کہنی کے بل لیٹا چندھی چندھی آنکھوں سے قدرے تشویش سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا......... کیونکہ وہ ابھی تک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی۔

وہ واقعی حیرت زدہ تھی......... کیونکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اندر آتے وقت اس نے دروازے کا بولٹ چڑھایا تھا......... اور اگر اب دروازہ کھلا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ "وہ" واقعی اسی راستے سے رخصت ہوا تھا۔

.... اور اس کا مطلب تھا کہ "وہ" کوئی تخیلاتی اور تصوراتی مخلوق نہیں تھا!

"اس" کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور تھی۔ شاید صرف ساجدہ کی آنکھیں ہی اسے دیکھ سکتی تھیں......... اور وہ بھی کھلی آنکھیں نہیں .... بند آنکھیں۔

"سجو"! رفیق کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے مڑ کر رفیق کی طرف دیکھا وہ بدستور بیڈ پر کہنی کے بل نیم دراز تھا اور چندھیائی ہوئی سی آنکھوں سے اس کی طرف قدرے ناگواری سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ساجدہ کاٹ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"دروازہ بند کر دو نا......... ہوا آرہی ہے........." وہ منمنایا۔ ہوا دھوپ یا روشنی۔ اس سے کچھ بھی تو برداشت نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ ساجدہ کو اس وقت دسمبر کی سرد رات کی ہوا بھی نہایت خوشگوار نہایت بھلی لگ رہی تھی شاید اس لئے کہ اس ہوا میں ابھی تک اس انوکھے آشنا اجنبی کے وجود کی خوشبو رچی ہوئی تھی یا پھر شاید اس کے لئے ساجدہ کی اپنی رگ و پے میں آتش فشاں جاگ اٹھے تھے اور سرد ہوا بھی ان کی حدتیں کم کرنے میں ناکام تھی۔

تاہم وہ سنگھار میز کے سامنے سے اٹھ کر دروازے تک جا پہنچی اور دروازہ بند کرنے سے پہلے کئی لمحے تک باہر ملگجے اندھیرے میں نظریں دوڑاتی رہی......... مگر وہاں اب کچھ بھی

نہیں تھا......... برآمدے میں وہی پرانی سی میز کرسیاں تھیں ان پر اس کی کلاس کے بچوں کی رپورٹوں وغیرہ کے ورق پھڑپھڑا رہے تھے صحن میں الگنی پر کپڑے لہرا رہے تھے......... فضا خاموش تھی اور "اس" کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

ساجدہ نے آنکھیں بند کر کے دیکھا وہ تب بھی نظر نہ آیا وہ اس کے حکم کی تعمیل میں رخصت ہو چکا تھا......... اور ساجدہ اس پہلی ملاقات میں ایسی بدحواس ہوئی تھی کہ اس سے اس کا نام بھی نہ پوچھ سکی تھی......... مگر خیر......... کوئی حرج نہیں تھا......... یہ کوئی ان کی پہلی ملاقات تو نہیں تھی......... اسے معلوم تھا کہ وہ آئندہ بھی ضرور آئے گا بلکہ جب وہ بلائے گی تو وہ فوراً آئے گا۔

خوابناک سے انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا' لائٹ بجھا دی اور آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔

رفیق نے بھی تکیے پر سر ٹکایا اور آنکھیں بند کرلیں ساجدہ تنبیہہ کے سے انداز میں بولی ۔ "میں بہت گہری نیند .... بہت سکون کی نیند سونا چاہتی ہوں۔ خدا کے لئے خراٹے مت لینا .... اگر تمہارا خراٹے لینا جاری رہا تو کل سے میں دوسرے کمرے میں سونا شروع کروں گی۔"

"میں کوئی جان بوجھ کر تو نہیں لیتا خراٹے........." رفیق نے گویا احتجاج کیا۔ "نیند میں انسان کو کیا پتا چلتا ہے........."

"لیکن یہ کوئی انصاف تو نہیں کہ تم سکون کی نیند سوؤ......... اور میں کروٹیں بدل بدل کر راتیں گزاروں۔ دو سال سے میں آسودہ نیند کے لئے ترس رہی ہوں۔ میری نس نس میں تھکن رچ چکی ہے۔" وہ جارحانہ لہجے میں بولی۔

"یہ دو سال بعد آج اچانک ہی تمہیں اپنی تھکن یاد آئی ہے........." رفیق کے لہجے میں قدرے تیکھا پن آگیا۔

"ہاں......... یہ میرا ظرف تھا کہ دو سال تک میں کچھ نہیں بولی......... اور یہ تمہارا ظرف تھا کہ تمہیں کبھی میرے آرام' میری خوشی کا خیال نہیں آیا۔" اس کی آواز دھیمی دھیمی تھی مگر اس کی تہہ میں گویا کوئی طوفان چھپا ہوا تھا۔

رفیق کروٹ بدل کر اس کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں اگر لڑنا ہی ہے تو کم از کم صبح کا انتظار تو کر لو جو کچھ بولنا ہو گا صبح بول لینا۔" پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا ...."ویسے تمہیں شکر کرنا چاہئے کہ تمہیں مجھ جیسا تحمل مزاج شوہر ملا ہے۔ کتنی باتیں برداشت کرتا ہوں میں تمہاری........."

ساجدہ زہریلے سے انداز میں ہنس دی......... "لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ میں کیا کچھ

برداشت کرتی ہوں.........''

وہ کچھ نہ بولا بس گویا کان لپیٹ کر سو گیا ساجدہ نے بھی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ دیر تک اسے نیند نہیں آئی لیکن جب آئی تو بہت ہی بے خبری کی آئی ورنہ پہلے تو وہ گویا سوتے میں بھی جاگتی رہتی تھی......... ذرا سی آہٹ' ذرا سی سرسراہٹ سے اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔

بہرحال صبح حسب عادت اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے رفیق کی تیار ہونے کی آوازیں سن لیں مگر وہ جان بوجھ کر خلاف معمول سر منہ لپیٹے پڑی رہی۔ اس نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ وہ بیدار ہو چکی ہے۔ خلاف توقع رفیق نے اسے نہیں جگایا۔ یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہے یا نہیں .... اس نے خود ہی ناشتہ بنایا اور خاموشی سے دفتر چلا گیا.........
شاید وہ رات ساجدہ کے تیور دیکھ کر ڈر گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد ساجدہ دوبارہ سو گئی......... دن چڑھے وہ اٹھی۔ آج خلاف معمول اس کی طبیعت میں وہ کسلمندی نہیں تھی جو روزانہ ہوا کرتی تھی۔ برسوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ بغیر اطلاع دیئے اسکول سے غائب تھی مگر اس سلسلے میں بھی آج اس کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں تھا وہ اپنے آپ کو آج ہر فکر سے آزاد' بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی' اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی تمام ذمہ داریاں کسی نے اپنے سر لے لی تھیں اس کے تمام تفکرات کسی نے اپنے دامن میں سمیٹ لئے تھے۔

بالآخر وہ کمبل ایک طرف پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اچانک حرارت کی نرم آغوش سے باہر آنے پر اس کے جسم میں پھریریاں سی دوڑ گئیں۔ شب خوابی کے لبادے کو کس کر اپنے جسم کے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کیں اس کے جسم کو گویا برقی جھٹکا سا لگا۔

وہ ایک بار پھر اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اب اس کی مسکراہٹ میں وہ پہلا سا شرمیلا پن نہیں تھا گویا رفتہ رفتہ تکلف دور ہو رہا تھا حجاب کا پردہ ہولے ہولے اٹھ رہا تھا' اس کی نظروں میں ساجدہ کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

''اوہ .... یہ تم صبح ہی صبح کیوں چلے آئے؟ ابھی نہیں آنا چاہئے تھا تمہیں .... ابھی تو میں نے برش بھی نہیں کیا......... منہ بھی نہیں دھویا.........'' وہ ہونٹ ہلائے بغیر خاموشی کی زبان میں بولی۔ اس کا رواں رواں مرتعش تھا اس کے اعصاب میں تھرتھراہٹ تھی حالانکہ صبح رفیق کے جانے کے بعد سے اس کے لاشعور میں خواہش موجود تھی کہ وہ کسی نامعلوم دیس سے آنے والے اپنے اس انوکھے مہربان کو دیکھے۔ مگر اب وہ آگیا تھا تو گویا اس کے سامنے یہ اعتراف کرنے کے لئے وہ تیار نہیں تھی۔ آخر محبوبیت میں بھی تو ایک انا ہوتی ہے دلبری میں

بھی ایک تجاہل عارفانہ ہوتا ہے۔

اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس کے ہونٹ نہیں ہلے مگر ساجدہ کو اس کی محسوس کن آواز سنائی دی دل کو گدگدانے والی آواز۔

وہ کہہ رہا تھا......... ''تم نے یاد کیا......... میں چلا آیا۔''

''تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ میں تمہیں یاد کر رہی ہوں؟'' ساجدہ نے بھی ہونٹ ہلائے بغیر پوچھا۔

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے نیلے ریشمی بال یوں لہرا کر رہ گئے جیسے ٹھہرے ہوئے پانی نے ہلکورا سا لیا ہو۔

''تم کہاں سے آتے ہو؟'' ساجدہ نے صرف سوچا......... اور اس کی آواز سنہری آنکھوں والے کی سماعتوں تک پہنچ گئی۔

''کہیں سے بھی نہیں.........'' اس نے بہ زبان خموشی جواب دیا۔ ''میں یہیں تمہارے آس پاس ہوا کی ان لہروں میں موجود ہوتا ہوں......... منتشر سی حالت میں......... مضطرب سی حالت میں .... جیسے ہی تم میرے بارے میں سوچتی ہو اور آنکھیں بند کرتی تو غیر مرئی لہروں میں بٹا ہوا میرا جسم مکمل ہو کر یکجا ہو کر تمہارے سامنے آجاتا ہے......... جس طرح تم لوگ ٹی وی دیکھتے ہو......... تصویر ہوا میں غیر مرئی لہروں کی صورت میں موجود ہوتی ہے لیکن تم لوگوں کو وہ اسی وقت دکھائی دیتی ہے جب ٹی وی آن کیا جاتا ہے اسے دیکھنے کے لئے تم لوگوں کو ٹی وی کی ضرورت ہوتی ہے مجھے دیکھنے کے لئے تمہاری ضرورت ہے......... ٹی وی سیٹ تو دنیا میں لاتعداد ہیں .... لیکن تم دنیا میں صرف ایک ہو .... اور میں صرف تمہیں ہی نظر آسکتا ہوں......... صرف تمہیں۔''

''صرف تمہیں'' .... یہ دو لفظ اس نے ایسے لہجے میں ادا کئے تھے کہ ساجدہ کا رواں رواں ایک انجانی لذت سے سرشار ہو گیا۔

''صرف مجھے''.........؟ وہ مخمور سے انداز میں گنگنائی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

''ہاں......... صرف تمہیں.........'' اس نے پہلے سے زیادہ غیر متزلزل لہجے میں کہا۔

''گویا تم صرف میرے ہو؟'' ساجدہ نے تصدیق چاہی۔

''یقیناً .... تمہارا اور صرف تمہارا.........'' اس کے لہجے میں وثوق سے گویا ساجدہ کے دل کے تپتے صحرا میں پھوار سی پڑ گئی......... اس نے تو زندگی میں کبھی کسی معمولی سی چیز کو بھی اپنا محسوس نہیں کیا تھا......... چہ جائیکہ اس کے خوابوں کا انوکھا اور اچھوتا شہزادہ یوں دل و جان سے اپنا آپ اسے سونپ رہا تھا۔

''بخدا......... میں اس خوشی......... اس مسرت......... اس سرشاری کو برداشت نہیں کر

سکتی........" وہ اندر ہی اندر جیسے بے ساختہ چیخ اٹھی اور پھر بے اختیار اس نے آنکھیں کھول دیں وہ اس کی نظروں سے غائب ہو گیا مگر وہ کمرے میں موجود تھا ساجدہ کو اس کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا اس کا ذہنی رابطہ اس سے قائم تھا۔

غیر ارادی طور پر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں وہ واقعی اپنی جگہ موجود تھا۔ اور اس کی سنہری آنکھوں میں ہلکی سی اداسی کی لہر نمودار ہو چکی تھی۔

"کیا بات ہے........ تم مجھے دیکھنا نہیں چاہتیں؟ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں؟" اس نے مدہم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں........ نہیں........ ایسی کوئی بات نہیں ہے........" وہ تڑپ کر بولی۔ چند ہی لمحوں میں وہ گویا اس کے لئے ...زاز جان ہو گیا تھا اسے اندیشہ محسوس ہوا تھا کہ وہ اس سے روٹھ نہ جائے........ اور اس کے روٹھنے کا تصور ساجدہ کو زندگی میں سب کچھ ہار دینے کے مترادف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ جیسے سسکی سی لے کر بولی .... "میں تم سے نظر کیسے چرا سکتی ہوں؟ میں تم سے بیزار کیسے ہو سکتی ہوں؟ صدیوں کے انتظار کے بعد تو تم مجھے ملے ہو........ بلکہ ابھی تو درحقیقت ملے بھی نہیں ہو۔ تمہیں دیکھنے کی خوشی ہی میرے لئے اتنی زیادہ ہے کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی........ خدارا مجھے یکدم اتنی بہت سی خوشی مت دو........ کہیں میں مر نہ جاؤں........ مسرت کی شدت سے کہیں میرے دل کی دھڑکن نہ رک جائے........ مجھے خوشی تھوڑی تھوڑی دو........ عمر کی پیاسی ہوں........ مگر میری تمامتر بے تابی کے باوجود مجھے قطرہ قطرہ پلاؤ........ یہی میرے حق میں بہتر ہے........"

"اس" اس کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی وہ ایک قدم آگے آ گیا اور مخمور لہجے میں بولا........ "مجھے بھی تم صدیوں کی تلاش کے بعد ملی ہو........ نہ جانے کہاں کہاں میری رسائی تھی کیسے کیسے چاند چہرے ستارہ آنکھیں میری رسائی میں تھیں........ میں جس کی زلفوں کے سائے میں پناہ لینا چاہتا لے سکتا تھا جس خوابگاہ میں چاہتا بسیرا کر سکتا تھا۔ مگر نظر کہیں ٹکتی ہی نہیں تھی دل کہیں بہلتا ہی نہیں تھا........ شاید اسی لئے تمہارے سوا کوئی مجھے دیکھ ہی نہیں پایا' کسی اور کے بارے میں یہ تمنا ہی نہیں ہوئی کہ وہ مجھے دیکھے........"

"لیکن تم آجاتے ہو تو میں کسی کام کی نہیں رہتی........" وہ ایک عجیب لذت آمیز سی بے چارگی سے بولی۔ "اب مجھے بیسیوں کام کرنے ہیں........ اور ناشتہ بھی بنانا ہے........ سخت بھوک لگ رہی ہے........ مگر تم آگئے ہو تو شاید کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جب خوشی سے ہاتھ پاؤں بے قابو رہیں گے تو کام کیسے ہو گا؟"

"آہستہ آہستہ تم میری موجودگی کی عادی ہو جاؤ گی........ میں تمہاری زندگی کا حصہ بن

جاؤں گا........" اس نے گویا ساجدہ کو اطمینان دلایا۔

"تم میری زندگی کا حصہ بننے جا رہے ہو اور مجھے ابھی تک تمہارا نام بھی نہیں معلوم........" ساجدہ مسکرائی۔

"میرا نام ایک بہت قدیم زبان میں ہے........ خاصا طویل اور مشکل ہے........ لیکن تم مختصراً" مجھے صرف عکس کہہ سکتی ہو........ میرے نام کا مفہوم بھی کم و بیش یہی ہے........" وہ ایک قدم اور آگے آتے ہوئے بولا۔

"عکس........!" ساجدہ نے خوابناک سے انداز میں زیر لب دہرایا۔ "تم واقعی عکس ہو........ میرے تشنہ تعبیر خوابوں کا........ میری ناکام حسرتوں کا........ میری مدفون آرزوؤں کا۔"

پھر وہ یکدم جیسے کسی تصور سے خوفزدہ ہو کر بولی........ "تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں چلے جاؤ گے؟ میرے ساتھ آج تک یہی ہوتا رہا ہے........ جو بھی چیز مجھے اچھی لگی وہ مجھ سے چھن گئی جو انسان مجھے اچھا لگا وہ مجھ سے بچھڑ گیا........ کہیں تم بھی اس طرح خوشی کے چند لمحے دیکر ہمیشہ کے لئے جدائی کا عذاب تو نہیں دے جاؤ گے؟"

"نہیں........ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا........ اور تمہارا رہوں گا۔" اس کے الفاظ بھی سادہ تھے اور لہجہ بھی........ مگر اس میں پنہاں خلوص نے ساجدہ کی رگ و پے میں ایسی طمانیت کی لہر دوڑا دی جو اس نے زندگی میں پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی........ زندگی میں پہلے کبھی اس سے یہ الفاظ کسی نے کہے بھی نہیں تھے۔

"میں اب ناشتہ بنانے جا رہی ہوں تم ناشتہ کرو گے؟" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"نہیں........ میں مادی چیزیں نہیں کھاتا"........ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"مگر میں تو بھوک سے مری جا رہی ہوں۔" وہ بدستور آنکھیں بند کئے گویا عالم خواب میں کچن کی طرف چل دی۔ دو قدم چل کر اس نے مڑ کر بند آنکھوں سے دیکھا عکس دونوں ہاتھ بغلوں میں دیئے' سر جھکائے اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اس کے انداز پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

کچن میں پہنچ کر اس نے ناشتہ تیار کرنا شروع کیا وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ دفعتہً اس نے ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کی ایک لٹ چھوتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا........ "تمہارے بال کس قدر خوبصورت ہیں........ بلکہ تم سرتاپا خوبصورتی ہو........!"

ساجدہ کے جسم کو برقی جھٹکا سا لگا وہ سمجھ رہی تھی کہ عکس محض نام کا ہی عکس نہیں بلکہ حقیقت میں بھی عکس ہی ہے........ غیر مرئی لہروں کا مجموعہ ہے مگر ایسا نہیں تھا اس کا تو باقاعدہ

ایک وجود تھا۔ محض اس کے ہاتھ کے خفیف لمس نے کتنی سوئی ہوئی قیامتیں جگا دی تھیں۔

ساجدہ نے جھرجھری سی لے کر مڑ کر دیکھا مگر آنکھیں کھلی ہونے کی وجہ سے وہ اسے نظر نہ آیا۔

"مجھے مت چھوؤ.........." وہ لرزتی آواز میں بولی۔ "جاؤ ادھر جا کر کونے میں کھڑے ہو جاؤ.......... ورنہ چیزیں میرے ہاتھوں سے گر جائیں گی.........."

عکس نے گہری سانس لی ساجدہ نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کرتے ہوئے اسے دیکھا وہ گویا بادل نخواستہ پاؤں گھسیٹتا ہوا کونے میں جا کر کھڑا ہوا.......... مگر محبت پاش نظروں سے وہ اسی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

ساجدہ انڈا تل چکی اور سلائس سینک چکی تو عکس ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "مجھے تمہاری جدائی ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں.......... مگر کیا کروں.......... کچھ ضروری کاموں کے سلسلے میں مجھے ادھر ادھر جانا ہوتا ہے.......... اپنی دنیا کے معاملات کو دیکھنا ہوتا ہے.......... اس لئے اب میں چلتا ہوں.........."

"کون سی ہے تمہاری دنیا؟" ساجدہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"وہ اس فضائے بسیط کے بہت بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہے مگر غیر مرئی ہے۔ فی الحال تمہیں نظر نہیں آسکتی.......... ابھی صرف میں ہی تمہیں نظر آسکتا ہوں لیکن ایک نہ ایک دن تم بہرحال اس دنیا کو دیکھ سکو گی۔"

"کب؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"جب تم اپنے اس مادی وجود کو چھوڑ دو گی.......... جسے تمہاری دنیا کی زبان میں عام فہم انداز میں "موت" کہا جاتا ہے.........."

"میں اس کے لئے بھی تیار ہوں.........." وہ بلا تامل بولی.......... "میں مرنے کے لئے تیار ہوں.......... تم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے مار دو اور اپنے ساتھ لے چلو میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں.........."

"ابھی اس کی ضرورت نہیں.........." وہ مسکرایا۔ "میں تو ویسے بھی جب چاہوں تمہاری دنیا میں آسکتا ہوں۔ تم آنکھیں بند کر کے جب بھی چاہو مجھے دیکھ سکتی ہو' محسوس کر سکتی ہو.......... بلکہ محسوس کرنے کے لئے تو تمہارا آنکھیں بند کرنا بھی ضروری نہیں.......... تمہارے لئے جتنا وقت اس دنیا میں لکھ دیا گیا ہے وہ تو تمہیں گزارنا ہی پڑے گا.........."

"مگر میرے لئے ایک ایک لمحہ بھاری ہے میں یہاں بالکل خوش نہیں ہوں۔ مجھے اس زندگی سے قطعاً کوئی محبت نہیں جس میں محرومیوں کے سوا کچھ نہیں۔" وہ سسک اٹھی۔

"اب ایسا نہیں رہے گا.........." عکس وثوق سے بولا.......... "اب زندگی تمہیں سزا

محسوس نہیں ہوگی۔ روز و شب میں یہ بے کیفی نہیں رہے گی اب میں جو آگیا ہوں.........."

"تم کہتے ہو تو اعتبار کر لیتی ہوں۔" وہ جیسے یکدم ہی بہل گئی اور اپنی عمر بھر کی محرومیاں ایک لمحے میں بھول گئی۔ فوراً مسکرانے لگی۔

"دھوپ بہت چڑھ آئی ہے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں اب جاؤں؟" وہ گویا خود بھی جانا نہیں چاہتا تھا مگر کچھ نامعلوم ذمہ داریوں کی وجہ سے مجبور تھا۔

"پھر کب آؤ گے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جب بھی تم صدق دل سے بلاؤ گی.......... اور اکثر تو بلائے بغیر ہی تم مجھے اپنے قریب پایا کرو گی۔" وہ والہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ اس کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ ساجدہ نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ اب اس کی موجودگی کا احساس بھی باقی نہیں تھا۔ وہ واقعی جا چکا تھا۔

ساجدہ ناشتہ اٹھائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ڈائننگ ٹیبل پر آگئی۔ اس کے پورے جسم میں میٹھا میٹھا درد اور سر بھی بھاری ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ آج اپنے آپ کو روز سے زیادہ تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔

ناشتے کے بعد اس نے بڑی خوش دلی سے گھر کے کام کاج نمٹائے۔ اس دوران ایک بار یہ محسوس کر کے وہ خود ہی حیران رہ گئی کہ وہ گنگنا رہی تھی۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس سے پہلے زندگی میں پہلے کبھی تنہائی میں وہ اس طرح گنگنائی ہو۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ آرام کے لئے لیٹ گئی۔ آج وہ گھر اسے قید خانہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ وہاں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ تنہائی اور فرصت کے لمحوں سے پہلی بار وہ لطف اندوز ہو رہی تھی۔ گو کہ لاشعور میں انتظار کی وہ چبھن بھی موجود تھی جو انسان کو بے چین رکھتی ہے۔ مگر انتظار میں بھی ایک لذت تھی' ایک خمار تھا۔

شام کو اٹھ کر اس نے غسل کر کے کامدار سرخ ساڑی باندھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر یوں اہتمام سے سنگھار کرنے لگی جیسے کسی بہت اہم تقریب میں جانا ہو۔ بالوں اور چہرے کی آرائش میں اس نے پورا ایک گھنٹہ صرف کیا۔

ایک عرصے سے اس نے میک اپ کرنا چھوڑ دیا تھا لیکن آج وہ اپنے سنگھار سے مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار میک اپ ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور آئینے میں اس نے سراپا اپنا جائزہ لیا۔

"میں کوئی ایسی گئی گزری تو نہیں ہوں جیسا میں نے اپنے آپ کو سمجھ لیا تھا۔"..........!

وہ گھوم گھوم کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اچھی بھلی خوبصورت عورتوں میں شمار ہو سکتا ہے میرا.......... عکس نے اگر مجھے سراپا حسن کہا تھا تو کچھ ایسا غلط تو نہیں کہا

تھا........ وہ کوئی اس دنیا کا انسان تو نہیں کہ مجھے خوش کرنے کے لئے مبالغے سے کام لے........"

پھر خود ہی شرمیلے سے انداز میں اپنے آپ پر ہنس دی۔ "یہ کوئی اچھی بات تو نہیں کہ میں خود ہی اپنے آپ کو دیکھتی رہوں اور خوش ہوتی رہوں۔ خود ہی اپنے حسن کی تصدیق کرتی رہوں........ خود ہی اپنے آپ کو داد دیتی رہوں........ دیکھنے والی کوئی اور آنکھیں بھی ہونی چاہئیں........ سراہنے والی کوئی اور نظر بھی ہونی چاہئے۔"

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے آنکھیں بند کیں اور عکس کے بارے میں سوچا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی ملکوتی مسکراہٹ تھی۔ کئی لمحے تک وہ نہایت محویت سے' نہایت محبت سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "تمہیں اپنے آپ کو اتنا نہیں سنوارنا چاہئے تھا کہ کسی کو تاب نظارہ نہ رہے۔ تم اس وقت دنیا کی حسین ترین عورت ہو!"

"اوہ........ پلیز عکس! اتنا جھوٹ مت بولو۔" وہ گنگنانے کے سے انداز میں بولی۔

"جھوٹ........؟" وہ سادگی اور حیرت سے بولا۔ اسے گویا اس لفظ پر دکھ پہنچا تھا۔ "مجھے بھلا تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تو پھر شاید وہ بات درست ہی ہے کہ حسن' دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "میں شاید صرف تمہاری نظر میں دنیا کی حسین ترین عورت ہوں........"

"میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے۔" وہ قریب آکر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "تم نے شاید ابھی تک اپنے آپ کو دریافت ہی نہیں کیا........ اور اگر تم صرف میری نظر میں دنیا کی حسین ترین عورت ہو تب بھی کیا بری بات ہے! ہمیں ایک دوسرے کے سوا کسی سے غرض بھی کیا ہے؟"

"ہاں........ یہ تو ہے۔" وہ مطمئن لہجے میں بولی۔

"مگر یہ آج اتنا اہتمام ہے کیوں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا کسی تقریب میں جا رہی ہو اور وہاں تمام مردوں کو اس حسن بلاخیز سے گھائل کر دینے کا ارادہ ہے؟"

"میرے لئے تو تم سے ملاقات ہی سب سے بڑی تقریب ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کے رخسار حیا سے دہک اٹھے۔ دفعتاً اسے جیسے کچھ خیال آیا۔ سر اٹھاتے ہوئے وہ قدرے حیرت سے بولی۔ "تم اتنی اچھی اردو کیسے بول لیتے ہو؟"

"میں تو بہت سی زبانیں بول سکتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہاری جو بھی زبان ہوتی میرا اسی زبان میں تم سے رابطہ ہوتا۔" عکس نے جواب دیا۔ "اور کسی بھی زبان میں تمہیں مجھ

سے یا مجھے تم سے بات کرنے کے لئے ہونٹ ہلانے کی ضرورت نہیں۔"

چند لمحے وہ خاموش ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے۔ ایک دوسرے کی موجودگی کے سحر میں گرفتار........ ایک دوسرے کی محبت سے سرشار!

دفعتاً ساجدہ جھرجھری سی لے کر گویا کسی خواب سے چونکی اور گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔

"اب تم جاؤ........ میرا شوہر آنے والا ہوگا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "اسے کون سا میری موجودگی کا احساس ہوگا۔"

"لیکن میں تو تمہاری موجودگی کے احساس سے نروس رہتی ہوں نا........" وہ بے چارگی سے بولی۔

"تم کہتی ہو تو میں چلا جاتا ہوں۔" وہ یکدم غائب ہونے کے بجائے عام انسانوں کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا دروازے کی طرف چل دیا لیکن ہر قدم پر مڑ مڑ کر ساجدہ کی طرف دیکھتا جا رہا تھا گویا اس کی تصویر آنکھوں میں نقش کر لینا چاہتا ہے........ اور اس کی ہر نظر پر ساجدہ گویا اپنے وجود میں سمٹی جا رہی تھی۔ بالآخر عکس اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ ایک طویل سانس لے کر دھم سے بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔ تکیے کو اس نے اپنے رخسار سے لگا کر زور سے بھینچ لیا اور اندر ہی اندر خاموشی سے ہنسنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کے خدوخال سے جیسے صدیوں کی تھکن اتر رہی تھی۔ برف پوش چوٹیوں پر قرنوں سے جمی ہوئی برف گویا دھیرے دھیرے پگھل رہی تھی۔

شام کو جب رفیق گھر میں داخل ہوا' ساجدہ اسی ہار سنگھار کے ساتھ انتہائی سنجیدگی اور متانت سے دالان میں کرسی پر بیٹھی تھی جیسے وہ اس گھر کی مالکن نہیں بلکہ مہمان ہو۔

رفیق جب دفتر سے آتا تھا تو عام طور پر اتنا تھکا ماندہ اور زندگی سے بیزار نظر آتا تھا کہ کسی چیز کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ مگر اس روز ساجدہ کا اس قدر بنی سنوری ہونا اور اتنے اہتمام سے تیار ہو کر بیٹھی ہونا شاید رفیق کے لئے بھی ایسا "غیر معمولی" واقعہ تھا کہ وہ اس کا نوٹس لئے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ اس کے عین سامنے آن رکا۔ عینک کے شیشوں کے عقب میں اس کی آنکھیں سکڑی ہوئی تھیں۔

وہ کیسی نظر آرہی تھی یا روز کی نسبت کتنی مختلف لگ رہی تھی' اس قسم کا اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ اندر ہی اندر گویا کسی اندیشے سے سہم کر بولا۔ "کیا آج ہمیں کسی تقریب میں جانا ہے؟"

"ہماری قسمت میں تقریبات کہاں؟" وہ جیسے جل کر بولی۔ "کون ہمیں جانتا ہے........ کون ہمیں بلاتا ہے"!

"اوہ......... میں سمجھا........." کھسیانے سے انداز میں ہنس کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ غیر محسوس طور پر اس نے گویا اطمینان کی سانس لی تھی۔

"تقریبات میں جانے میں......... لوگوں کو گھر بلانے میں......... سوشی ایبل بننے میں......... سماجی ربط و ضبط بڑھانے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ ایسی عیاشی ہم بھلا کہاں افورڈ کر سکتے ہیں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

"یہ بات نہیں ہے........." رفیق نے کمزور سے لہجے میں دفاع کیا۔ "آج کل وقت بھی کس کے پاس ہے ان فضولیات کے لئے......... خیر......... اس بحث کو چھوڑو......... یہ بتاؤ کہ جب ہمیں کہیں جانا نہیں ہے تو یہ تیاری' یہ اہتمام' یہ بناؤ سنگھار کس لئے؟"

"تمہارے لئے بہرحال نہیں۔" وہ بے خوفی سے' اور فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ رفیق کی آنکھیں کچھ اور سکڑ گئیں۔ نہایت آہستگی سے وہ اس کے مقابل ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا اترا ہوا سا چہرہ کچھ اور اتر گیا تھا۔

"تو پھر کس کے لئے ہے؟" وہ سرگوشی نما لہجے میں بولا۔

ساجدہ نے بے اختیار ایک مترنم سا قہقہہ لگایا۔ ہنسی گویا اس کے دل کی گہرائیوں سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نیم دائرے میں گھومتے ہوئے اس نے بڑی ادا سے اپنی ساڑی کا پلو ہوا میں لہرایا۔

"جیلس ہو گئے؟" آج اس کے لہجے میں نو عمر لڑکیوں والی شوخی تھی۔ "شکر ہے تم جیلس تو ہوئے......... میں تو سمجھی تھی تم میں جیلس کا مادہ بھی نہیں ہے۔"

رفیق کے چہرے کا تناؤ کم نہ ہوا۔ وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ "مذاق سے قطع نظر......... سچ بتاؤ......... کوئی بات ضرور ہے۔ صبح میں اٹھا تو مجھے لگا جیسے تمہاری طبیعت خراب ہے اور تم اٹھنا نہیں چاہتیں۔ اسی لئے میں نے تمہیں اٹھایا نہیں......... کچھ پوچھا نہیں......... ظاہر ہے تم اتنی دیر تک سوتی رہی تھیں تو اسکول بھی نہیں گئی ہو گی......... لیکن اب میں واپس آیا ہوں تو تم یوں بنی سنوری' ایسی تازہ دم' ایسی خوش خوش بیٹھی ہو......... کوئی بات تو ضرور ہے نا........." اس نے یوں شک زدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا جیسے اسے توقع ہو کہ ادھر ادھر' کرسی کے نیچے' پردے کے پیچھے کوئی چھپا ہوا نظر آجائے گا۔

ساجدہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہی ہو۔ مطمئن لہجے میں بولی۔ "ہاں......... کوئی بات تو ضرور ہے......... اور وہ بات یہ ہے کہ آج میرا بننے سنورنے کو جی چاہ رہا تھا۔ کیا تمہارے خیال میں بیواؤں جیسی زندگی گزارنے والی کسی سہاگن کو سال دو سال میں ایک آدھ مرتبہ بننے سنورنے کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے؟"

رفیق خاموش ہو گیا لیکن ٹٹولنے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مطمئن نہیں تھا۔ شک کا سنپولیا اس کے ذہن میں سرسرانے لگا مگر اس کی نوعیت سمجھنے سے وہ خود بھی قاصر تھا۔ اس کی ذات میں جو کمی تھی اسے اس کا احساس تھا اور وہ ساجدہ سے دبتا بھی تھا مگر اس کا خیال تھا کہ ان حالات میں بھی جو عورتیں بے وفائی کی مرتکب ہوتی ہیں' ان کے چہروں پر بھی ایک احساس جرم پایا جاتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کریں' دھڑلے سے نہیں کرتیں جبکہ ساجدہ کی حرکات و سکنات میں کوئی احساس جرم نہیں جھلکتا تھا۔ وہ مطمئن تھی' بے خوف تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اسے چڑانا چاہتی تھی' غصہ دلانا چاہتی تھی......... مگر وہ بڑے ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔ اس کا اپنا دعویٰ بھی یہی تھا۔ زندگی کے بیشتر معاملات میں اس نے عموماً جوش کے بجائے ہوش سے کام لیا تھا۔ اور وہ اب بھی اپنے آپ کو ایسا ہی ثابت کرنا چاہتا تھا۔

خاموشی سے وہ کپڑے بدلنے چلا گیا......... ساجدہ وہیں صحن میں آرام دہ کرسی پر بیٹھی دھیرے دھیرے پاؤں ہلانے لگی۔ گنگنانے لگی۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سی بے پروائی آگئی تھی۔ وہ جیسے پوری دنیا سے ہی بے پروا ہو گئی تھی۔

رات کو وہ سونے کے لئے لیٹے تو رفیق ایک طویل عرصے میں پہلی بار اپنے آپ کو مضطرب محسوس کر رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ ساجدہ اس کی طرف پیٹھ کئے خاموش اور بے حس و حرکت لیٹی تھی۔ آج الٹا حساب تھا۔ ساجدہ پر غنودگی غلبہ پا رہی تھی اور رفیق جاگ رہا تھا۔

دفعتہً ساجدہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کے خمار کے گلابی ڈورے تھے۔ بے یقینی سے وہ رفیق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میرا بازو تم نے ہلایا تھا؟"

"نہیں تو........." رفیق بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں......... تم بھلا ایسی حرکت کیوں کرنے لگے؟"

ساجدہ کے لہجے میں وہی زہریلا پن جھلک آیا جو کچھ عرصے سے اس کے لہجے کا جزو تھا۔ رفیق اس زہریلے پن' طنز اور استہزاء کو نظرانداز کر دیتا تھا۔

وہ بہت دیر سے جاگ رہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ بیڈ پر ان دونوں میں سے کسی نے خفیف سی بھی حرکت نہیں کی۔

"تمہیں یقین ہے کہ تمہارا بازو ہلایا گیا تھا؟" رفیق نے بے یقینی سے پوچھا۔

"چلو چھوڑو......... تم بس دفع کرو اس بات کو........." وہ جیسے غنودگی کے حصار سے نکل آئی تھی اور اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ اپنا کمبل اور تکیہ اٹھا کر بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ "آج سے میں دوسرے کمرے میں سویا کروں گی۔"

رفیق کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کی گویا سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا کہے۔ ساجدہ واقعی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کمرے میں ایک پرانا سنگل بیڈ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی چادر جھاڑ کر اس پر لیٹ گئی۔

رفیق اس کے پیچھے پیچھے دیکھنے آیا مگر دہلیز پر ہی رکا رہا۔ ساجدہ نے اس کی طرف سے منہ پھیر کر کمبل تان کر سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''واپس جاتے وقت دروازہ بند کر جانا۔''

رفیق چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی۔ پھر اس نے کمرے کی کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ کھڑکیاں مضبوطی سے بند تھیں اور ان میں گرل بھی لگی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کھڑکی کے راستے گلی کی طرف سے کوئی کمرے میں نہیں آسکتا تھا۔ اس کے دل کو اطمینان ہوا۔ وہ ایک کمرے میں سوتے یا علیحدہ کمروں میں' رفیق کے نزدیک اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن اس کے دل میں شک کا جو کانٹا چبھ رہا تھا' اسے اس کی فکر تھی۔ مگر اب یہ چبھن کافی کم ہو گئی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ ساجدہ اسے خواہ مخواہ تھوڑا سا تنگ کر رہی تھی یا پھر اتنے عرصے کی پراسرار سی خاموشی اور حد سے زیادہ صبرو ضبط کے مظاہرے کے بعد اس کے ذہن کا کوئی پرزہ تھوڑا سا کھسک گیا تھا۔ لیکن فی الحال کوئی زیادہ تشویش کی بات نہیں تھی۔ وہ تقریباً" نارمل ہی تھی۔ کسی ماہر نفسیات' کی مدد سے اسے سمجھایا جاتا تو وہ اپنی چھوٹی موٹی الٹی سیدھی حرکتیں چھوڑ سکتی تھی' ابھی تو آغاز ہی تھا۔

لیکن رفیق کے ذہن میں جب ماہر نفسیات کا خیال آیا تھا تو اس نے سچ مچ کسی باقاعدہ ماہر نفسیات کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لمبے چکر میں پڑنے والی بات تھی۔ اسے معلوم تھا کہ پاکستانی معاشرے میں نفسیاتی علاجوں کا رواج کم ہی تھا۔ باقاعدہ نفسیاتی علاج کرنے والے ڈاکٹر بھی بہت کم تھے۔ ان سے صحیح طور پر علاج کرانا بجائے خود ایک مسئلہ تھا۔ اسے خوشی یہ تھی کہ اس کی اپنی رسائی میں ایک ''ماہر نفسیات'' موجود تھا۔

دوسرے روز رفیق دفتر سے واپس آیا تو نہایت دبلا اور سانولا سا ایک ادھیڑ عمر آدمی اس کے ساتھ تھا۔ اس کی ناک پر موٹے موٹے عدسوں کی عینک ٹکی ہوئی تھی اور تیل سے چپڑے ہوئے بال کھوپڑی سے بالکل چپکے ہوئے تھے۔

رفیق کی فرمائش پر ساجدہ ان کے لئے چائے لے کر ڈرائنگ روم میں گئی تو رفیق سامنے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''بیٹھو.......... بیٹھو.......... تم بھی بیٹھو۔'' ساجدہ بیٹھ چکی تو رفیق نووارد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ کریم بخش صاحب ہیں۔ میرے ساتھ دفتر میں ہی کام کرتے ہیں۔ بڑے زبردست ماہر نفسیات ہیں۔''

''اچھا..........! ساجدہ نے معصومیت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کریم بخش کا سرتاپا جائزہ

لیا۔ وہ جلدی سے اپنی قمیض کا میلا کالر اور بیس سال پرانے فیشن کی ٹائی درست کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں کچھ تو ویسے ہی پھٹی پھٹی سی تھیں اور کچھ عینک کے عدسے موٹے ہونے کی وجہ سے زیادہ ہی پھٹی پھٹی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس طرح ساجدہ کا جائزہ لے رہا تھا جیسے وہ کسی اور ہی سیارے کی مخلوق ہو۔

دفعتہً ساجدہ کو جیسے کچھ یاد آیا اور وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''یہ وہی صاحب تو نہیں ہیں جن کے بارے میں آپ بتایا کرتے تھے کہ وہ جس رسالے یا اخبار میں بھی کسی نفسیاتی کتاب وغیرہ کا اشتہار دیکھتے ہیں تو فوراً" منگا لیتے ہیں اور یہ دراصل انہی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر ماہر نفسیات بنے ہیں۔''

رفیق شرمندہ ہونے کے بجائے فخر سے بولا۔ ''ہاں .... ہاں یہ وہی کریم بخش صاحب ہیں۔ بہت مطالعہ ہے ان کا۔ ان کے گھر پر پوری ایک الماری کتابوں سے بھری ہوئی ہے ....''

''پوری ایک الماری'' کے الفاظ اس نے یوں ادا کئے تھے جیسے کتابوں سے لدے ہوئے پورے ایک بحری جہاز کا ذکر کر رہا ہو۔

ساجدہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ گویا اس گفتگو سے اندر ہی اندر بے حد محظوظ ہو رہی تھی وہ براہ راست کریم بخش سے مخاطب ہوئی۔ ''اچھا.......... تو آپ کا خیال ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے .... اور وہ بھی غیر مستند قسم کی کتابیں پڑھ لینے سے انسان ماہر نفسیات بن جاتا ہے؟''

''ظاہر ہے.......... مطالعہ انسان کو بہت کچھ سکھاتا ہے۔'' کریم بخش گھبرائے ہوئے سے انداز میں بولا۔

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ وہ جو کتابیں چھپتی رہتی ہیں ...... مثلاً" گھر بیٹھے ڈاکٹر بنئے اور ہزاروں روپے ماہوار کمایئے' یا کپڑے سینا سیکھیے' یا فریج اور ایئرکنڈیشنر خود مرمت کیجئے وغیرہ وغیرہ تو ان کتابوں کی مدد سے انسان ان علوم پر' ان ہنروں پر حاوی ہو سکتا ہے۔ یہ تو بڑا آسان طریقہ ہے اس طرح تو ہمارے معاشرے میں تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہر آدمی کو ڈاکٹر' درزی' مکینک اور الیکٹریشن وغیرہ ہونا چاہئے۔ لوگ یہ سب کچھ بننے کے لئے برسوں تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں یا ہنر سیکھنے کے لئے برسوں استادوں کے سامنے کیوں جھک مارتے ہیں؟''

''میں .... میں .... میں تو نہیں کہتا کہ کتابیں پڑھنے سے آدمی کسی علم یا ہنر میں ماہر ہو جاتا ہے ....'' کریم بخش ہکلاتے ہوئے بولا۔ ''کسی علم یا ہنر پر حاوی ہونے کے لئے تو اس کا طے شدہ طریق کار ہی اختیار کرنا پڑتا ہے .... لیکن کتابیں بھی بہرحال انسان کو کچھ نہ کچھ تو سکھاتی ہیں۔''

"اس کا مطلب ہے آپ نے صرف کچھ نہ کچھ سیکھ کر مجھ جیسے انسانوں کو تختۂ مشق بنانا شروع کر دیا ہے؟" ساجدہ نے اسے گھورا۔

وہ کچھ اور بوکھلا گیا۔ "نہیں جی.......... میرا مطلب ہے.......... مجھ سے تو رفیق صاحب نے ذکر کیا تھا کہ میری اہلیہ کو کچھ مسئلہ درپیش ہے.......... انہوں نے کچھ تفصیل بھی بتائی تھی.......... میں نے کہا چلو دیکھ لیتے ہیں کیا بات ہے.......... جو کچھ ہم سے ہوسکا کریں گے .... لیکن اگر آپ کو یہ بات بری لگی ہے تو اس موضوع پر بات نہیں کرتے۔"

رفیق نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بولا۔ "ساجدہ! انہیں میں گھر لایا ہوں اور تمہاری بھلائی کے لئے لایا ہوں' دیکھو..........جسمانی تکلیف کا تو انسان کو احساس ہو جاتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری یا نقص کا انسان کو خود اندازہ نہیں ہوتا۔ اس کا تو اندازہ بھی کوئی دوسرا ہی لگا سکتا ہے اور علاج بھی کوئی دوسرا ہی کرسکتا ہے۔"

"جی ہاں.......... بالکل صحیح کہا آپ نے۔" ساجدہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ "ذہنی بیماری یا ذہنی نقص کا انسان کو خود اندازہ نہیں ہوتا۔ اب یہ دیکھ لیجئے آپ کے دوست کریم بخش خود مجھے اچھے بھلے نفسیاتی مریض دکھائی دے رہے ہیں مگر یہ خود کو ماہر نفسیات سمجھ رہے ہیں۔"

رفیق کے چہرے پر خجالت کے آثار نمودار ہوگئے۔ اس نے معذرت خواہانہ سی نظروں سے کریم بخش کی طرف دیکھا لیکن وہ شاید اتنا برا نہیں منا رہا تھا جتنا خوف زدہ ہوچکا تھا۔ اس کے تاثرات کچھ ایسے ہی تھے جیسے وہ اپنی توقع کے خلاف کسی جگہ آن پھنسا ہو۔

پھر رفیق نے ساجدہ سے مخاطب ہوتے وقت قدرے سخت لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ "کریم صاحب ایک تو مشکل وقت میں ہماری مدد کرنے آئے ہیں اوپر سے تم ان کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے ان کی توہین کر رہی ہو۔"

"ان کی توہین.........." ساجدہ' کریم بخش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "ان کی بھلا کیا توہین ہوگئی؟ توہین تو میری ہو رہی ہے جسے ایک اچھی بھلی صحیح الدماغ عورت ہوتے ہوئے بھی نفسیاتی مریض سمجھا جا رہا ہے۔ برا تو مجھے منانا چاہئے اور وہ میں منا رہی ہوں۔"

کریم بخش اب کچھ سنبھل چکا تھا وہ معنی خیز انداز میں رفیق کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "مطمئن رہو رفیق! میں نے تمہاری بیگم کی باتوں کا ہرگز برا نہیں منایا۔ ایک ماہر نفسیات کو اس سے بھی زیادہ پریشان کن صورت حال سے واسطہ پڑسکتا ہے۔ لوگوں کا نفسیاتی علاج کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"تو گویا آپ خود کو ماہر نفسیات ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟" ساجدہ کے لہجے میں کچھ نرمی آگئی۔

کریم بخش اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "رفیق نے مجھے آپ کے مسئلے کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے.......... لیکن میں آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔ آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں؟"

"جی ہاں.......... میں ایک بہت ضروری بات کہنا چاہتی ہوں۔" ساجدہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"جی.......... جی.......... فرمایئے۔" کریم بخش پر اشتیاق انداز میں آگے جھک آیا۔

"آپ اپنے گھر کیوں نہیں چلے جاتے؟ کیوں اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں؟" وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔

کریم بخش کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے مایوسی کی لہر آئی لیکن شاید آج وہ کتابوں سے سیکھے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کا تہیہ کرکے آیا تھا۔ سنبھل کر بولا "رفیق نے بتایا ہے آپ کو وہم ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو دیکھتا ہے.......... آپ کے قریب موجود ہے.......... بلکہ آپ کو .... چھوتا بھی ہے.........."

پھر اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور حتی الامکان مدبرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ سب کچھ خواب کی سی کیفیات محسوس کرتی ہیں یا اس وقت مکمل طور پر ہوش و حواس میں ہوتی ہیں.......... میرا مطلب ہے اس وقت آپ کے حواس پوری طرح بیدار ہوتے ہیں؟"

"اس وقت کے بارے میں تو میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ لیکن اس وقت میں بہ قائمی ہوش و حواس آپ سے کہہ رہی ہوں کہ خدا کے لئے میرا دماغ مت چاٹئے اور اپنا علم نفسیات کا خزانہ کسی اور پر جا کر لٹایئے۔" ساجدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ رفیق اور کریم بخش خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ساجدہ بولی۔ "اگر وہ میرا خواب ہے تو کاش میں معاشرے کی تمام محروم' مجبور اور تشنہ عورتوں کو یہ خواب دیکھنے کا طریقہ بتا سکتی اور اگر وہ حقیقت ہے تو میں کہتی ہوں کاش ان تمام عورتوں کو بھی ایسی ہی کسی حقیقت سے واسطہ پڑ جائے۔"

رفیق نے گویا ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ساجدہ؟ دیکھو.......... کریم بخش صاحب میری ہمدردی میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں معلوم نہیں یہ کون سے ضروری کام چھوڑ کر میرے ساتھ آئے ہیں۔ یہ ہمارے ہمدرد ہیں۔ میری اور تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں .... اور یہ مت سمجھو کہ انہوں نے صرف کتابیں پڑھی ہوئی ہیں انہوں نے کئی ذہنی مریضوں کا بھی علاج کیا ہے۔ ایک صاحب تو ہمارے دفتر میں ہی تھے۔ انہیں وہم ہوگیا تھا کہ وہ کسی ملک کے گمشدہ بادشاہ ہیں۔ ہر وقت بیٹھے احکامات جاری کرتے رہتے تھے۔ ایک روز تو باس کو بھی ڈانٹ پلانے لگے۔"

"تو پھر ان کا علاج کریم بخش صاحب نہیں' باس نے ہی کیا ہوگا اور کریڈٹ کریم بخش صاحب کو دے دیا ہوگا۔" ساجدہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "پہلے آپ لوگوں نے مجھے نفسیاتی مریض قرار دیا اب ذہنی مریض قرار دے رہے ہیں۔ اب میں اپنی مزید بے عزتی برداشت نہیں کرسکتی۔ میرا خیال ہے میں دو چار دن پہلے تک ذہنی مریض تھی اور میرا ذہنی مرض آپ تھے۔ اب مجھے اس کا علاج مل گیا ہے اگر آپ لوگ مجھے خوش و خرم اور صحیح الدماغ دیکھنا چاہتے ہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

رفیق کے زرد اور بیمار سے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی سرخی کی جھلک نظر آئی۔ شاید اس نے ایک تیسرے فرد کی موجودگی کے باعث اس قسم کے الفاظ پر توہین محسوس کی تھی ورنہ تو وہ ساجدہ کے خاصے سخت الفاظ اور سخت رویہ بھی برداشت کر جاتا تھا۔

مگر وہ تیسرا آدمی یعنی کریم بخش ہی رفیق کو سمجھانے والے انداز میں دھیمے سے لہجے میں بولا۔ "یار! تم اپنی بیگم کی باتوں کا برا مت مناؤ۔ انہیں تو صحیح طور پر معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ تمہیں دراصل اندازہ نہیں کہ اس قسم کے کیسوں میں ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہے۔"

ساجدہ' رفیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ سے لہجے میں بولی۔ "مجھے بہت پہلے اس شخص کی زندگی سے نکل جانا چاہئے تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ مجھے اس شخص کو اپنی زندگی سے نکال دینا چاہئے تھا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیوں شادی کا الزام سر لئے اس شخص کے ساتھ زندگی کے صحرا میں آبلہ پا گھسٹ رہی ہوں۔ اب اگر مجھے کوئی جھوٹی یا سچی خوشی میسر آنے لگی ہے تو نہ جانے کیوں اسے بے چینی لگ گئی۔ اتنے عرصے سے میں اپنے خوابوں کی بربادی کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ مگر میں نے اس سے ایک لفظ نہیں کہا۔ اب دو دن سے کوئی واہمہ یا عجوبہ میرے لئے خوشی بن کر آیا ہے تو یہ فوراً مجھے ذہنی مریض اور نہ جانے کیا کچھ سمجھ کر میرا علاج کرانے پر .... بلکہ مجھے ذلیل کرانے پر تل گیا ہے.........."

رفیق نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن کریم بخش نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور دبے دبے لہجے میں گویا کسی ناسمجھ بچے کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔ "تم خاموش رہو۔ اپنی بیگم کو دل کا غبار نکالنے دو۔ اس طرح ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور علاج میں مدد ملتی ہے۔"

رفیق نے زبان بند تو کرلی لیکن اس میں یقیناً" اسے بے حد دقت پیش آ رہی تھی ساجدہ غصیلے لہجے میں بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس نے مجھ سے شادی صرف اس لئے کی ہے کہ اسے گھر چلانے کے لئے ایک خادمہ کی ضرورت تھی لیکن اگر یہ خادمہ رکھتا تو وہ اسے میرے مقابلے میں کہیں مہنگی پڑتی۔ میں اب بھی اپنے جھوٹے سچے سہارے کے ساتھ ایک کونے میں پڑی رہ کر زندگی گزار سکتی ہوں۔ لیکن اگر اس نے اس طرح مجھے تنگ کرنا اور میرے خوابوں یا

حقیقتوں میں دخل دینا جاری رکھا تو میرا اس کے ساتھ گزارہ مشکل ہو جائے گا۔"

وہ ان دونوں کو دم بخود چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ باہر رفیق چند لمحے ندامت میں خاموش بیٹھا رہا پھر بے چارگی سے کریم بخش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے ساجدہ کی باتوں کا برا تو نہیں منایا؟"

"اگر ہم مریضوں کی باتوں کا برا منانے لگیں تو پھر بن چکے ماہر نفسیات۔" کریم بخش خوش دلی سے بولا۔ ساجدہ کے اٹھ کر چلے جانے سے وہ بے حد مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ جیسے ذہن سے کوئی بوجھ ہٹ گیا ہو۔ "تمہاری بیوی کی ذہنی حالت تو بہت صحیح ہے۔ مجھے تو ایسے ایسے کیس دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہے جنہوں نے مجھے گالیاں دیں' بال نوچنے کی کوشش کی یا گریبان پھاڑ دیا۔ میں نے ایسے موقعوں پر بھی کبھی ہمت نہیں ہاری۔ بھئی جب انسان نفسیات کے میدان میں اترتا ہے تو اسے ایسی باتوں کے لئے تو تیار رہنا ہی پڑتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" رفیق نے تائید میں سرہلایا۔ وہ اب کریم بخش کے تجربے اور قابلیت سے زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا۔

"بہرحال یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے میرے لئے اتنی زحمت کی۔"

"ارے میاں! دنیا کے کام اسی طرح چلتے ہیں۔ کبھی تم میرے کام آئے۔ کبھی میں تمہارے کام آیا۔" کریم بخش نے فراخدلانہ اور مربیانہ لہجے میں کہا۔ "فی الحال یوں سمجھوں کہ تمہاری بیوی کا آدھا علاج تو ہوگیا ہے۔ اسے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا ہے۔ یہ اس کا آدھا علاج تھا۔"

باقی آدھا علاج آپ کب کریں گے؟" رفیق نے سادگی سے پوچھا۔

"تم جب بھی ضرورت محسوس کرو مجھے بلا لینا میں جو بھی کرسکا ضرور کروں گا۔" کریم بخش نے خلوص سے کہا اور رخصت ہوگیا۔

رفیق بظاہر کچھ مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کی بے چینی اور پریشانی بڑھ گئی تھی۔ اس کی گھریلوں زندگی اب تک کم از کم اس کے اپنے خیال میں بہت پرسکون گزر رہی تھی۔ اس میں یکدم ہی ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی ساجدہ جتنے پرسکون اور سعادت مندانہ انداز میں اب تک روز و شب گزارتی آئی تھی' یکدم اتنی ہی بپھر سی گئی تھی۔ اس کے اندر یکدم ہی جیسے کوئی مضبوط بند ٹوٹ گیا تھا اور سرکشی و بغاوت کا ایسا ریلا آیا تھا کہ رفیق کو سنبھلنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ کریم بخش کو رخصت کرنے کے بعد دیر تک وہ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا رہا پھر دبے قدموں اس کمرے کے دروازے تک پہنچا جس میں آج کل ساجدہ پناہ گزیں تھی۔

تلاش کرنے پر بالآخر اسے دروازے میں ایک اسے معمولی سی درز نظر آگئی جس میں

آنکھ لگا کر وہ اندر جھانک سکتا تھا۔ اس نے چوروں کی طرح درز سے آنکھ لگا کر اپنی بیوی کی حرکات و سکنات دیکھنے کی کوشش کی۔

ساجدہ بیڈ پر چت لیٹی ہوئی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جو رفیق نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ بلکہ رفیق کو تو یاد ہی نہیں تھا کہ اس نے کبھی کسی بھی قسم کی مسکراہٹ ساجدہ کے ہونٹوں پر دیکھی تھی۔

وہ ایک عجیب مدہوش و مخمور مسکراہٹ تھی کبھی مسکراہٹ غائب ہو جاتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ انہماک سے کسی کی بات سننے لگی ہے اور کبھی ایسا لگتا تھا کہ وہ شاید خود کوئی بات کر رہی ہے۔ پراشتیاق انداز میں کسی کو کچھ بتا رہی ہے۔ لیکن ہونٹ اس کے تب بھی نہیں ہلتے تھے۔ ایک بار تو رفیق نے اسے شرمیلے سے انداز میں ہنستے بھی دیکھا۔ اس کے پورے جسم میں گویا گدگدی سی ہو رہی تھی اور کمرے میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

بالآخر رفیق دروازے سے ہٹ آیا۔ اس کی پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ نمودار ہو چکا تھا اور اس کا دل جیسے سینے میں بیٹھ سا گیا تھا۔ مگر وہ اب بھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ساجدہ کو کوئی نفسیاتی عارضہ لاحق ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی فتور آگیا تھا یا پھر وہ محض اسے زچ کرنے کے لئے ناٹک رچا رہی تھی۔

شام ڈھلے تک وہ اسی ادھیڑبن میں رہا تاہم اسے یہی غنیمت محسوس ہوا کہ ساجدہ نے بالآخر کمرے سے باہر آکر رات کے کھانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور وہ اب بے حد پرسکون نظر آ رہی تھی۔ رفیق کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھی۔

کھانے کی میز پر ایک بار پھر رفیق نے دیکھا کہ ساجدہ نے کھانا کھاتے چند لمحے کے لئے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کا رُخ کمرے کے ایک کونے کی طرف ہو گیا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس کونے میں کوئی کھڑا ہو۔ پھر وہ مسکرائی اور دوبارہ سر جھکا کر یوں کھانے میں مصروف ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

دوسرے روز دفتر میں کھانے کے وقفے کے دوران رفیق نے یہ ساری باتیں کریم بخش کو سنائیں۔ کریم بخش نے بغور ان کیفیات کے بارے میں کچھ سنا اور مدبرانہ انداز میں سر ہلاتا رہا رفیق کے خاموش ہونے کے بعد وہ کافی دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔

بالآخر اس نے سر اٹھایا اور کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو رفیق میاں! بات ذرا تلخ سی ہے لیکن تمہاری بہتری کی خاطر کرنا پڑے گی۔ اب تم نے ماہر نفسیات کو بیچ میں ڈال ہی لیا ہے تو ہر طرح کی بات ماہر نفسیات کی بھی سننا پڑے گی اور تمہیں بھی تبھی مسئلہ صحیح طور پر سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کا کوئی حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"میں ہر بات سننے کے لئے تیار ہوں .... میں اس مسئلے کو سمجھنا چاہتا ہوں اور اس کا

حل تلاش کرنا چاہتا ہوں کریم بخش!" رفیق امید بھرے انداز میں اس کی طرف کھسکتے ہوئے بولا۔

کریم بخش انتہائی مدبرانہ انداز میں بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری بیوی حقیقتاً کسی میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس کا کسی سے افیئر چل رہا ہے .... لیکن چونکہ بنیادی طور پر وہ ایک شریف عورت ہے اس لئے اس سلسلے میں اس کا ضمیر چبھن محسوس کرتا ہوگا۔ اس کے علاوہ تمہاری طرف سے خوف بھی رہتا ہوگا۔ اس چبھن کو کم کرنے کے لئے اور تمہارے خوف سے کسی حد تک نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک فرضی محبوب تخلیق کر لیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اور تمہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہے کہ سارا سلسلہ فرضی ہے۔ حقیقت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ تاکہ رفتہ رفتہ تم بھی اسے ایک بے ضرر سا معاملہ سمجھ کر اس طرف توجہ دینی چھوڑ دو اور شاید اپنے آپ پر بھی اس کا خود فریبی کا یہ حربہ کارگر رہے۔ یوں ذہن پر بوجھ کم رہے۔"

رفیق کی سمجھ میں بات ذرا دیر سے آئی .... لیکن بہرحال آگئی۔ وہ جذباتی آدمی نہیں تھا۔ اس کے اپنے خیال میں وہ جذبات کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے زندگی میں کبھی اگر اپنے اندر جذباتیت کی کوئی کمزور سی لہر محسوس بھی ہوئی تھی تو اس نے اسے دبانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اب اس کے وجود میں دل اور دماغ محض دو پرزے تھے جو جسم کا نظام چلا رہے تھے ان کی کوئی جذباتی حیثیت نہیں تھی۔

مگر کریم بخش کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ وہ زندگی میں اکثر و بیشتر ہی بیمار رہا تھا مگر اس نے کبھی اس طرح اپنے آپ کو بیمار محسوس نہیں کیا تھا جس طرح اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں سے گویا جان نکل گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا کہ منہ چھپا کر کہیں لیٹ جائے اور پھر کبھی نہ اٹھے۔

کریم بخش نے گویا اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اسے کمزور سا لفظی یا اخلاقی سہارا پیش کرنے کی کوشش کی۔ "دیکھو بھئی رفیق! یہ بات میں علم نفسیات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ میرا نظریہ سو فیصد درست ہو۔ نفسیات تو علم ہی ایسا ہے کہ اس میں بڑے بڑے ماہرین کے اندازے غلط ہو سکتے ہیں اور اگر بالفرض میرا نظریہ درست بھی ہو تب بھی تمہیں اس کو زندگی کا روگ نہیں بنانا چاہئے۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔"

"ہاں .... زندگی اسی کا نام ہے!" رفیق نے تلخی سے سوچا........... "لیکن جب ہم ایسے قصے سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کچھ اور بات ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے قصے ہوتے ہیں لیکن ایسا ہی کوئی قصہ جب اپنی زندگی میں در آتا ہے تو بات کچھ اور ہو جاتی ہے .... کچھ دیر کے لئے تو

یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔"

پھر رفیق کے سینے میں مایوسی اور اضمحلال کی تہ سے غصے اور حسد کی تپش ابھری۔ اس تپش کو محسوس کر کے وہ خود بھی حیران رہ گیا اس کا خیال تھا کہ اس کے سینے میں ایک برف زار پھیلا ہوا ہے جس میں کبھی کسی چنگاری، کسی شعلے کی تپش نہیں پھیل سکتی .... مگر آج تو اس کا اندازہ غلط ہو گیا تھا۔ اس کی رگ و پے میں آگ پھیل رہی تھی۔ اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے وجود میں کہیں نہ کہیں زندہ ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح .... عام لوگوں کی طرح .... جو حسد بھی محسوس کرتے تھے اور رقابت بھی۔ جنہیں بیوی کی بے وفائی پر اشتعال بھی آ سکتا تھا اور اس اشتعال میں وہ کوئی غیر متوقع قدم بھی اٹھا سکتے تھے۔

اس روز وہ گھر پہنچا تو اس کے تیور کچھ بدلے بدلے سے تھے ساجدہ غسل کے بعد صحن میں بیٹھی بال سکھا رہی تھی اور دھیرے دھیرے ان میں برش بھی کئے جا رہی تھی۔ بھیگے ہوئے بالوں کے حلقے میں اس کے چہرے پر بلا کی تازگی اور صباحت تھی۔ رفیق نے اس کے چہرے پر ایسی تازگی و شگفتگی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"بہت خوش نظر آ رہی ہو!" رفیق کے لہجے میں اچھی خاصی کاٹ تھی۔

"ہاں......... اس میں تو کوئی شک نہیں۔" اس نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ "اس گھر میں آنے کے اتنے عرصے بعد مجھے پتا چلا ہے کہ خوشی کیا ہوتی ہے۔"

"ہاں......... اس گھر میں آنے سے پہلے تو تم خوشیوں کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھیں۔ اتنی خوشیاں تھیں تمہارے گھر میں، کہ سنبھالے نہیں سنبھلتی تھیں۔ اسی لئے تو تمہاری ماں جلد از جلد تمہارا بوجھ سر سے اتار پھینکنے کے لئے بے تاب تھی۔" رفیق جلے کٹے لہجے میں بولا۔

ساجدہ ایک لمحے کے لئے تو ہکا بکا اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی رفیق کو اس لہجے میں بات کرتے نہیں سنا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر سرخی آئی چند لمحے میں اس کا چہرہ شعلہ جوالا نظر آنے لگا۔ وہ برش پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے گھٹے گھٹے سے لہجے میں بولی۔ "میں یہ انداز گفتگو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"تو مت کرو برداشت .... کون کہہ رہا ہے تم سے برداشت کرنے کو؟" رفیق کے لہجے میں بدستور زہر بھرا ہوا تھا۔ "تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں کیا کچھ برداشت کر رہا ہوں؟" تمہارے لچھن برداشت کر رہا ہوں......... یہ کیا کم ہے؟"

"کیا ہیں میرے لچھن؟" ساجدہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پھنکاری، شادی کے بعد رفیق نے بھی کبھی اس کا یہ انداز نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ایک شکست خوردہ، دل گرفتہ عورت نظر آئی تھی جس نے حالات کی ہر ناہمواری کو تقدیر کی ہر ناسازگاری کو خاموشی سے قبول

کر لیا تھا مگر اب اس کی آنکھوں میں جارحیت تھی، اس کے لہجے میں بغاوت تھی۔

رفیق کے خیال میں اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اسے اب کسی کا سہارا میسر تھا کسی کی طرف سے تھپکی مل رہی تھی، کوئی اسے شہ دے رہا تھا۔

"تمہارے لچھن بھی تمہیں اب میں ہی بتاؤں؟" رفیق غرایا۔ "تم چاہتی ہو کہ ذلت کی کالک میں خود اپنے ہی ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے چہرے پر ملوں؟ تم جیسی بیوی کے کرتوت اپنے منہ سے بتاتا ہوا شوہر اچھا لگے گا؟"

ساجدہ کی آنکھوں میں قہر و غضب کی پرچھائیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ مرتعش لہجے میں بولی۔ "پھر بھی .... کچھ بتاؤ تو سہی نا......... کیا ہیں میرے کرتوت؟"

"بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" رفیق اس کے سراپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس بے حیا چہرے، اس بے وفا سراپا پر ساری داستان لکھی ہوئی ہے۔ کوئی اندھا بھی پڑھ سکتا ہے۔ سوکھے پھول جب خوشبو دینے لگیں تو سمجھ لینا چاہئے ان پر اوس پڑی ہے۔"

ساجدہ کا قہر و غضب گویا حیرت میں بدل گیا۔ ایک لمحے تو وہ خاموشی سے رفیق کی طرف دیکھتی رہی پھر سرسراتی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تم اتنی گہری بات کرنے کے بھی اہل ہو سکتے ہو۔ میرا خیال تھا تم ان باتوں کو شاید سمجھتے ہی نہیں .... زندگی کے ان پہلوؤں پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں .... آج یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ الزام ہی سہی .... لیکن تمہاری زبان پر ایسی کوئی بات آئی تو سہی ...."

ایک لمحہ پہلے وہ شعلہ جوالا تھی لیکن اب اس کے ہونٹوں پر دھیرے دھیرے مسکراہٹ طلوع ہو رہی تھی۔ مگر یہ مسکراہٹ خوشدلی کی نہیں تھی وہ جیسے رفیق کو دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے گویا انسان نہیں، کوئی روبوٹ کھڑا تھا جو اچانک ہی انسانی زبان بولنے لگا تھا۔

رفیق کے بیمار چہرے پر پہلی بار سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گویا حلق میں پھنسا ہوا کوئی گولا سا نگلتے ہوئے بولا۔ "میں جتنا بے خبر نظر آتا ہوں اتنا بے خبر ہوں نہیں .... نہ اپنے بارے میں اور نہ ہی دنیا کے بارے میں .... مجھے اپنی خوبیوں خامیوں کا پتا ہے .... اپنی کمزوریوں سے آگاہ ہوں۔ میں نے کبھی بھی توقع نہیں کی تھی کہ مجھے تم جیسی بیوی مل جائے گی اور وہ مجھ سے وفا کے معاملے میں اتنی ثابت قدم ثابت ہو گی۔ لیکن اب جب میں اس وفا کا عادی ہو گیا ہوں تو بے وفائی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تمہارا خیال ہے میں تم سے بے وفائی کر رہی ہوں؟" ساجدہ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ...." رفیق نے بلا تامل جواب دیا۔ "اور کوئی بھی مرد اس طرف سے آنکھیں

بند کر کے زندگی نہیں گزار سکتا۔"
پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا "تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ کسی سے تمہاری آشنائی چل رہی ہے۔ میری غیر موجودگی میں تم اس سے ملتی ہو۔"
"اس طرح براہ راست تم نے کبھی مجھ سے پوچھا ہی نہیں۔ ورنہ میں ضرور بتا دیتی کہ میں تمہاری غیر موجودگی میں ہی نہیں۔ تمہاری موجودگی میں بھی اس سے ملتی رہی ہوں۔" ساجدہ سادگی سے بولی۔ "مگر تم اسے نہیں دیکھ سکے اور نہ ہی شاید کبھی دیکھ سکو۔"
"اپنی بے حیائی کو پراسراریت کا رنگ دینے کی کوشش مت کرو۔ رفیق کے لہجے میں آج شعلے لپک رہے تھے۔ "سیدھی طرح بتا دو اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟"
"کیا قتل کر دو گے اسے؟" ساجدہ گویا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولی۔
"نہیں .... میں احمق نہیں ہوں۔ میں اپنی مزید رسوائی کا سامان نہیں کر سکتا۔ میرے دل کو جتنی ٹھیس لگ چکی ہے وہی کافی ہے۔ میرے سامنے جب اس اذیت سے نجات کے دوسرے راستے موجود ہیں تو میں قتل وغیرہ جیسے چکروں میں پڑ کر اپنی زندگی مزید برباد کیوں کروں۔ میں تو اپنے تجسس کی تسکین کے لئے پوچھ رہا ہوں۔"
"رفیق! تم واقعی بہت عجیب آدمی ہو!" ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔ "ایک لمحے میں تم احمق لگتے ہو تو دوسرے لمحے میں چالاک و شاطر۔ ایک لمحے میں جذباتی لگتے ہو تو دوسرے لمحے میں برف پوش چٹانوں کی طرح سرد اور جذبات سے عاری۔ میں واقعی تمہیں کبھی سمجھ نہیں سکی۔"
"میں تو خود بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکا۔" رفیق تیزی سے بولا۔ "لیکن اس وقت میں اپنی ذات پر تبصرے سننا نہیں چاہتا .... میں تو ان ہیرو صاحب کا نام جاننا چاہتا ہوں جنہوں نے تم جیسی میچور لڑکی کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔"
"اس کا نام عکس ہے۔" ساجدہ کا لہجہ یکدم خوابناک ہو گیا۔
"تخلص ہو گا یہ .... شاعر ہوں گے موصوف۔" رفیق زہریلے لہجے میں بولا۔
"یہ تو مجھے نہیں معلوم .... ابھی تک تو اس نے مجھے کوئی شعر نہیں سنایا۔"
"بہت خوبصورت ہے کیا؟" رفیق کا لہجہ نہ جانے کیوں جھیل کی طرح پرسکون ہو گیا تھا۔
"بہت۔" ساجدہ اس ایک لفظ پر زمانے بھر کا زور دیتے ہوئے بولی۔ "میں نے اپنی زندگی میں اس جیسا ہینڈسم آدمی نہیں دیکھا۔"
"ظاہر ہے .... ظاہر ہے .... ساجدہ بیگم کسی معمولی آدمی سے تو متاثر نہیں ہو سکتی تھیں۔" رفیق کے پرسکون لہجے کی تہ میں زہر بدستور موجود تھا۔ "اس محلے میں تو ایسا کوئی غیر

معمولی ہینڈسم آدمی مجھے نظر نہیں آتا کہیں اور کا ہو گا؟"
"اس محلے .... اس شہر .... بلکہ شاید اس دنیا سے ہی اس کا کوئی تعلق نہیں .... وہ تو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہے۔" ساجدہ نہایت سنجیدگی سے اس کے ہر سوال کا جواب دے رہی تھی۔
"ہاں .... عشق میں شروع شروع میں ایسا ہی لگتا ہے ایک دوسرے کی باتیں افلاطونی لگتی ہیں .... شخصیت پرستان سے اتری ہوتی نظر آتی ہے منہ سے پھول جھڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس بکواس کو چھوڑو اور مجھے ٹھیک سے بتاؤ وہ کہاں رہتا ہے؟ تمہیں کہاں ملا تھا؟"
"تم میری بات کا اعتبار نہیں کر رہے ہو .... یا پھر میری بات سمجھ نہیں رہے ہو۔" ساجدہ رسان سے بولی۔ "میں نے کہا نا کہ وہ اس دنیا کی مخلوق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ خود ہی میرے پاس آیا تھا اور پہلی بار چند روز پہلے مجھے اسی گھر میں نظر آیا تھا .... وہ صرف مجھے نظر آ سکتا ہے کسی اور کو نہیں۔ مجھے بھی صرف اس وقت نظر آتا ہے جب میں آنکھیں بند کرتی ہوں اور اسے یاد کرتی ہوں ...."
"میں کہتا ہوں بند کرو یہ بکواس۔" رفیق یکدم جیسے پھٹ پڑا۔ "میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ مجھے ان احمقانہ باتوں سے بہلانے یا چکر دینے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے تمہارا کسی سے افیئر چل رہا ہے اور تم مجھے یا پھر شاید اپنے ضمیر کو دھوکا دینے کے لئے کوئی طلسمی قسم کی کہانی گھڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مگر اس کی ضرورت نہیں ہے .... تم نہیں بتانا چاہتیں تو مت بتاؤ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے جو فیصلہ کرنا تھا وہ میں کر چکا ہوں۔"
"کیسا فیصلہ؟"
"یہی کہ میں تم جیسی بے حیا عورت کو گھر میں نہیں رکھ سکتا ...."
"رفیق ....!" ساجدہ یکدم چیخی۔ اس کی آواز زخمی شیرنی کی دہاڑ سے مشابہ تھی۔
"تم بار بار مجھے بے حیا عورت کہے جا رہے ہو۔ میں کم از کم تمہارے منہ سے یہ الفاظ برداشت نہیں کر سکتی اگر تم نے اب یہ لفظ منہ سے نکالا تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"
"مجھے دھمکی دیتی ہے؟ عورت ہو کر مجھے دھمکی دیتی ہے؟" رفیق کی میلی میلی آنکھوں میں پہلی بار خون اتر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ساجدہ کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔
ساجدہ بھی یکدم جیسے بپھری ہوئی شیرنی بن گئی۔ اس نے اچھل کر رفیق کی گردن دبوچ لی اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔ "تمہاری یہ جرأت ....؟ تم نے مجھے تھپڑ مارا؟ یہ صلہ دیا تم نے میرے صبر اور قربانیوں کا؟" وہ گھٹی گھٹی آواز میں غرائے جا رہی تھی اور رفیق کو نیچے گرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے جسم میں نجانے کہاں سے اتنی قوت آ گئی تھی۔ رفیق واقعی خوفزدہ ہو گیا تھا اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ساجدہ نے بالآخر

اسے نیچے گرالیا اور اس کا گلا دبانے لگی۔

رفیق کی آنکھیں باہر آنے لگیں۔ جان کے خوف نے اس کی طاقت کچھ بڑھائی اور وہ کسی طرح ساجدہ کو سینے سے دھکیل کر اٹھنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر چکرانے لگا کہ اٹھا کر ساجدہ کو مارے مگر صحن میں اسے کوئی چیز نہ ملی۔

ساجدہ زخمی شیرنی کی طرح اس کے تعاقب میں تھی۔ شور اور اٹھا پٹخ کی آوازیں سن کر ان کے پڑوس سے ایک میاں بیوی' انصاری صاحب اور ان کی بیگم دوڑی دوڑی آئیں۔ انصاری صاحب رفیق کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے اور بیگم انصاری' ساجدہ کو روکنے کے جتن کرنے لگیں۔

"ارے .... ارے.......... یہ اچانک تم دونوں کو کیا ہوگیا ہے.........." انصاری صاحب گھبرائے ہوئے انداز میں بار بار کہہ رہے تھے۔ "آج تک تو تم دونوں کی ہم نے آواز تک نہیں سنی تھی.......... تم دونوں پر کہیں پاگل پن کا دورہ تو نہیں پڑا؟"

پڑوس سے دو ایک مرد اور عورتیں مزید آگئیں۔ سب نے مل کر بمشکل ان میاں بیوی کو قابو میں کیا۔ رفیق غصے اور ہیجان سے تھرتھر کانپ رہا تھا۔ ساجدہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اس پر بدستور وحشت سوار تھی۔ رفیق ہانپتے ہوئے بولا۔ "انصاری صاحب! آپ نے ٹھیک کہا کہ آج تک کسی نے ہم میاں بیوی کی آواز تک نہیں سنی تھی .... لیکن آج خوب ہماری ذلت کا تماشا دیکھ لیا ہے.......... ہمارا یہ پہلا اور آخری جھگڑا تھا.......... آج کے بعد آپ کبھی اس گھر میں ایسا ذلت بھرا ہنگامہ برپا ہوتے نہیں دیکھیں گے.......... کیونکہ میں اس بدبخت عورت کو طلاق دے رہا ہوں .... ابھی اور اسی وقت طلاق .... طلاق .... طلاق.........."

انصاری صاحب رفیق کو خاموش کرانے کے لئے چلائے اور انہوں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش بھی کی لیکن رفیق بہرحال وہ تین الفاظ ادا کرچکا تھا جو زندگی بھر کے لئے باندھے گئے بندھن کو پل بھر میں توڑنے کے لئے کافی تھے۔

انصاری صاحب نے مڑ کر مجرمانہ سے انداز میں ساجدہ کی طرف دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ صدمے سے چکرا کر گر پڑے گی۔ یا کم از کم روئے گی' چلائے گی۔ مگر ان کا اندازہ غلط نکلا۔

ساجدہ پر جو وحشت سوار تھی وہ گویا یکدم ہی رخصت ہو گئی اس کے چہرے پر بلا کی ملائمت اور بشاشت آگئی۔ بلکہ وہ مسکرا بھی رہی تھی انصاری صاحب دل ہی دل میں لاحول پڑھے بغیر نہیں رہ سکے۔ کیا زمانہ آگیا تھا! عورت طلاق ملنے پر خوش ہو رہی تھی۔

ساجدہ نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا نہیں کیا وہ ایک طویل اور آسودہ سی سانس لے کر بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس قید بامشقت سے تو نجات ملی۔"

پھر اس نے نہایت نفاست سے اپنے بال اور کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور اپنے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔ "میں اپنا سامان پیک کرلوں۔ میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔ تم جلد از جلد قانونی کارروائی مکمل کر کے کاغذات میرے گھر بھجوا دینا۔"

رفیق نے انصاری صاحب کی طرف مڑتے ہوئے تیز و تند لہجے میں کہا۔ "دیکھا آپ نے انصاری صاحب! یہ حرافہ اصل میں یہی چاہتی تھی۔"

ساجدہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے یک لخت رک گئی اور شعلہ بار نظروں سے رفیق کی طرف دیکھتے ہوئے خونخوار لہجے میں بولی۔ "اگر اب تم نے میرے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تو زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔ تمہارا میرا اب کوئی ناتا نہیں رہا۔ میں اب تمہاری زبان سے کوئی اچھا یا برا لفظ سننا نہیں چاہتی۔"

اس کے لہجے یا آنکھوں میں کوئی بات تھی جس نے رفیق کو یکدم خاموش کر دیا بلکہ ایک رفیق ہی کیا سبھی خاموش اور دم بخود کھڑے تھے۔ ساجدہ اپنے کمرے میں جا کر تیزی سے اپنے کپڑے اور دوسرا سامان سوٹ کیس اور بیگوں وغیرہ میں ڈالنے لگی۔

کچھ دیر بعد مسز انصاری گویا اپنی اخلاقی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے کمرے کے دروازے پر آن کھڑی ہوئیں اور ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں مگر سمجھانے والے انداز میں بولیں۔ "دیکھو ساجدہ! میں عمر میں تم سے کافی بڑی ہوں .... میرا گھر داری کا تجربہ زیادہ ہے .... تم اس وقت غصے میں ہو .... لیکن عورت غصے میں رہ کر فیصلے کرے تو گھاٹے میں رہتی ہے.......... تم جانے میں اتنی جلدی مت کرو۔ گھروں میں ایسے لڑائی جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"اور طلاقیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے یہی کہنا چاہتی ہیں آپ؟" ساجدہ مڑ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے جارحانہ لہجے میں بولی۔

"نہیں.......... میرا مطلب یہ تھا کہ اس وقت رفیق بھی غصے میں ہے.........." مسز انصاری کچھ گڑبڑا سی گئیں۔

"تو کیا غصے میں طلاق نہیں ہوتی؟" ساجدہ کا لہجہ مزید جارحانہ ہوگیا۔ "پچانوے فیصد طلاقیں تو غصے میں ہی ہوتی ہیں۔ اخبارات بھرے پڑے ہوتے ہیں ان مسائل سے۔ آپ نے شاید کبھی پڑھے نہیں۔ اور صرف غصے ہی کی بات نہیں۔ طلاق کے الفاظ تو تین مرتبہ مذاق میں بھی ادا کئے جائیں تب بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ اس میں تو اب واپسی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اب کیا سمجھانا چاہتی ہیں؟ کون سا راستہ دکھانا چاہتی ہیں؟"

مسز انصاری لاجواب سی ہوگئیں۔ ساجدہ ایک بار پھر خاموشی سے اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ اس کام میں اس نے زیادہ دیر نہیں لگائی اس نے مکان کے ہر کونے کھدرے سے اپنی

تقریباً ہر ضروری چیز سمیٹ لی۔

بالآخر وہ باری باری اپنا سوٹ کیس اور بیگ وغیرہ گھسیٹتی ہوئی صحن میں آئی تو پڑوسی یوں ادھر ادھر کرسیوں پر سر جھکائے بیٹھے تھے گویا کسی میت والے گھر میں پرسا دینے آئے ہوں کسی نے اس کا ہاتھ بٹانے یا سامان اٹھوانے میں مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دروازے پر کھڑے ہوئے ایک بچے سے اس نے ٹیکسی منگوائی۔ ٹیکسی آچکی تو وہ صحن میں کھڑی ہو کر در و دیوار پر ایک نظر ڈال کر استہزائیہ سے لہجے میں بولی۔ "یہاں تو میری ازدواجی زندگی کی کوئی حسین یاد بھی نہیں ہے جسے دل کے دامن میں سمیٹ کر لے جاسکوں .... اس لئے میں صرف اپنا سامان ہی لے جا رہی ہوں .... خدا حافظ۔"

رفیق اپنے کمرے میں جاچکا تھا وہ باہر نہیں آیا۔ ساجدہ ٹیکسی میں جابیٹھی۔ کسی نے اسے خداحافظ نہیں کہا۔ گھر کا دروازہ ہی نہیں اس کی زندگی کا ایک باب بھی ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔

وہ گھر پہنچی تو وہاں حسب معمول سناٹا تھا اس کے والد کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوچکا تھا۔ والدہ بہت کم چل پھر سکتی تھیں زیادہ تر اپنے کمرے میں لیٹی رہتی تھیں۔ ایک جز وقتی ملازمہ آکر گھر کے کام کاج کر جاتی تھی۔

اس وقت بھی زیب النساء بیگم اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔ بیرونی دروازے کی کنڈی بھی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ ساجدہ سامان گھسیٹتی صحن میں جاپہنچی۔ کھڑبڑ کی آوازیں سن کر زیب النساء بیگم نے کمزور سی آواز میں اندر سے پکارا.......... "کون ہے؟"

"میں ہوں امی!" ساجدہ نے ہانک لگائی۔

ان کے لئے شاید ساجدہ کا یوں غیر متوقع طور پر آنا اتنی حیرت کا باعث تھا کہ وہ بستر سے اٹھ کر لنگڑاتی ہوئی دروازے میں آن کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے ساجدہ کو اتنے سامان کے ساتھ کھینچ تان کرتے دیکھا تو حیرت سے بولیں۔ "ارے .... خیریت تو ہے؟ اگر رہنے بھی آئی ہو تب بھی اتنا بہت سا سامان ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں اب مستقل ہی یہیں رہنے آئی ہوں امی!" اس نے سیدھی کھڑی ہوتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" زیب النساء بیگم کا گویا ماتھا ٹھنکا۔

ساجدہ دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹتے ہوئے ان کے قریب پہنچی اور ہموار لہجے میں بولی۔

"مجھے طلاق ہوگئی ہے امی" انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے ماں کو کوئی خوشخبری سنا رہی ہو۔

زیب النساء بیگم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ ان کے ہونٹ ہلے مگر کوئی آواز نہیں نکلی۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔ اسی عالم میں وہ دھم سے گریں اور وہیں ساکت ہوگئیں۔

ساجدہ نے جلدی سے ان پر جھک کر نبض ٹٹولی' دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کی۔ مگر ان کے وجود میں گہرے سکوت کے سوا کچھ نہیں تھا زندگی کے قدموں کی چاپ تھم چکی تھی موت کے سناٹے نے ڈیرے ڈال لئے تھے۔ دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔ سانسوں نے یک لخت ہی اپنا سفر ترک کر دیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو ساجدہ کو یہ افسوس ہوا کہ کوئی بھی اس کی رہائی کی خوشی میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اس تاسف کو ذہن کے کسی تاریک گوشے میں دھکیل دیا۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ اس سے کہیں بڑے صدمے سے دو چار ہے۔ اس کی غمگسار ماں بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ اور وہ دنیا میں اب بالکل ہی تنہا رہ گئی ہے۔

اس احساس کے ساتھ ہی اس نے بے اختیار اپنے بال نوچ لئے اور بین کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ہی محلے پڑوس کی عورتیں اس کے ہاں جمع ہونے لگیں۔

اس حادثے کے نقوش بھی بالآخر اس کے ذہن پر مدھم ہونے لگے۔ طلاق کی عدت بھی گزر چکی تھی اور قانونی کارروائی بھی مکمل ہوچکی تھی۔ اب وہ ذہنی طور پر بالکل آزاد تھی اور بظاہر تنہا اپنے والد والے سرکاری کوارٹر میں ہی رہ رہی تھی۔

لیکن وہ صرف بظاہر تنہا تھی۔ دنیا کی نظروں سے اوجھل' اس کی اپنی ایک دنیا تھی۔ اس گھر میں وہ درحقیقت عکس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ سارے گھر کی اس نے آرائش نو کی تھی وہ ایک پرانا سرکاری کوارٹر تھا لیکن تزئین اور آرائش کے ذریعے ہی جس قدر اس کی حالت بدلنا ممکن تھا وہ ساجدہ نے بدل لی تھی۔

اسکول سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھی گھر آتی ضروری کام کاج کرتی اور پھر عکس کا انتظار شروع کر دیتی۔ عکس اب ٹھیک پانچ بجے گھر آتا تھا جس طرح بیشتر مرد دفتروں سے گھر آتے تھے۔ حالانکہ اسے کسی دفتر نہیں جانا ہوتا تھا۔ مگر ساجدہ نے ہی اسے اس وقت آنے کی ہدایت کی تھی اسے چائے کی میز پر بیٹھ کر عکس کا انتظار کرنا اور پھر اس کا ایک مخصوص وقت پر آنا بہت بھلا لگتا تھا۔

حادثے جو گزرنا تھے' گزر چکے تھے۔ دکھ جو زندگی میں آنا تھے' وہ اپنے نقش قدم چھوڑ کر رخصت ہوچکے تھے۔ مگر بالآخر اب وہ بہت خوش تھی اس کی زندگی کا سفینہ کبھی بپھرے ہوئے سمندر میں ہچکولے کھاتا رہا تھا اور کبھی اسے تپتے ہوئے صحراؤں میں آبلہ پا سفر کرنا پڑا تھا۔ مگر اب اسے قرار آگیا تھا اسے گویا اپنے بہت سے تشنہ خوابوں کی تعبیر مل گئی تھی۔

مگر پھر ایک روز اس کی زندگی کی پرسکون جھیل میں ہلکی سی ہلچل آگئی۔ پکی عمر کا ایک دبلا پتلا سا آدمی اس سے ملنے آیا۔

"جی .... فرمایئے؟" ساجدہ نے دروازے پر کھڑے کھڑے ہی اس سے پوچھا۔

وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ میرا نام عبدالشکور ہے میں آپ کی والدہ کے انتقال پر آیا تھا۔ اس کے بعد آپ کی طرف آنا ہی نہیں ہو سکا۔ میں نے ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

ساجدہ کو یہ تو یاد آگیا کہ یہ چہرہ اس نے امی کے انتقال کے موقع پر دیکھا اور شاید وہ چہلم پر بھی آیا تھا لیکن اس کے علاوہ اسے کچھ یاد نہ آیا۔ آج کل تو وہ ویسے بھی بہت سی یادیں، بہت سی باتیں، بہت سے چہرے بھولی ہوئی تھی۔ اس کی زندگی کا ہر دن اس کے لئے ایک نئے چیستاں کا دروازہ کھولتا تھا اور ہر شب انوکھی مسرتوں، لذتوں اور سرشاری کے پیغام لے کر آتی تھی۔

بہرحال اس نے اس شخص کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ وہ ہاتھ ملتے اور اس سے نظر چراتے ہوئے بولا۔ "بات دراصل یہ ہے ساجدہ بی بی ....! کہ یہ کوارٹر کئی سال سے میرے نام الاٹ ہے مگر میں چونکہ اب تک اکیلا تھا اور مجھے رہائش کا زیادہ مسئلہ نہیں تھا اس لئے میں نے آپ کے والد مرحوم سے خالی نہیں کرایا تھا۔ ویسے بھی میرے ان سے بڑے لحاظ داری والے مراسم تھے۔ میں ان کے ماتحت کے طور پر بھی کام کر چکا ہوں۔"

اس نے ایک نظر ساجدہ کی طرف دیکھا اور فوراً ہی نظر چراتے ہوئے بولا۔ "ان کے انتقال کے بعد بھی آپ کو معلوم ہی ہے آپ کی والدہ یہاں رہتی رہیں .... اس زمانے میں تو میں وہ کرایہ بھی لینے نہیں آیا جو میری تنخواہ سے کٹتا رہا ہے.........."

"یہ آپ کی ہمدردی اور نوازش تھی۔" ساجدہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ممنونیت سے بولی .... "اس کے لئے میں ذاتی طور پر آپ کی شکر گزار ہوں۔ بہرحال میں تمام پچھلے واجبات ادا کرنے اور آئندہ خود پابندی سے آپ جہاں کہیں وہاں کرایہ پہنچانے کے لئے تیار ہوں۔"

"بات پیسے کی نہیں ہے ...." وہ بدستور ہاتھ ملتے ہوئے شرمیلے سے لہجے میں بولا۔ "دراصل اب مجھے خود کوارٹر کی ضرورت ہے اگلے ماہ میں شادی کر رہا ہوں اور میری موجودہ رہائش شادی شدہ آدمی کے لئے اچھی نہیں ہے.......... اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ڈیپارٹمنٹ میں سب کو معلوم ہے کہ میں نے اپنا کوارٹر آپ کے والد صاحب کو دیا ہوا تھا .... لیکن ان کی سبھی عزت کرتے تھے اس لئے کسی نے کبھی کوئی اعتراض نہیں اٹھایا تھا .... لیکن اب تو چونکہ صرف انہی کا نہیں بلکہ آپ کی والدہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے .... اس لئے دفتر میں اعتراضات اٹھنے لگے ہیں۔ اگر میں نے خود اس میں رہائش اختیار نہ کی تو دفتر والے میری الاٹمنٹ کینسل کر دیں گے اور آپ سے بھی خالی کرالیں گے۔ اس صورت میں یہ نہ میرے کام کا رہے گا اور نہ ہی آپ کے کام کا۔ اس لئے .... مجبوری ہے.......... ہمارے

پاس دو ہفتے کا وقت ہے.......... اس دوران آپ کوئی بندوبست کرلیں۔ دراصل میں نے خود ہی یہ مسئلہ لے کر آپ کے پاس آنے میں دیر کر دی.......... میری ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ اب بالکل ہی وقت ہاتھ سے جانے لگا تو مجبوراً آنا پڑا.......... میں معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں، اس میں معافی کی کیا بات ہے، آپ کا کوئی قصور نہیں۔" ساجدہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ نے ہمارے لئے جتنا کیا وہی کچھ کم نہیں ہے۔"

عبدالشکور شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن ساجدہ کو اب اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس گھر کے در و دیوار سے اس کی مانوسیت اتنی پرانی تھی کہ وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ یہ اس کا اپنا نہیں ہے۔ کتنی بے پرواہ تھی وہ .... اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اس گھر کو خالی کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس نے تو بڑی محنت سے اس کی آرائش کی تھی۔ یہاں اس نے ایک نئی زندگی شروع کی تھی۔

تاہم وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اور ایک مصنوعی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولی ...."آپ پریشان نہ ہوں میرے لئے دو ہفتے کی مہلت کافی ہے کوئی نہ کوئی انتظام کرلوں گی۔"

عبدالشکور بار بار اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہوگیا۔

اس کے جانے کے بعد دیر تک وہ گم صم بیٹھی رہی۔ بالآخر اس نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کرکے صوفے کے پشتے سے ٹیک لگالی اور تب عکس آن موجود ہوا۔

وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ "پریشان ہو؟"

"ظاہر ہے.......... وہ تھکے تھکے مگر خمار زدہ لہجے میں بولی۔

"کیوں؟" عکس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"کیا تم نہیں جانتے؟" ساجدہ نے بند آنکھوں سے اسے گھورا۔

"جانتا ہوں۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔" وہ شریر سے لہجے میں بولا۔ "محض مکان چھوڑنے کے خیال سے تم اتنی افسردہ ہوگئیں؟ اتنی محبت ہے تمہیں اس سالخوردہ کوارٹر سے؟"

"محبت تو اپنی جگہ ہے ہی".......... وہ اس کا مضبوط ہاتھ تھپکتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس سے زیادہ مجھے یہ فکر ستا رہی ہے کہ یہاں سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی؟ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ تنہا عورت کے لئے رہائش کا مسئلہ حل کرنا کتنا مشکل ہے۔ دنیا کی نظر میں تو میں تنہا ہی ہوں نا.........."

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے تمہیں اتنے چھوٹے چھوٹے مسائل کے سلسلے میں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔" وہ بڑے اطمینان سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اس شہر میں بہت سے ایسے افراد ہیں جو دنیا میں بالکل تنہا ہیں۔ ان کا کوئی وارث نہیں۔ اور وہ اچھی بھلی جائیدادوں کے مالک ہیں۔ زندگی کے آخری ایام گزارنا ان کے لئے دوبھر ہوا رہتا ہے۔ کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا' ہروقت خیال رکھنے والا نہیں ہوتا۔ وہ کسی کو کرایہ دار رکھتے ہیں تو وہ جائیداد پر قابض ہی ہو جاتا ہے اور ان کی کوئی خدمت بھی نہیں کرتا۔ نوکروں پر انہیں بھروسا نہیں ہوتا۔ چور ڈاکو ان کی تاک میں رہتے ہیں غرضیکہ خاصی قابل رحم زندگی گزارتے ہیں اور عموماً اپنی جائیداد خیراتی اداروں کے نام چھوڑ کر مرجاتے ہیں۔ وہ خاموش ہوگیا۔ اس کی ساحر آنکھیں بدستور ساجدہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"تو پھر.........؟" ساجدہ نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

"ایسی ہی ایک معمر اور نیم معذور عورت اس وقت سوسائٹی کے علاقے میں ایک اچھے خاصے بنگلے میں موجود ہے اور بڑی تکلیف و یاسیت کے عالم میں سوچ رہی ہے کہ کاش عمر کے اس آخری دور میں کوئی اس کا خیال رکھنے والا' اس کی خبر گیری کرنے والا ہوتا تو وہ اس کی خدمت کے عوض اپنا بنگلہ اس کے نام کر جاتی مگر وہ واقعی کوئی ایسا فرد ہوتا جس کی مدد سے اس کا یہ تکلیف کا دور کچھ آسانی سے بیت جاتا۔ کوئی مخلص اور ہمدرد انسان جو محض بنگلے کے لالچ میں اس سے نہ چمٹتا۔ میں تمہیں اس کا ایڈریس دیتا ہوں۔ تم اس سے جا کر ملو۔ تمہیں اس کو صرف چند باتوں کا یقین دلانا ہوگا ایک تو تم یہ ظاہر کرو گی کہ تم کرائے کے کمرے کی تلاش میں نکلی تھیں اور اتفاقاً ان تک پہنچ گئی ہو۔ دوسرے یہ کہ تم ایک شریف اور خاندانی لڑکی ہو اور درحقیقت تمہیں خود بھی ایک سہارے کی تلاش ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر تمہیں ان کی طرف سے شفقت کا سہارا میسر آسکے تو تم ان کی بے لوث خدمت کرو گی۔ وہ عورت دل کی بہت اچھی ہے اور اس دنیا میں زیادہ دن کی مہمان نہیں ہے۔ اگر تم اس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو یوں سمجھو کہ نہ صرف تمہارا رہائش کا مسئلہ شاندار طریقے سے حل ہو جائے گا بلکہ کچھ عرصے بعد تم ایک اچھے خاصے بنگلے کی مالک ہوگی۔"

"تم کچھ خواب و خیال کی دنیا کی سی باتیں کر رہے ہو۔" ساجدہ مخمور سے انداز میں مسکرائی۔

"تم میرے مشورے پر عمل تو کر کے دیکھو۔ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا.........." عکس نہایت پراعتماد لہجے میں بولا۔

"تم مجھے ایڈریس دو .... میں ابھی جاتی ہوں۔" ساجدہ اپنے اشتیاق کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ساجدہ اس ایڈریس پر پہنچی تو شام کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ وہ ایک پرسکون اور صاف ستھری گلی میں واقع خاصا کشادہ دو منزلہ بنگلہ تھا۔ وہ اب بھی خاصا جدید نظر آ رہا تھا۔ یقیناً

برسوں پہلے تعمیر ہوا ہوگا۔ اس وقت تو جدید ترین طرز تعمیر کا نمونہ رہا ہوگا لیکن اب اس کی حالت یہ ضرور بتا رہی تھی کہ ایک طویل عرصے سے اسے صفائی ستھرائی اور رنگ و روغن کی ضرورت تھی۔ ساجدہ کا خیال تھا کہ انسانوں کی طرح مکانوں کے بھی کچھ ناز نخرے ہوتے ہیں مگر اس مکان کے ناز نخرے اٹھانے والا شاید اب کوئی نہیں تھا۔

اس نے کئی مرتبہ کال بیل بجائی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ تب اس نے ہمت کی اور بغلی گیٹ کا آہنی کنڈا ایک طرف کھسکا کر اندر پہنچ گئی۔ بائیں ہاتھ پر مختصر سالان تھا جس پر جھاڑ جھنکاڑ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خشک پھولوں کی پتیاں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔

نیچے ایک مستطیل صحن کے تین طرف کئی کمرے دکھائی دے رہے تھے لیکن سب کے دروازوں پر تالے پڑے تھے دائیں ہاتھ پر سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ ساجدہ اوپر پہنچی تو سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازے کے ہینڈل میں سفید گتے کا ایک ٹکڑا آویزاں تھا۔ اس پر مارکر سے خوشخط انداز میں لکھا ہوا تھا۔ "دس منٹ انتظار فرمایئے.......... میں باتھ روم میں ہوں۔ ہاجرہ بیگم۔"

ساجدہ دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے مسکرا دی۔ بڑی بی نے یہ بھی اچھی ترکیب سوچی ہوئی تھی۔ وہ جب بھی باتھ روم جاتی ہوں گی' باہر دروازے پر یہ "نوٹس" آویزاں کر کے جاتی ہوں گی۔ مبادا کوئی اس دوران دروازہ ہی پیٹتا رہے۔

ساجدہ نے بڑے سکون اور اطمینان سے وہیں کھڑے کھڑے دس منٹ گزارے پھر دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد ایک کرخت سی آواز آئی "کون ہے.........؟ ذرا دروازے کے سامنے آؤ......... تمہاری شکل دکھائی نہیں دے رہی۔"

دروازہ بدستور بند تھا مگر ساجدہ کو اندازہ ہوگیا کہ دروازے میں ذرا کم بلندی پر لگی ہوئی میجک آئی کی مدد سے اسے دیکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ وہ ایک سیڑھی نیچے اتر گئی اور دروازے کے عین سامنے ہوگئی۔

اندر سے غالباً اس کا جائزہ لیا جا چکا تو دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ ساجدہ نے دیکھا اندر حفاظتی زنجیر لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے دروازہ صرف ذرا سا کھل سکتا تھا۔ اس درز سے شکنوں بھرا ایک سانولا سا چہرہ جھانک رہا تھا۔ وہ ایک خوفزدہ عورت کا چہرہ تھا! شاید وہ اپنے سائے سے بھی خوفزدہ تھی۔ وہ وہیل چیئر پر بیٹھی تھی۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہتی ہو.........؟ اگر تم کوئی سیلز گرلز ہو تو صاف سن لو کہ مجھے کچھ نہیں خریدنا ہے۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولی۔

"میرے پاس بیچنے کے لئے کچھ نہیں ہے......... اور کچھ خریدنے کی میری استطاعت نہیں ہے۔" ساجدہ افسردہ سے لہجے میں بولی۔ "میں تو اس گلی میں کسی اور کام سے آئی تھی

لیکن ایک صاحب سے آپ کی تعریف سن کر ایک اہم سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے چلی آئی۔ جن کا اس دنیا میں کوئی نہ ہو وہ اجنبیوں سے بھی بڑی توقعات وابستہ کرلیتے ہیں۔"

"میری تعریف کس نے کر دی؟" بڑی بی کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں لہرا اٹھیں۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں اس گلی میں لوگ پیٹھ پیچھے مجھے چڑچڑی' بدماغ' لڑاکا' معذور اور نہ جانے کیا کچھ کہتے ہیں۔ کوئی مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہر فرد کی آپ کے بارے میں ایک ہی رائے ہو میں تو کم از کم ایک ایسے انسان سے ضرور ملی ہوں جو شاید آپ کے اندر چھپی ہوئی اصل ہاجرہ بیگم سے واقف ہے۔ ان صاحب کا نام خورشید احمد ہے۔" ساجدہ انتہائی ٹھہرے ٹھہرے' نرم اور متاثر کن لہجے میں بولی۔ یہ نام اس نے گلی کے موڑ پر ایک مکان پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر پڑھا تھا۔

بالآخر بڑی بی نے ہچکچاتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی ڈرائنگ روم کھلا نظر آ رہا تھا لیکن انہوں نے اسے ٹیرس پر ہی بٹھایا جہاں چند پرانی سی کرسیاں پڑی تھیں۔ ٹیرس کو بھی لوہے کی گرل کے ذریعے بند کر دیا گیا تھا۔ کچھ تو مکان کی ساخت ہی ایسی تھی اور کچھ اس میں ایسی تبدیلیاں کی گئی تھیں کہ وہ چاروں طرف سے تقریباً بند ہو کر رہ گیا تھا۔ عدم تحفظ کا احساس تو اب بھرے پرے گھروں میں آسیب کی طرح چھایا ہوا تھا۔ ہاجرہ بیگم تو پھر بھی ایک تنہا' معمر اور نیم معذور عورت تھیں۔

وہ ٹٹولنے والی نظروں سے ساجدہ کا سرتاپا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں لیکن ان سے جہاں دیدگی عیاں تھی۔

ان کا اشارہ پاکر ساجدہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اصل مسئلہ بیان کرنے سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں مختصراً کچھ بتا دوں۔"

اس نے عکس والے معاملے کو چھوڑ کر اپنی باقی پوری داستان حیات اختصار سے انہیں سنا دی۔ پھر وہ ایک فون نمبر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ اس دفتر کا فون نمبر ہے جہاں میرے والد صاحب کام کرتے تھے۔ آپ کے ہاں فون موجود ہے کسی بھی وقت اس نمبر پر فون کرکے معلوم کرلیجئے کے میرے والد کس قسم کے انسان تھے۔"

پھر اس نے دوسرا فون نمبر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے اسکول کا نمبر ہے جہاں میں تیرہ سال سے جاب کر رہی ہوں۔ یہاں فون کرکے میرے بارے میں معلوم کیجئے کہ میں کیسی عورت ہوں۔"

پھر اس نے ایک تیسرا نمبر بڑی بی کے سامنے رکھ دیا۔ "یہ ہمارے پڑوسیوں کا نمبر ہے۔ یہاں فون کرکے آپ یہ معلوم کرسکتی ہیں کہ میرے بارے میں پاس پڑوس کے لوگوں کی کیا رائے ہے۔"

"لیکن میں اتنی تکلیف کیوں کروں؟ مجھے کیا پڑی ہے اتنی جگہوں پر فون کرنے کی؟" بڑی بی نے رکھائی سے پوچھا۔ ان کے لہجے میں رکھائی برقرار تھی لیکن آنکھوں میں سرد مہری کی برف پگھلنے لگی تھی۔

"تاکہ آپ مجھ پر تھوڑا سا اعتبار کرسکیں کیونکہ جس مسئلے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے اس میں اعتبار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔"

"تم مسئلہ بیان کرو' فلسفہ نہیں۔" بڑی بی سخت گیر نظر آنے کی پوری پورش کوشش کر رہی تھیں۔

"مجھے سر چھپانے کے لئے ٹھکانا چاہئے کوئی چھوٹا موٹا کمرہ .... کوئی کونا کھدرا............"

ساجدہ نے ایک طویل سانس لے کر مسئلہ بیان کر ہی دیا۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔" بڑی بی جیسے یکدم کچھ بھڑک سی اٹھیں۔ "تم نے جب اپنی رام کہانی ختم کی میں تبھی سمجھ گئی تھی کہ تمہارا اصل مقصد کیا ہے۔ کمرے کرائے پر حاصل کرنے کے لئے لڑکیاں میرے پاس اسی قسم کی کہانیاں لے کر آتی ہیں..........."

وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئیں گویا اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہوں پھر قدرے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔ "کسی زمانے میں میں نے نیچے کے تمام کمرے چھڑوں کو کرائے پر دیئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی دانست میں چالاکی کی ہوئی تھی کہ چھڑے نوجوان چونکہ ساری زندگی تو چھڑے نہیں رہتے اور نہ ہی شادی کے بعد ایک کمرے میں گزارا کرسکتے ہیں اس لئے کوئی بھی عمر بھر کے لئے ڈیرے ڈال کر بیٹھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لڑکے آتے رہیں گے' جاتے رہیں گے۔ کوئی قبضہ کرکے نہیں بیٹھے گا لیکن ہوا یہ کہ ہر چھڑا خود ہی اپنے کمرے کا مالک بن گیا۔ وہ جب چھوڑ کر جاتا تو خود ہی آگے کسی اور کو دے جاتا۔ کرایہ برسوں وہی چلتا رہتا۔ ان میں سے ایک دو تو باقاعدہ آس باندھ کر بیٹھ گئے کہ بڑھیا مرے گی تو مکان پر ہمارا ہی قبضہ ہو جائے گا۔ خدا خدا کرکے میں نے ان سے جان چھڑائی۔ اس وقت جسم میں تھوڑی بہت جان بھی تھی۔ تھانے کچہریوں کے چکر بھی لگا لئے۔ بے اولاد بیوہ تھی۔ تھانے کچہری والوں نے بھی ہمدردی کا سلوک کیا۔

پھر میں نے سوچا کہ کمرے لڑکیوں کو کرائے پر دیتی ہوں۔ ان سے معاملت کرنا لڑکوں کی نسبت آسان رہے گا لیکن میرا یہ اندازہ بھی غلط نکلا حالانکہ میں نے یہاں ملاقاتوں پر پابندی لگا رکھی تھی اس کے باوجود کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی چلا آ رہا ہوتا تھا۔ کوئی کزن' کوئی کولیگ .... حتیٰ کہ کسی کے بارے میں تو دعویٰ ہوتا تھا کہ وہ بھائی ہے مگر انداز و اطوار کچھ اور کہہ رہے ہوئے تھے۔ زمانہ بہت ایڈوانس ہوگیا ہے۔ لڑکیاں بھی لڑکوں سے کم نہیں رہیں۔ ان میں سے دو ایک کا تو عجیب ہی معاملہ ہوگیا۔ ان کی وجہ سے یہاں لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ خون

خرابے کی نوبت آنے لگی۔

آخر کار میں نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور لڑکیوں سے بھی جان چھڑائی۔ اس کے بعد میں نے توبہ کرلی کہ مکان کا کوئی بھی حصہ کسی کو بھی کرائے پر نہیں دوں گی حالانکہ اس طرح میری آمدنی کا بڑا ذریعہ ختم ہوگیا۔ میری گزر اوقات زیادہ تر کرائے پر ہی تھی۔ اب میں چاہے کسی طرح بھی گزارا کر رہی ہوں لیکن پہلے سے زیادہ سکون میں ہوں حالانکہ میری معذوری دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے زیادہ تر میں وہیل چیئر پر رہتی ہوں یا کسی چیز کو پکڑ کر' سہارا وغیرہ لے کر دو چار قدم چل لیتی ہوں لیکن میں تنہا رہ کر زیادہ سکون میں ہوں۔ نوکر رکھتی ہوں تو تھوڑے عرصے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس کی نیت بدلنے لگی ہے۔ اندیشہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ کسی روز میرا گلا گھونٹ کر گھر کا صفایا کرکے نہ چل دے۔"

ایک لمحے کے لئے خاموش ہو کر انہوں نے گہری سانس لی پھر فیصلہ کن سے لہجے میں بولیں "بات یہ ہے لڑکی .... کہ اب انسان پر سے میرا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ میرا انجام خواہ کچھ بھی ہو لیکن تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میری دنیا میں گھسنے کی کوشش مت کرو۔"

ساجدہ اس دوران یوں مسکراتی رہی گویا کوئی بزرگ کسی بچے کا طویل اور ضدی مکالمہ سن رہا ہو۔ بڑی بی خاموش ہوئیں تو وہ بڑی ملائمت سے بولی۔ "اگر دنیا میں ہر انسان آپ ہی کی طرح دوسرے انسانوں سے مایوس ہو جائے تو زندگی کا عمل یہاں رک جائے۔ کارخانہ قدرت کے سارے کام تھم جائیں اور اگر خدا بھی اسی طرح انسانوں سے مایوس ہو جائے تو شاید فوراً ہی قیامت آ جائے۔ آپ یہ بتایئے کہ جتنے لوگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے .... کیا ان میں کوئی بھی اچھا نہیں تھا؟ سب ہی برے تھے؟"

"نہیں .... یہ بات تو نہیں۔" ہاجرہ بیگم نے ہچکچاتے ہوئے تسلیم کیا۔ "ان میں سے اکثر تو اچھے ہی تھے لیکن یہ جو تھوڑے سے برے لوگ ہوتے ہیں وہی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اچھوں کی طرف تو دھیان ہی نہیں جاتا۔"

"آنٹی! زندگی تو ویسے ہی بڑی دشوار ہے انسانوں سے کٹ کر اور بھی دشوار ہو جاتی ہے۔" ساجدہ کے لہجے میں ایک بار پھر افسردگی جھلک آئی۔ "میں آپ کے پاس رسمی اور روایتی کرائے دار بننے کی خواہش لے کر نہیں آئی۔ میں تو یہ خیال ذہن میں لے کر آئی ہوں کہ شاید مجھے آپ کی اور آپ کو میری ضرورت ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کہ جب مجھے مکان خالی کرنا پڑے تو میں اپنی ہر چیز لا کر آپ کے سپرد کر دوں۔ تھوڑا بہت زیور بھی میرے پاس۔ وہ بھی میں آپ کی حفاظت میں دے دوں جو تنخواہ مجھے ملے وہ لا کر آپ کے ہاتھ میں دوں اور آپ تجویز کریں کہ گھر کا نظام کیسے چلنا چاہئے کیونکہ مجھ پر زیادہ تر دوسروں کا ہی حکم چلتا رہا ہے۔ مجھے خود گھر چلانے کا زیادہ سلیقہ نہیں ہے آپ کو جب بھی میری ضرورت ہو آپ فوراً مجھے آواز دیں اور میں یہ سمجھ کر دوڑی آؤں کہ میری ماں نے مجھے پکارا ہے.........."

ساجدہ کو مزید ایک گھنٹہ بڑی بی سے بحث و تمحیص کرنا پڑی۔ وہ گھر سے عہد کرکے نکلی تھی کہ اپنے مشن میں ناکام واپس نہیں آئے گی اور بالآخر اس نے بڑی بی کو منا ہی لیا۔ کچھ دیر بعد تو یہ تبدیلی آگئی کہ بڑی بی اس کے لئے چائے تیار کرنے کی غرض سے اپنی وہیل چیئر کچن کی طرف موڑنے لگیں۔ ساجدہ نے بمشکل انہیں روکا اور کچن میں جا کر خود چائے بنا لائی۔

چائے نوشی کے دوران بڑی بی نے یہ اعتراف بھی کرلیا کہ آج وہ اپنی بے بسی اور احساس تنہائی سے بے حد دلبرداشتہ تھیں اور وہ خود بڑی شدت سے سوچ رہی تھیں کہ کیا اتنے بڑے شہر میں ایک بھی انسان ایسا نہیں جو آ کر بے غرضی سے ان کا سہارا بن سکے اور کم از کم ان کی زندگی میں تو یہی ظاہر کرے کہ اسے کوئی لالچ نہیں ہے' ان کے مرنے کے بعد بے شک ان کی ہر چیز پر قبضہ کرلے۔ انہیں شکوہ تھا کہ دنیا حد سے زیادہ ہی بے صبری تھی۔ کسی لب گور انسان کی موت کا انتظار بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی زندگی میں ہی اس کا سب کچھ چھین لینے کی کوشش کرتی تھی۔

ان کے چہرے کا تناؤ دور ہوچکا تھا۔ آنکھوں میں ملائمت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ خوشگوار لہجے میں انہوں نے یہ بھی بتایا۔ "آج جب میں ڈپریشن کے عالم میں یہ سب باتیں سوچ رہی تھی تو مجھے ایسے لگا جیسے میرے خیالات کی لہریں بیکراں فضاؤں میں ادھر ادھر بکھر رہی ہیں سفر کر رہی ہیں۔ پھر یکدم مجھے باقاعدہ محسوس ہوا جیسے میرے خیالات کی ان لہروں کو کسی نے کیچ کرلیا ہے.......... جیسے وہ جا کر کسی نامعلوم چیز میں جذب ہوگئی ہیں۔"

پھر وہ بچگانہ سے انداز میں ہنسیں۔ "میرے پاس وقت بہت ہوتا ہے۔ اکثر میں کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی ہوں جو بھی مل جائے پڑھ ڈالتی ہوں۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے بارے میں بھی بہت کچھ پڑھا ہے کہانیاں بھی اور مضامین بھی .... شاید میرے اور تمہارے ذہن کے درمیان رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ تم نے میرے خیالات پڑھ لئے تھے اور انہی لہروں کی رہنمائی میں تم یہاں تک کھنچی چلی آئیں۔ اور مجھے دیکھو .... میں آج تک کسی کی دلیل سے قائل نہیں ہوئی تھی۔ کسی کے خلوص پر مجھے اعتبار نہیں آیا تھا لیکن تمہارے ساتھ میں کوشش کے باوجود اپنا سخت رویہ برقرار نہیں رکھ سکی۔ میرا دل چاہ رہا ہے سب معاملات تمہارے سپرد کرکے' اپنے دل و دماغ کو ہر فکر سے آزاد کرکے آرام سے بیٹھ جاؤں اور اللہ اللہ کروں' قسم سے .... اب تو ہر وقت دل کو اتنے دھڑکے لگے رہتے ہیں کہ عبادت بھی نہیں ہوتی۔ شاید اسی لئے سکون قلب حاصل نہیں ہے۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ آپ نے بالکل ٹھیک محسوس کیا۔" ساجدہ جلدی سے بولی۔ "مجھے خود بھی یہی محسوس ہوا تھا جیسے مجھے کہیں سے پیغام موصول ہوا ہے کہ مجھ جیسی ہستی کی

تلاش ہے وہ کہیں میری منتظر ہے۔ اسے بھی میری ضرورت ہے۔ اصل مسئلہ یہی ہے کہ اس دنیا میں بے شمار افراد جو ایک دوسرے کا سہارا بن سکتے ہیں وہ ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں مگر ان کا ایک دوسرے سے رابطہ نہیں ہو پاتا۔"

ساجدہ نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ پیغام دراصل اسے نہیں بلکہ عکس کو موصول ہوا تھا اور اس نے اب تک جتنی باتیں کی تھیں ان میں سے بھی بیشتر عکس ہی کی سکھائی ہوئی تھیں۔

طے یہ پایا کہ ساجدہ دوسرے روز سے ہی اپنا سامان ہاجرہ بیگم کے ہاں منتقل کرنا شروع کر دے گی۔ انہوں نے نچلی منزل پر اپنے سب سے بڑے کمرے کی چابی اس کے حوالے کر دی تھی جس کے ساتھ چھوٹا سا کچن' باتھ اور اسٹور وغیرہ بھی ملحق تھا۔ کمرہ فرنشنڈ تھا۔ ہاجرہ بیگم نے ساجدہ کے تمام ضروری سامان کو اپنے ہاں کھپانے کی حامی بھرلی تھی اور ساجدہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ صرف نئی اور ڈھنگ کی چیزیں یہاں لائے گی۔ پرانی اور آؤٹ ڈیٹڈ تمام چیزیں بیچ دے گی۔

یہ بھی طے پایا کہ بڑی بی اسے نہ صرف ٹیلی فون کی ایکسٹینشن دے دیں گی بلکہ نیچے انٹر کام بھی لگوایا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت وہ ساجدہ کو اوپر بلاسکیں۔

اوپر بھی تین بیڈ روم موجود تھے مگر ہاجرہ بیگم نے نہ جانے کیوں ساجدہ کو اوپر رہنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔ ساجدہ نے بھی اس کی فرمائش نہیں کی تھی۔ اس نے یہی سوچ رکھا تھا کہ جو کچھ رفتہ رفتہ ہو اور ہاجرہ بیگم کی مرضی سے ہو' وہی بہتر ہے۔

بالآخر اس نے اجازت طلب کی۔ ہاجرہ بیگم نے دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ اس وقت رات کے سائے گہرے ہوچکے تھے مگر ساجدہ کے دل سے ناامیدی کے سائے چھٹ چکے تھے۔ وہ لمحوں کے تغیر سے اب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس نے آج شام جب آکر اس گھر کے دروازے پر دستک دی تھی تو دروازہ اس کے لئے کھل نہیں رہا تھا لیکن کچھ دیر بعد وہ اس گھر کی ایک فرد بن کر یہاں سے رخصت ہو رہی تھی۔

اپنے گھر پہنچ کر وہ کپڑے تبدیل کئے بغیر تھکے تھکے انداز میں بستر پر ڈھیر ہوگئی۔ آج اسے جتنی باتیں کرنا پڑی تھیں اتنی اس نے زندگی میں شاذ و نادر ہی کی تھیں۔ وہ نہ تو باتونی تھی اور نہ ہی دلیل باز .... مگر شاید عکس نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس نے خود بخود مسکراتے ہوئے ہولے سے آنکھیں بند کرلیں۔ دوسرے ہی لمحے عکس اس کے قریب موجود تھا۔

"بہت خوب سجو!" وہ اپنے مسحور کن انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم نے سب کچھ اسی طرح کیا جس طرح میں چاہتا تھا۔ نیا گھر مبارک ہو۔"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے وہ واقعی میرا گھر ہو۔" ساجدہ مخمور سے انداز میں مسکرائی۔

"مجھے وہاں رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ ملا ہے۔"

"فکر نہ کرو.......... جلد ہی وہ پورا بنگلہ تمہارا ہوگا۔" عکس اس کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔ "اب تم ایسا کرو کہ کل اپنی یہ ٹیچر والی ملازمت بھی چھوڑ دو۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ساجدہ حیرت سے بولی۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟" عکس گویا اس کی حیرت پر حیران ہوتے ہوئے بولا۔

"حیرت کی بات ہی ہے.........." ساجدہ بولی .... "بارہ سال پرانی میری سروس ہے۔ اچھی خاصی میری تنخواہ ہے۔ اسکول کی مالکن میری بہت عزت کرتی ہیں۔ مجھے وہاں کوئی تکلیف نہیں' کوئی شکایت نہیں ہے.........."

عکس اپنے مخمور سے انداز میں ہنسا۔ اس ہنسی سے ساجدہ کے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی تھی۔ عکس کی سنہری آنکھوں میں اس کے لئے محبتوں کے سمندر موجزن تھے۔

وہ والہانہ لہجے میں بولا .... "کبھی کبھی مجھے تمہاری قناعت پسندی بہت بھلی لگتی ہے۔ لیکن ہمیشہ نہیں۔" اس نے ایک طویل سانس لی۔ "ان بارہ برسوں میں تمہیں کیا ملا؟ تمہارے دامن میں کیا ہے؟ یہی فرق پڑا ہے ناکہ تم اسکول میں صرف ٹیچر کے بجائے سینئر ٹیچر کہلانے لگیں۔ وقتاً فوقتاً تمہاری تنخواہ میں کچھ اضافہ ہوتا رہا۔ اور اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے مہنگائی بڑھتی رہی .... مڈل کلاسیوں کی معیشت کا کچھوا گرانی کے خرگوش کا تعاقب کرتا رہا .... اور یہ وہ ریس ہرگز نہیں جس میں کچھوا اپنی مستقل مزاجی کی بدولت آخر میں جیت جاتا ہے.........."

آج تو تم بڑی مادیت پرستانہ سی باتیں کر رہے ہو۔ میں تو سمجھتی تھی کہ رومانویت کے علاوہ تمہیں دنیا کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ...." ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"حقیقت تو یہی ہے کہ مجھے تمہاری محبت کے سوا دنیا میں کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں....." عکس نے تسلیم کیا۔ "لیکن یہ فطری سی بات ہے کہ انسان ہی نہیں' اس کائنات کی کوئی بھی مخلوق جب دوسرے سے پیار کرتی ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ سکھ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ سجتے سنورتے دیکھنا چاہتی ہے.......... اس کے دکھ' اس کے مسائل اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتی ہے .... یہ بھی رومانس کا ایک حصہ ہے۔ عشق کا ایک جزو ہے .... اپنا من چاہا اچھے حال میں ہوگا تو اس کے عشق میں زیادہ توانائی ہوگی۔ اس کی چاہت میں زیادہ گرمجوشی ہوگی۔ اور خود چاہنے والے کو بھی زیادہ خوشی ہوگی مصور کو اپنی تصویر اچھے سے اچھے فریم میں .... اچھی سے اچھی گیلری میں دیکھ کر زیادہ خوشی ہوتی ہے.........."

"تو میں تمہاری تصویر ہوں؟ تمہاری تخلیق ہوں؟" ساجدہ شریر سے انداز میں مسکرائی۔

"نہیں .... تصویر تو ہم دونوں کسی اور ہی دست قدرت کی ہیں .... میں تو صرف

تمہارا پرستار' تمہارا قدر دان ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم ہیرا عورت ہو ......دنیا کی حسین ترین عورت۔" اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

ساجدہ کے رخسار دہکنے لگے۔ اس میں عکس سے نظر ملانے کی تاب نہ رہی ...."تم تو جھوٹ بولنے میں دنیاوی مردوں کو بھی مات کئے دے رہے ہو........." وہ دھیمے لہجے میں بولی ...."مجھے تو آج تک کسی نے قبول صورت بھی نہیں کہا........"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تمہیں کسی نے دریافت ہی نہیں کیا......... دنیا میں اب بھی کئی خوب صورت اور انتہائی حسین وادیاں ہیں جنہیں کسی نے دریافت نہیں کیا......... جن کا دیومالائی حسن آج بھی اچھوتا ہے۔ لوگ ان کے آس پاس سے گزرتے رہتے ہیں۔ مگر انہیں نہیں معلوم ہو پاتا کہ فلاں پہاڑ کی اوٹ میں .... فلاں سمندر کے پار .... ہے۔ اگر کسی کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز وہاں موجود نہیں ہے.........؟"

اس نے ایک طویل سانس لی اور ایک لمحے کے توقف کے بعد ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ "اور پھر حسن کے معاملے میں ہر آنکھ کا اپنا ایک معیار ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے میرا معیار نظر بھی کچھ مختلف ہو۔ میں تمہاری دنیا کے مردوں کے خوبصورتی کے معیاروں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن ایک بات مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے بیشتر لوگوں کی نظریں نہایت سطحی' نہایت معمولی ہوتی ہیں۔ ان کی رسائی بہت کم فاصلوں تک ہوتی ہے۔ میں تم میں جو کچھ دیکھ سکتا ہوں......... اور جہاں تک دیکھ سکتا ہوں وہاں تک شاید عام لوگوں کی نظر کی رسائی نہ ہو۔"

"تمہاری باتوں سے مجھ پر نشہ سا طاری ہونے لگتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے تمہارا ہاتھ تھام کر چلتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ اسی عالم میں لے جا کر مجھے کسی کھائی میں نہ گرا دینا۔" ساجدہ بولی۔

"کھائی میں تو تم پڑی ہوئی تھیں۔ میں تو تمہیں نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ ساجدہ کا نرم و نازک سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھامتے ہوئے بولا۔ "ویسے بھی محبت کرنے والے اپنے ساتھی سے یہ سوال نہیں کیا کرتے کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔"

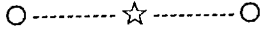
ساجدہ ہولے سے ہنس دی اور ایک لمحے کے سرور آمیز سکوت کے بعد بولی۔ "تو تمہارے خیال میں میرا اپنی موجودہ ملازمت کو چھوڑ دینا بہتر ہے؟"

"یقیناً ...." وہ بلا تامل بولا۔ "اس میں تم مزید بارہ برس صرف کر کے کیا بن جاؤ گی؟ زیادہ سے زیادہ وائس پرنسپل' اس سے زیادہ کی تو تم توقع نہیں رکھ سکتیں۔ پرنسپل تو ظاہر ہے مالکن ہی رہے گی........."

"ہاں .... یہ تو ہے ...." ساجدہ نے تسلیم کیا۔ "لیکن اسے چھوڑ کر میں کروں گی

کیا؟"

"وہ میں تمہیں بتاتا ہوں........." عکس مطمئن لہجے میں بولا۔ "جو کچھ میں کہوں اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا........." پھر نہایت دھیمے لہجے میں عکس نے بتانا شروع کیا کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔



دوسرے روز ساجدہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی نہایت باریک بینی اور نفاست سے اس نے میک اپ کیا۔ بہت دیر بعد وہ تیار ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ایک نہایت پرکشش، سروقد اور گریس فل عورت دکھائی دے رہی تھی۔ انگوری رنگ کی فرنچ شیفون کی ساڑی نے اس کے خدوخال کا حسن بڑھا دیا تھا۔ لمبے ریشمی بالوں کا جوڑا، بھرے بھرے تراشیدہ سے ہونٹ، بڑی بڑی اور مخمور سی ساحر آنکھوں میں سجا ہوا کاجل، لمبی پلکیں، پتلی سی بھنویں، ہموار جلد اور سانچے میں ڈھلے ہوئے سے نشیب و فراز.......... وہ سراپا دلکشی تھی!

کئی زاویوں سے اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ مطمئن ہو کر اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکا کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھی ڈیفنس کی طرف جا رہی تھی۔

ٹیکسی ڈیفنس کے ایک طویل و عریض اور شاندار بنگلے کے سامنے جا رکی۔ یہ "ایس پی ٹی کنسٹرکشن کمپنی" کا ہیڈ آفس تھا۔ یہ بہت بڑی کنسٹرکشن کمپنی تھی۔ اسے زیادہ تر غیر ممالک میں ٹھیکے ملتے تھے خصوصاً خلیجی ممالک میں اس کے کئی بہت بڑے بڑے پروجیکٹس چل رہے تھے۔ اندرون ملک بھی وہ صرف بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ ڈالتی تھی۔

ڈرائیووے کے ماربل کے فرش پر کھٹ کھٹ کرتی ساجدہ اندرونی دروازے کی طرف بڑھی تو اس کی گردن کسی ملکہ کی طرح قدرے نخوت آمیز انداز میں اٹھی ہوئی تھی۔ اندر داخل ہوئی تو ایئرکنڈیشنرز کی خنک ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ استقبالیہ پر ایک خوبصورت اور نوخیز سی لڑکی موجود تھی جس کی بیضوی میز کے سامنے دیوار کے ساتھ گدیلے صوفوں پر بہت سے لوگ غالباً اپنے اپنے مطلوبہ افراد سے ملاقات کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

ساجدہ گویا ان سب کو.......... بلکہ کمرے میں موجود ہر چیز کو نظر انداز کرتے ہوئے

سیدھی لڑکی کی طرف بڑھی۔ اسے احساس تھا کہ تمام ملاقاتیوں کی پُراشتیاق نظریں اس کا تعاقب کر رہی ہیں مگر وہ جیسے ان سے قطعی بے نیاز تھی، ان کی موجودگی سے بھی بے خبر تھی۔

استقبالیہ لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ نہایت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔ "مجھے مسٹر جیلانی سے ملنا ہے۔"

لڑکی یقیناً چٹاخہ پٹاخہ قسم کی چیز تھی مگر یکدم ساجدہ سے مرعوب سی نظر آنے لگی۔

"ایم ڈی صاحب بغیر اپائنٹمنٹ کے تو کسی سے نہیں ملتے۔" اس نے مودبانہ سے لہجے میں کہا۔ "آپ کا ان سے اپائنٹمنٹ ہے؟"

جیلانی صاحب کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے کسی اہم اور بڑے مقصد کے بغیر ان سے ملاقات کا وقت لینا جوئے شیر لانا تھا۔ ہر مسئلے سے نمٹنے کے لئے کمپنی میں کوئی نہ کوئی متعلقہ آدمی موجود تھا۔ ایم ڈی صاحب سے تو بہت ہی خاص الخاص اور پیچیدہ مسائل کے سلسلے میں ہی ملا جا سکتا تھا جو کسی اور سطح پر حل نہ ہو سکے ہوں۔

"نہیں.......... میرا ان سے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں ہے۔ لیکن وہ مجھ سے ملنا ضرور پسند کریں گے۔" ساجدہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "آپ ان سے صرف اتنا کہہ دیجئے کہ مسز عکس ان سے ان کی سیکرٹری کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں۔"

استقبالیہ لڑکی ایک لمحے کے لئے متذبذب سی رہی پھر ریوالونگ چیئر کو گھما کر قدرے پیچھے کھسک گئی۔ اس کے دائیں ہاتھ پر ایک دوسرے ڈیسک ٹاپ پر ٹیلی فون پر انٹرکام سیٹ وغیرہ موجود تھے۔ ایک انٹرکام پر وہ نہایت، مدھم آواز میں ایم ڈی سے بات کرنے لگی۔

چند لمحے بعد اس نے ریسور رکھ کر عجیب سی نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ وہ اب کچھ اور مرعوب نظر آنے لگی تھی شاید اس لئے کہ ایم ڈی صاحب نے اس عورت کو فوراً بلوالیا تھا۔ استقبالیہ لڑکی کے دور ملازمت میں ایسا شاذو نادر ہی ہوا تھا۔ جب ایم ڈی نے پہلے سے ملاقات کا وقت طے کئے بغیر کسی کو بلوایا تھا۔ لڑکی نے گھنٹی بجا کر ایک باوردی آفس بوائے کو طلب کیا اور اس کی رہنمائی میں ساجدہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر ایک ہال اور راہداری سے گزر کر لکڑی کے منقش اور سیاہ دروازے پر پہنچی۔ دروازے پر آویزاں نیم پلیٹ پر پیتل کے ابھرے ہوئے حروف چمک رہے تھے۔ آفس بوائے اسے وہاں چھوڑ کر گردن کو ہلکا سا خم دے کر رخصت ہو گیا۔

ساجدہ نے ناکر کی مدد سے ہولے سے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی ایک بھاری اور گونجیلی سی آواز سنائی.......... "یس.......... کم ان.........."

آواز، دروازے میں چھپے ہوئے کسی اسپیکر پر سنائی دی تھی۔ ساجدہ نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور اسی تمکنت سے گردن اٹھائے اندر پہنچ گئی۔

وہ ایک طویل و عریض کمرہ تھا مگر اس میں روشنی کم تھی۔ قالین اتنا دبیز تھا کہ سینڈل اس میں دھنستے محسوس ہو رہے تھے ایک کونے میں بڑی سی میز اور ایک طرف دیوار کے ساتھ خوبصورت صوفہ سیٹ موجود تھا۔ میز کے سامنے صرف دو مختصر سی کرسیاں تھیں۔

لمبی چوڑی میز کی ایک سائیڈ پر صرف ایک ٹیلی فون اور ایک انٹر کام سیٹ موجود تھا۔ میز پر صرف ایک فائل رکھی تھی۔ جھلملاتی ہوئی تقریباً پوری ہی میز خالی تھی .... بلکہ درحقیقت کمرہ ہی خالی خالی لگ رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بھاری اور گونجیلی آواز سن کر ساجدہ کا اندازہ تھا کہ ایم ڈی کی کرسی پر اگر جوان نہیں تو کم از کم ادھیڑ عمر آدمی موجود ہو گا۔ مگر اس نے دیکھا کہ اس کرسی پر موجود شخص کے بال برف کی طرح سفید تھے تاہم اس کے چہرے پر سرخی اور صحت مندی کی چمک نمایاں تھی۔

جیلانی صاحب پر اشتیاق انداز میں اس کا سرتاپا جائزہ لے رہے تھے۔ ساجدہ سلام کر کے ان کا اشارہ پا کر بیٹھ چکی تو وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے .... ”مسز ایکس ....! کیا میں سمجھوں کہ یہ ایک فرضی نام ہے؟“

”مسز ایکس نہیں‘ مسز عکس۔“ ساجدہ نے تصحیح کی۔

”ویسے میرا نام ساجدہ ربانی ہے۔ اور مجھے فرضی نام اختیار کر کے آپ سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔“

”اوہ .... مجھے سننے میں غلطی ہوئی .... یا شاید استقبالیہ کلرک نے یہی بتایا ہو۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں ہے نا۔“ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے مسلسل ساجدہ کو تک رہے تھے لیکن ساجدہ کو معلوم تھا کہ یہ ان کی نگاہوں کی آوارگی کا نتیجہ نہیں تھا وہ درحقیقت بہت زیادہ متجسس تھے لیکن اپنے تجسس کو چھپانے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے۔

”آپ میری سیکرٹری کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟“ بالآخر وہ محتاط لہجے میں بولے۔

”یہی کہ اس کا نام فلورا تھا۔ وہ اینگلو انڈین تھی۔ سات سال اس نے آپ کی کمپنی میں نہایت محنت‘ جانفشانی اور وفاداری سے کام کیا۔ آپ آنکھیں بند کر کے اس پر اعتبار کرنے لگے۔ لیکن ایک ہفتہ قبل وہ کمپنی کے انتہائی اہم نوعیت کے کاغذات لے کر غائب ہو گئی۔ اس کا کہیں کچھ پتا نہیں چل رہا۔ اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں آپ اپنے تمام وسائل استعمال کر چکے ہیں۔ کاغذات کی نوعیت کچھ ایسی ہے اور پھر کمپنی کی ساکھ کا بھی مسئلہ ہے۔ اس لئے آپ پولیس کی مدد بھی نہیں لے سکتے۔ آپ نہیں چاہتے کہ یہ معاملہ منظر عام پر آئے۔ آپ کے پاس غیر ممالک میں جو ٹھیکے ہیں ان میں سے دو ایک کا تعلق دفاعی نوعیت کے معاملات سے

بھی ہے۔ اگر یہ بات سامنے آگئی کہ آپ کی کمپنی رازوں کی حفاظت کی اہل نہیں تو آپ بالکل ڈوب سکتے ہیں۔ آپ کی حریف کمپنیاں ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں رہتی ہیں.........“

جیلانی صاحب کے چہرے کی سرخی کچھ کم ہو گئی۔ مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ایک ٹک ساجدہ کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

ساجدہ نے بات جاری رکھی۔ ”آپ نے دفتر میں بھی ابھی تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہونے دیا کہ فلورا غائب ہو چکی ہے۔ دوسرے ڈائریکٹر تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ لمبی رخصت پر گئی ہوئی ہے۔ آپ دوسرے سیکرٹری کی ضرورت بھی محسوس کر رہے ہیں آپ نے راز دارانہ انداز میں پی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کو فون کر کے ’لیڈی سیکرٹری کی ضرورت ہے‘ کے عنوان سے اشتہار بھی تیار کرایا۔ لیکن اس اشتہار کو آپ فائل میں رکھے بیٹھے ہیں اسے اخبارات میں ریلیز کرنے کی آپ کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ آپ کو یہ بھی ڈر ہے کہ جب یہ معاملہ سامنے آئے گا تو باقی ڈائریکٹرز اسے آپ کی غلطی قرار دیں گے۔ آپ کو یہ بھی دھڑکا لگا ہوا ہے کہ فلورا ان کاغذات کا کسی دوسرے کمپنی سے سودا نہ کر لے۔ کوئی بھی بڑی کمپنی لاکھوں روپے میں انہیں خرید سکتی ہے۔“

کمرے میں ایک لمحے کے لئے بوجھل سکوت چھا گیا۔ بالآخر جیلانی صاحب تھوک نگل کر بولے۔ ”آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟“

”بس .... مجھے بیٹھے بٹھائے دور دراز کی کچھ عجیب و غریب .... غیر متعلقہ سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں کوئی پراسرار طاقت کانوں میں سرگوشیاں کرتی ہے اور نہ جانے کیا کچھ بتا دیتی ہے۔“ ساجدہ ساحرانہ سے انداز میں مسکرائی۔ ”ایک طرح کی ماورائی صلاحیت سمجھ لیجئے۔“

ساجدہ‘ جیلانی صاحب کی آنکھوں میں بے یقینی صاف پڑھ سکتی تھی‘ تاہم انہوں نے ساجدہ کے اس جواب پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بدستور گہری سنجیدگی سے بولے ....”آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟“

”یہ تو محض تمہید تھی۔ اصل میں تو میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ فلورا اس وقت کہاں موجود ہے۔ کاغذات سمیت۔“ ساجدہ اطمینان سے بولی۔ ”اور میں یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ اگر آپ نے مزید چند گھنٹے کی تاخیر کی تو وہ کبھی آپ کے ہاتھ نہیں آئے گی۔“

”تو بتایئے نا ....“ جیلانی صاحب ریوالونگ چیئر پر پہلو بدلتے ہوئے بولے۔ ان کے چہرے پر اضطراب جھلک آیا۔

”اتنی قیمتی معلومات آپ کو یونہی تو نہیں مل جائیں گی نا۔“ ساجدہ مسکرائی۔ ”آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں؟ کیوں میں اتنا تردد کر رہی ہوں؟“

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" جیلانی صاحب کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"فلورا کے فرار سے جو جگہ خالی ہوئی ہے میں اسے پر کرنا چاہتی ہوں۔ گو کہ آپ کا اشتہار کہیں نہیں چھپا لیکن میں آپ کی سیکرٹری کی اسامی کے لئے درخواست لے کر آئی ہوں۔" اس نے ہینڈ بیگ سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر جیلانی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔

جیلانی صاحب نے لفافے پر قطعاً توجہ نہیں دی اور ساجدہ کو گھورتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس کا ایک مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ فلورا ہی کی کوئی دوست یا ساتھی ہیں لیکن اپنے مفاد کی کوئی تدبیر سوچ کر اس سے غداری پر تل گئی ہیں۔ فلورا کو قربانی کا بکرا بنا کر آپ اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہیں۔"

ان کے لہجے میں سختی در آئی۔ پھر وہ فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے۔ "میں پولیس کو طلب کر کے ابھی سب کچھ معلوم کرا لیتا ہوں.........."

ساجدہ کے اطمینان و سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی.........."ضرور کیجئے پولیس کو فون.......... میں نے کوئی جرم نہیں کیا جو پولیس سے ڈروں.........."

جیلانی صاحب فون پر ہاتھ ٹکائے ہوئے بولے۔ "عام طور پر وہی لوگ پولیس سے زیادہ ڈرتے ہیں جنہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہوتا.......... اور پھر آپ تو ایک خاتون ہیں.......... ذرا سوچئے.........."

"میں سب کچھ سوچ کر ہی یہاں آئی ہوں مسٹر جیلانی!" ساجدہ کے لہجے میں ہلکی سی سختی در آئی.........."آپ میری فکر مت کیجئے اور پولیس کو فون کیجئے.......... آپ کو بہت اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ میں فلورا کی ساتھی نہیں ہوں بلکہ میں نے تو اسے زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں.......... کل صبح تک تو میں نے فلورا کا بھی کیا بلکہ آپ کا بھی نام نہیں سنا تھا۔"

جیلانی صاحب کی آنکھوں سے بدستور بے یقینی عیاں تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ ان کا ہاتھ ٹیلی فون سیٹ پر ٹکا رہ گیا تھا۔ اتنا تو خیر ساجدہ کو اندازہ تھا کہ پولیس کو فون کرنے کی انہوں نے صرف دھمکی دی تھی۔ اگر اس معاملے میں پولیس کو ملوث کرنے کی ان میں جرأت ہوتی تو وہ کم از کم فلورا کے فرار کی رپورٹ تو درج کرا ہی چکے ہوتے۔

"اگر آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اس کمپنی کو مستقبل قریب میں میری ذات سے کیا کیا فائدے پہنچ سکتے ہیں تو آپ کبھی اس قسم کی دھمکی دینے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے۔" ساجدہ ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"مثلاً..........؟ جیلانی صاحب نے ٹیلی فون سے ہاتھ کھینچ کر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ بھی ابھی سے کیوں بتاؤں؟ میرا تو یہاں استقبال تک کچھ زیادہ باعزت نہیں ہوا

.... اور میں آپ کو فائدوں کی فہرست گنوانا شروع کر دوں؟ میں یہاں خدمت خلق کے لئے تو نہیں آئی۔ جب مجھے کمپنی سے تھوڑا سا فائدہ پہنچے گا تو میں بھی کمپنی کو بہت سا فائدہ پہنچا دوں گی لیکن ٹریفک یک طرفہ ہرگز نہیں چلے گی جیلانی صاحب!" ساجدہ رکھائی سے بولی۔

جیلانی صاحب کے چہرے پر یکدم ملائمت آگئی۔ ان کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ انہوں نے انٹر کام پر ساجدہ کے لئے کافی کا آرڈر دیا پھر مسکرا بدلے بدلے سے لہجے میں بولے.........."معاف کیجئے گا مسز عکس! میں آپ کو پرکھ رہا تھا۔ آپ کی باتیں کچھ ایسی غیر متوقع سی تھیں کہ میں سنبھل نہیں سکا تھا۔ میں الجھن میں تھا کہ آپ پر اعتبار کروں یا نہ کروں۔ اب فائدہ ہو یا نقصان.......... لیکن میں نے آپ پر اعتبار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب بتایئے فلورا کہاں ہے؟"

"اس طرح تو میں بتانے نہیں لگی جیلانی صاحب!" ساجدہ ان کے رویئے کی تبدیلی سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر بولی.........."پہلے سیکرٹری کے طور پر میرا اپائنٹمنٹ لیٹر تو سائن کر کے میرے حوالے کیجئے۔ یہ کوئی مہنگا سودا تو نہیں ہے۔"

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ فلورا والی کہانی دہرائی نہیں جائے گی؟" جیلانی صاحب نے ملائمت سے پوچھا۔ "اس کا جواب تو وقت ہی دے سکتا ہے.........." ساجدہ بے نیازی سے بولی۔ "تاہم آپ کی تسلی کے لئے فی الحال میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ فلورا کو محض آپ کی خوش اعتقادی اور بے پروائی کی وجہ سے کافی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس کی رسائی ان فائلوں تک بھی رہتی تھی جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جن سے اسے کوئی کام نہیں ہوتا تھا.......... مجھے آپ اس حد تک آزادی ہی مت دیجئے گا' مجھے آپ کی خفیہ فائلوں اور کاغذات تک رسائی حاصل کرنے کا قطعاً کوئی شوق نہیں.......... اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ آپ یہی سوچئے گا کہ ایک سیکرٹری کو بس سیکرٹری ہی رہنا چاہئے۔"

"معقول تجویز ہے.........." جیلانی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن مجھے چند دوسرے اعتراضات ہیں.......... اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی شخصیت بے پناہ جاذب نظر ہے اور آپ کے انداز و اطوار میں بے حد رکھ رکھاؤ ہے' کشش ہے۔.......... کم از کم شخصیت کی حد تک یہ خصوصیات ہماری کمپنی کے معیار کے مطابق ہیں۔ لیکن آپ کی درخواست پر نظر ڈالنے سے مجھے دو تین خامیوں کا احساس ہو رہا ہے.........."

انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ایک بار پھر ساجدہ کی ٹائپ شدہ درخواست پر جھک گئے۔ ان کا انداز خالصتاً" پیشہ ورانہ ہو گیا۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولے.........."ہماری کمپنی بین الاقوامی ہے اور ہمارے ہاں مینجنگ ڈائریکٹر کی سیکرٹری کی اسامی کوئی معمولی اسامی نہیں ہوتی۔ ایم ڈی کی سیکرٹری ہمارے

ہاں محض خانہ پری کے لئے نہیں رکھی جاتی اور نہ ہی وہ محض ایک شو پیس ہوتی ہے۔ میری اب کچھ عمر بھی ایسی نہیں ہے .... اور کچھ ذوق بھی ایسا نہیں رہا کہ اپنے سامنے صرف اچھی صورت اور دل فریب خدوخال کے تصور سے ہی ریشہ خطمی ہوا بیٹھا رہوں.........."

"میں خود بھی ایسا نہیں چاہوں گی ...." ساجدہ ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "اگر ایسی بات ہوتی تو میں درخواست لے کر یہاں نہ آتی۔ شہر میں اور بھی بہت سی اچھی اچھی اسامیاں خالی پڑی ہیں جن کے بارے میں میری پراسرار قوت مجھے بتا سکتی تھی اور جن تک میری رسائی ہو سکتی تھی۔"

جیلانی صاحب کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ پراسرار قوت والی بات ابھی تک ان کے حلق سے نہیں اتری تھی۔ تاہم انہوں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولے.......... "خاص خاص اسامیوں کے لئے ہم خاندانی اور تعلیمی پس منظر پر بڑی توجہ دیتے ہیں .... ایم ڈی کی سیکرٹری کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ کانونٹ وغیرہ کی پڑھی ہوتی .... خاندانی پس منظر بھی کچھ اور بہتر.......... میرا مطلب ہے ذرا اونچا ہوتا ...."

"میں آپ کا مطلب بخوبی سمجھ رہی ہوں.........." ساجدہ کے لہجے میں ہلکی سی تیزی آگئی .... "لیکن آپ لوگوں نے کیوں فرض کرلیا ہے کہ ساری قابلیت ساری اہلیت اسی کلاس میں جمع ہوگئی ہے؟ انہی کو سب کچھ خاندانی طور پر ورثے میں سب کچھ مل جاتا ہے؟ محنت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے جیلانی صاحب! اور میں نے زندگی میں بہت محنت کی ہے .... بے پناہ محنت ...." وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

اسے اپنے رخساروں پر تپش محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم وہ اپنی آواز کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی .... "میں نے ان موضوعات کے سلسلے میں .... ان کاموں کے سلسلے میں بھی بہت محنت کی ہے جن کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ میں تو محض ایک ٹیچر تھی .... بہت قناعت پسند سی ٹیچر.......... میں چاہتی تو سر جھکا کر اپنا کام کرتی رہتی۔ میری نوکری پرائیویٹ مگر بہت سیکیور ہے .... مجھے کسی اور چیز میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی لمحہ فارغ نہیں آنے دیا۔ مجھے جب بھی وقت میسر آیا ہے میں نے اسے کچھ نہ کچھ سیکھنے میں صرف کیا ہے.......... میں بہت روانی سے انگریزی بول سکتی ہوں' لکھ سکتی ہوں' پڑھ سکتی ہوں۔ ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ جانتی ہوں' زیادہ مشق جاری نہ رکھنے کے باوجود میری رفتار معقول ہے۔ یہاں کے کام کو بھی میں چند دن میں سمجھ لوں گی۔ اور آپ کو کیا چاہئے؟ کیا میرے ماتھے پر کسی مخصوص کلاس' کسی مخصوص طبقے کا ٹھپہ ہونا ضروری ہے؟"

جیلانی صاحب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے

بولے۔ "آپ نے مجھے قائل کرلیا مسز عکس! گو کہ یہ اب بھی ایک جوا ہے لیکن اس قابل ہے کہ کھیلا جا سکے.......... میں اس کے لئے تیار ہوں ...."

انہوں نے انٹر کام پر کسی کو ساجدہ کے ضروری کوائف نوٹ کرائے اور حکم دیا کہ وہ جلد از جلد اس نام کا ایک اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرکے لے آئے۔

جتنی دیر میں انہوں نے کافی ختم کی اتنی دیر میں لیٹر ٹائپ ہو کر آگیا۔ لیٹر ہیڈ بہت خوبصورت تھا اور جدید ترین الیکٹرک ٹائپ رائٹر کے حرف گویا آنکھوں میں نقش ہوئے جا رہے تھے۔ تقرر نامے میں تنخواہ اور دیگر مراعات وغیرہ کا بھی ذکر تھا۔ اس کی تنخواہ موجودہ تنخواہ سے چار گناہ زیادہ تھی۔ ساجدہ کی انگلیوں میں ہلکا سا ارتعاش آگیا۔

جیلانی صاحب نے لیٹر اس سے لیا اور نہایت روانی سے اس پر دستخط کرکے واپس اس کی طرف بڑھا دیا۔ ساجدہ نے گہری سانس لے کر لیٹر تہہ کرکے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ نہایت ہموار اور دھیمے لہجے میں وہ بولی .... "ایک ایڈریس نوٹس کیجئے ...."

وہ ایک دور افتادہ کالونی کے کسی مکان کا ایڈریس نوٹ کرچکے تو ساجدہ بولی .... "فلورا اس مکان میں تنہا موجود ہے .... اور دو ڈھائی گھنٹے بعد وہ آپ کو اس مکان میں نہیں ملے گی۔"

جیلانی صاحب فوراً عجلت کے سے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساجدہ بھی گویا رخصت ہونے کے لئے اٹھتے ہوئے بولی .... "کیا آپ خود اس کی تلاش میں جائیں گے؟ میری پراسرار قوت نے بتایا تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے سلسلے میں تھوڑا بہت خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔"

جیلانی صاحب گویا اس کی بچگانہ معصومیت سے محفوظ ہوتے ہوئے مربیانہ انداز میں بولے.......... "ہم بہت بڑی کمپنی چلا رہے ہیں مسز عکس! آپ کے اندازوں سے بھی بڑی .... ہم سے غلطیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی تلافی کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ چھوٹے موٹے خطرات سے نمٹنے کا انتظام ہے ہمارے پاس .... بلکہ ہمارے کاروبار میں تو بعض اوقات بڑے بڑے خطرات بھی آتے رہتے ہیں ...."

پھر میز کے عقب سے نکلتے ہوئے بولے .... "میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ آپ بھی یہیں تشریف رکھئے۔ میں ایک چھوٹا سا انتظام کرکے ابھی آتا ہوں۔ جو کچھ ہوگا آپ کے سامنے ہوگا۔ آپ کا یوں محض اطلاع دے کر چلے جانا مناسب نہیں ...."

"جیسے آپ کی مرضی ...." ساجدہ نے بے پروائی سے کندھے اُچکائے۔ "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ زیادہ دیر تک بیٹھ کر آپ جیسے آدمی کا زیادہ وقت ضائع نہ کروں .... آپ یقیناً بہت مصروف ہوتے ہوں گے ......"

"بے شک ...." جیلانی صاحب نے انکساری کا مظاہرہ کئے بغیر کہا.........."لیکن اس قسم کے معاملات سے روز روز واسطہ نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی آپ جیسی غیر معمولی شخصیت سے روز روز ملاقات ہوتی ہے........"

ساجدہ نے دل میں ایک انوکھی سی لذت کی لہر محسوس کی۔ چند ہی روز میں وہ ایک عام سی، مجبور اور اندر ہی اندر سلگتی ہوئی عورت سے غیر معمولی شخصیت بن گئی تھی۔

جیلانی صاحب کمرے سے باہر چلے گئے اور وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بارعب سے انداز میں بیٹھی رہی۔ جیلانی صاحب چند منٹ میں لوٹ آئے۔

"اگر آپ کو ناگوار خاطر نہ ہو تو میں تھوڑی سی تمباکو نوشی کرلوں؟" وہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ...." ساجدہ نے جواب دیا۔ انہوں نے نہایت نفیس قسم کی پیکنگ سے ایک سگار نکال کر ایک نہایت خوبصورت سنہرے لائٹر سے سلگایا اور گویا گپ شپ کے موڈ میں ذرا آرام سے بیٹھتے ہوئے بولے ...."اب ہم کچھ اپنے بارے میں .... کام کے بارے میں .... کمپنی کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ تاکہ کل سے یہاں کام شروع کرتے وقت آپ ماحول کو کچھ مانوس محسوس کر سکیں۔ چلئے محض گفتگو کو ایک آغاز دینے کی غرض سے یہ بتایئے کہ آپ کو جو پراسرار قوت حاصل ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟"

ساجدہ کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ درحقیقت وہ صرف یہی جاننا چاہتا تھا۔ باقی باتوں کے تو صرف بہانے تھے۔

"میں معذرت چاہتی ہوں جیلانی صاحب!" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں اس موضوع پر زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ یہ قوت ہی میرا سب سے اہم اثاثہ ہے۔ اگر اس کے بارے میں مجھ سے کوئی غیرذمہ داری سرزد ہوئی تو کوئی بعید نہیں کہ یہ مجھ سے چھن جائے۔"

جیلانی صاحب کوشش کے باوجود اپنے چہرے پر چھا جانے والی مایوسی کو نہ چھپا سکے تاہم اپنے لہجے کی شگفتگی برقرار رکھتے ہوئے بولے۔ "چلئے خیر.........کوئی بات نہیں .... پوچھنے کے لئے، بتانے کے لئے اور بہت سی باتیں ہیں........."

انہوں نے باتوں باتوں میں ساجدہ کو زیادہ سے زیادہ کریدنے کی کوشش کی۔ ساجدہ نے اپنے بارے میں تقریباً سبھی کچھ بتا دیا۔ اس کے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ازدواجی زندگی کے بارے میں اس نے بتایا کہ اس کی ایک شادی ناکام ہوچکی تھی۔ عکس اس کے دوسرے شوہر تھے اور ملک سے باہر تھے۔ اس شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور یہ کہ اس کے شوہر شاعر ہرگز نہیں تھے۔

جیلانی صاحب اسے اس کے کام کے بارے میں سمجھانے لگے۔ وقت گزرنے کا پتا ہی

نہیں چلا۔ اس دوران جیلانی صاحب کے فون آتے رہے اور میز پر فائلیں بھی آتی اور جاتی رہیں۔

دفعتاً انٹرکام پر کوئی اطلاع آئی اور ان کے چہرے سے شگفتگی غائب ہوگئی۔ اس کی جگہ ہلکا سا تناؤ آگیا۔ نیچی آواز میں انہوں نے کہا........."اندر لے کر آؤ......"

ریسیور رکھ کر وہ منتظر سی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور گلابی اسکرٹ میں ملبوس ایک خوبصورت اور سروقد لڑکی کو بے رحمی سے کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ وہ اوندھے منہ گرتے گرتے بچی۔ اس کے پیچھے پیچھے دو لمبے تڑنگے آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے قد چھ فٹ سے نکلتے ہوئے تھے۔ دونوں ہی کے چہروں پر کرختگی تھی۔ دونوں ہی کے لمبی لمبی گھنی مونچھیں تھیں۔ وہ جڑواں بھائی معلوم ہوتے تھے۔

وہ دونوں لڑکی کے دائیں بائیں آن کھڑے ہوئے۔ لڑکی کی رنگت یقیناً سرخ و سفید رہی ہوگی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر سفیدی ہی سفیدی تھی۔ اس کی نیلی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ سنبھل کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس کی ٹانگیں صاف طور پر کپکپاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"فلورا".........! جیلانی صاحب گونجیلی سی آواز میں بولے ...."میں نے تمہیں ہر وہ سہولتیں، ہر وہ رعایت اور ہر وہ آزادی دی جو میرے اختیار میں تھی۔ ہر آڑے وقت میں تمہارے کام آنے کی کوشش کی۔ اس کا یہ صلہ دیا تم نے مجھے!" وہ انگریزی میں بات کر رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دیجئے سر" ....! فلورا ہاتھ جوڑتے ہوئے کانپتی آواز میں بولی۔ وہ شاید رونا چاہ رہی تھی مگر خوف کے باعث اس کے آنسوؤں کے سوتے بھی خشک ہو کر رہ گئے تھے۔

"سر.........! میں کسی کی باتوں میں آگئی تھی ...." اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

جیلانی صاحب میز کے عقب سے نکل آئے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے فلورا کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ فلورا دور جا گری۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے سے خون کی پتلی سی لکیر بہہ نکلی۔

ساجدہ کو جیلانی صاحب مزاجاً سخت گیر نہیں لگے تھے۔ وہ خاصے معمر بھی تھے اور ان کے ہاتھ بھی نفیس نظر آتے تھے۔ ان کے تھپڑ کی طاقت دیکھ کر ساجدہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"کس کی باتوں میں آگئی تھیں تم؟" جیلانی صاحب نے گرج کر پوچھا۔

"میرا ایک بوائے فرینڈ ہے .... فرانس .... ہم شادی کرنے والے ہیں۔ وہ اس وقت ایئرپورٹ پر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔" فلورا سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"لعنت ہے ایسی محبت پر جو انسان کو بددیانتی اور دوسروں کا نقصان کرنا سکھائے۔" جیلانی

صاحب نے نفرت سے کہا پھر وہ ساجدہ کی طرف مڑتے ہوئے بولے........ "مسز عکس! کیا لڑکیاں واقعی محبت میں اتنی بے وقوف ہو جاتی ہیں؟"

"اس سے بھی زیادہ........ سر.........!" ساجدہ نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

"وہاٹ اے شیم"..........! جیلانی صاحب نے تاسف سے سرہلایا پھر فلورا کو گھورتے ہوئے بولے۔ "کاغذات کہاں ہیں؟"

"سب کچھ آپ کے آدمیوں نے قبضے میں لے لیا ہے سر........ بلکہ ان میں میرا پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ بھی ہے........" وہ قالین پر بیٹھے بیٹھے ہی روتے ہوئے بولی۔

مونچھوں والوں میں سے ایک نے بغل سے ایک بڑا اور دبیز سا خاکی لفافہ نکال کر جیلانی صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ جب وہ بغل سے لفافہ نکال رہا تھا تو اس کی قمیض ذرا ہٹی اور ساجدہ نے دیکھا اس کی بغل میں بیلٹ کے ذریعے سیاہ رنگ کی ایک خوفناک سی شکل والی گن بندھی ہوئی تھی۔ جس کا کچھ حصہ اس کے نیفے میں بھی اڑسا ہوا تھا۔

"کس سے سودا کیا تھا ان کاغذات کا؟" جیلانی صاحب نے میز کے عقب میں واپس جاتے ہوئے پوچھا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" فلورا نے نفی میں سرہلایا۔ اس کا چہرہ بدستور سفید تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"میں اس پر یقین نہیں کرسکتا۔" جیلانی صاحب نے نفی میں سرہلایا۔

"سارا معاملہ دراصل فرانسس کو ہینڈل کرنا تھا۔" فلورا سسکیاں سی لیتے ہوئے بولی۔ "اسے ہی کسی سے ٹپ ملی تھی کہ ہماری کمپنی میں ایسے کاغذات موجود ہیں جن کی بہت بڑی قیمت مل سکتی ہے۔ اسی نے مجھے اکسایا۔ سنہرے مستقبل کا لالچ دیا۔ میں اس کی باتوں میں آگئی۔ کاغذات لے کر ہمیں اسلام آباد جانا تھا۔ وہاں کوئی شخص انہیں چیک کر کے ہمیں ادائیگی کرتا اور لندن کے ٹکٹ وغیرہ بھی دیتا۔ سب کچھ فرانسس کو معلوم ہے۔ اسی کو سب کچھ کرنا تھا۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ تو ہوئی ہوگی؟" جیلانی صاحب نے پوچھا۔

فلورا نے نفی میں سرہلایا۔ "خریدار پارٹی نے سختی سے منع کیا تھا کہ کاغذات کی کسی قسم کی نقل تیار کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اگر انہیں علم ہوگیا کہ ایسی کوئی کوشش کی گئی تھی تو سودا منسوخ کر دیا جائیگا۔ فرانسس ویسے بھی احتیاطاً اس دن سے مجھ سے ملا ہی نہیں تھا جس دن سے میں نے کاغذات چرائے تھے۔ ہمیں صرف آج فلائٹ کے وقت ایئرپورٹ پر ملنا تھا۔"

"اس کا حلیہ بتاؤ۔ ہم اسے بھی ایئرپورٹ سے اٹھوالیتے ہیں۔" جیلانی صاحب کے لہجے میں ہلکی سی سفاکی تھی۔

فلورا نے گھڑی دیکھی اور بے چارگی سے بولی۔ "سوا گیارہ بج رہے ہیں۔ آپ کے آدمیوں کو ایئرپورٹ پہنچنے میں بھی خاصا وقت لگ جائیگا۔ طے یہ پایا تھا کہ اگر میں گیارہ بجے تک ایئرپورٹ نہ پہنچی تو وہ سمجھ لے گا کہ منصوبے میں گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اس کے بعد وہ نہ تو فلائٹ پکڑے گا اور نہ ہی ایئرپورٹ پر ٹھہرے گا بلکہ روپوش ہوجائیگا۔ اب وہ آپ کو ایئرپورٹ پر ہرگز نہیں ملے گا۔"

"بچانے کی کوشش کر رہی ہو اسے؟" جیلانی صاحب استہزائیہ سے انداز میں بولے۔

"اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنایا۔ اور تم اسے اب بھی بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم واقعی ایک عجیب لڑکی ہو۔"

نہیں........ میں اسے بچانے کی کوشش نہیں کر رہی........" فلورا نے تیزی سے نفی میں سرہلایا۔ "میں بالکل سچ بول رہی ہوں آپ میری بات کا یقین کیجئے۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ زندگی میں اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ یہ میری زندگی کی پہلی اور آخری ذلت تھی۔ اگر میں آپ کے عتاب سے بچ گئی تو میری کوشش ہوگی کہ کبھی ایسی غلطی نہ کروں۔ خواہ فاقوں سے مرجاؤں۔ میں آئندہ کبھی کسی کے اعتماد کو دھوکا نہیں دوں گی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دفعتہً جیلانی صاحب نے تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔ ان کے چہرے سے سفاکی اور کرختگی یکدم کہیں غائب ہوگئی۔ وہ ناگوار سے لہجے میں بولے۔ "مجھے اب تم سے، تمہاری کہانی سے یا تمہارے مستقبل کے عزائم سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو کیا واقعی وہ سچ ہے؟ کاش اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ ہوتا! میں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کرانا چاہتا جس کے بعد بڑے بڑے سخت جان سچ بولنے لگتے ہیں۔"

فلورا نے ایک نظر لمبی لمبی مونچھوں والوں کی طرف دیکھا وہ بھوکی نظروں سے اسے ہی گھور رہے تھے۔ اس نے جلدی سے نظر ہٹالی اور جیلانی صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ "میری بات کا یقین کیجئے........ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں........"

اس لمحے ساجدہ نے آنکھیں بند کرلیں اور دل ہی دل میں عکس کو یاد کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

"تمہیں اس وقت مجھ کو نہیں بلانا چاہئے تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟"

"اس وقت میں اپنی دنیا میں مصروف تھا۔"

"تمہاری مصروفیات کیا میرے بلاوے سے زیادہ اہم ہوگئی ہیں؟" ساجدہ کے دل کو دھچکا

سا لگا۔

"نہیں.......... نہیں.......... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ فوراً اپنے مخصوص دلکش انداز میں مسکرا دیا۔ "تمہارا بلاوا میرے لئے زندگی کی ہر مصروفیت سے زیادہ اہم ہے۔ اسی لئے تو پلک جھپکتے میں پہنچ گیا ہوں۔"

اس نے قریب آکر ساجدہ کا چہرہ ہاتھوں کے حلقے میں لے لیا۔ وہ تیزی سے، مگر بہ زبان خموشی بولی۔ "میں نے تمہیں صرف یہ جاننے کے لئے بلایا ہے کہ کیا یہ لڑکی سچ بول رہی ہے؟"

"ہاں.......... بالکل سچ بول رہی ہے۔" عکس نے بلا تامل جواب دیا۔ "اس کے دل میں اس وقت پچھتاوا ہی پچھتاوا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے.......... اب تم جاسکتے ہو.........." ساجدہ نے آنکھیں کھول لیں۔ عکس اس کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ جیلانی صاحب عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کہاں کھو گئی تھیں آپ؟" انہوں نے متجسس سے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے مسئلے کا حل تلاش کر رہی تھی۔" ساجدہ مسکرائی۔ "یہ لڑکی سچ بول رہی ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیجئے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے اور نہ ہی پہنچے گا۔ اس معاملے کو اب یہیں ختم کر دیجئے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" جیلانی صاحب ایک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"بس.......... یہ "میں" کہہ رہی ہوں۔ اتنا ہی کافی ہے۔" ساجدہ پلک جھپکائے بغیر بولی۔ لفظ "میں" پر اس نے بہت زور دیا تھا۔ جیلانی صاحب چند لمحے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے ہوئے پھر گویا نظر چرانے پر مجبور ہوگئے۔ ساجدہ کی آنکھوں میں جیسے آتشیں قمقمے روشن تھے۔ جیلانی صاحب اس کی نظروں میں ان غیر مرئی قمقموں کی تپش محسوس کرسکتے تھے۔

وہ ہتھیار ڈالنے کے سے انداز میں بولے۔ "میں آپ کی ذمہ داری پر اس معاملے کو یہیں ختم کرسکتا ہوں۔"

"میں ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے میں نے بات کی ہے۔" ساجدہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔

جیلانی صاحب چند لمحے پرخیال انداز میں فلورا کی طرف دیکھتے رہے پھر گہری سانس لے کر بولے۔ "ٹھیک ہے.......... تم جاسکتی ہو۔"

فلورا نے صرف ایک ثانئے کے لئے تشکر بھری نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھا پھر یوں اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی جیسے ہزاروں بلائیں اس کے تعاقب میں ہوں۔

○---------☆---------○

ایس ٹی کنسٹرکشن کمپنی میں ساجدہ کی ملازمت بڑے ٹھاٹ سے جاری تھی۔ وہ روز بنی سنوری، خوشبوؤں میں بسی اپنے ایئرکنڈیشنڈ دفتر میں بیٹھتی اور نہایت وقار و متانت سے اپنے فرائض انجام دیتی۔ اس کی نشست و برخاست اور انداز گفتگو میں روز بروز نکھار آتا جا رہا تھا۔

ادھر ہاجرہ بیگم نے بنگلے کے پورے نچلے حصے ہی کی چابیاں اس کے حوالے کر دی تھیں۔ ساجدہ نے ڈرائنگ روم، بیڈ روم اور اسٹڈی بڑے سلیقے سے سیٹ کی تھی۔ دو کمرے پھر بھی اس کے پاس فالتو تھے۔ اپنی ذمہ داری پر اس نے خوب چھان بین کر کے اپنے اور ہاجرہ بیگم کے لئے ایک مشترکہ ملازمہ رکھی تھی۔ اس کا رہن سہن اور رکھ رکھاؤ بہت بدل گیا تھا۔ کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹی سی گاڑی اسے مع ڈرائیور مل گئی تھی۔ ادھر ہاجرہ بیگم اس پر اتنی مہربان تھیں کہ اپنی اچھی خاصی گاڑی اس کے حوالے کرنے پر تیار تھیں جو ایک مدت سے گیراج میں کھڑی تھی اور دھول کے انبار میں دفن ہو رہی تھی۔

ساجدہ نے اس کی چابیاں مستقل طور پر تو نہیں لی تھیں لیکن اس کی صفائی اور سروس وغیرہ کروا کر اسے بھی صحیح حالت میں لے آئی تھی تاکہ جب کبھی کمپنی کی گاڑی میسر نہ ہو تو وہ کام میں آسکے۔ غرضیکہ اب وہ اس طبقے کی فرد نظر نہیں آتی تھی جس سے اس کا اصل تعلق تھا۔

اس روز وہ دفتر کانفرنس روم میں موجود تھی۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کا اجلاس جاری تھا۔ ساجدہ ایک طرف اپنی مخصوص نشست پر بیٹھی نوٹس لے رہی تھی۔ یہ ایک نہایت اہم اور رازدارانہ کانفرنس تھی۔ مشروبات وغیرہ بھی ابتدا میں ہی منگوا لئے گئے تھے۔ اس کے بعد دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ چپراسیوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔

ایک خلیجی ملک میں بہت بڑے ٹھیکے کے لئے کوٹیشنز طلب کی گئی تھیں۔ ان کی معلومات

کے مطابق گیارہ ایشیائی کمپنیاں اس کے لئے کوٹیشنز داخل کر رہی تھیں۔ خلیجی ممالک میں سب سے کم ریٹ پر کام کرنا کوئی خوبی نہیں سمجھا جاتا تھا اور محض اسی بنیاد پر ٹھیکہ نہیں ملتا تھا بلکہ کمپنی کی ساکھ اور کام کے معیار کو بھی مد نظر رکھا جاتا تھا۔ لیکن بہرحال سب سے کم ریٹ دینے والی کمپنی کی کوٹیشن پر سب سے پہلے غور کیا جاتا تھا۔

مختلف شعبوں کے سربراہوں نے بڑی باریک بینی اور چھان بین کے بعد اپنا تخمینہ پیش کر دیا تھا جس کے بعد مجموعی رقم کی کوٹیشن تیار کرلی گئی تھی۔ تمام ضروری کاغذات ڈائریکٹرز کے سامنے کانفرنس ٹیبل پر موجود تھے۔ غوروخوض صرف اسی موضوع پر جاری تھا کہ اس کوٹیشن کو فائنل کرکے بھیج دیا جائے یا نہیں؟

جیلانی صاحب کچھ مطمئن نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوٹیشن ہر کمپنی سے کم بھی ہو اور سب سے اچھے کام کی بھی وہ گارنٹی دے سکیں۔ سگار کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب تھے۔ ''..........کافی طویل عرصہ گزر گیا ہے کہ ہمیں کوئی اتنا بڑا اور اہم ٹھیکہ نہیں ملا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری ساکھ اب وہ نہیں رہی جو کسی زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ اگر یہ ٹھیکہ ہمیں مل جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ ہماری ساکھ بہت بہتر ہو جائیگی بلکہ مالی طور پر بھی ہم اس سے کہیں زیادہ مستحکم ہو جائیں گے جتنے اس وقت ہیں..........''

ایک لمحے کے لئے خاموش ہو کر انہوں نے سگار کا کش لیا۔ پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولے۔ ''میں نے ذاتی طور پر جو معلومات حاصل کی ہیں ان سے پتا چلا ہے کہ اس ٹھیکے کا زیادہ دارومدار اسی بات پر ہوگا کہ کون کم سے کم تخمینہ دیتا ہے۔ ہمارے مقابل اب گیارہ گھاگ قسم کی کمپنیاں ہیں۔ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ کون کیا کوٹیشن دے رہا ہے۔ ظاہر ہے ہماری طرح دوسروں کا بھی یہ خفیہ ترین معاملہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اچھی طرح سوچ سمجھ کر اپنے کاغذات فائنل کریں اور جمع کرائیں۔ ہمارے پاس ابھی وقت ہے۔ آپ سب لوگ کنسٹرکشن کے مختلف شعبوں کے ماہر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر آپ لوگ غوروخوض کرلیں کہ معیار گرائے بغیر ہم کہاں کہاں مزید کٹوتی کرسکتے ہیں۔ تاکہ تخمینہ مزید نیچے آسکے۔''

ایک ڈائریکٹر مدبر علی جو ملک کے مشہور آرکیٹیکٹ بھی تھے' کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔ ''ظاہر ہے ان سب پہلوؤں پر تو سبھی کمپنیاں اچھی طرح غوروخوض کرکے ہی کوٹیشن داخل کریں گی۔ یہ تو بہرحال ایک جؤا ہی ہے۔ اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔''

ساجدہ کی پنسل تیزی سے اسٹینو پیڈ پر حرکت کر رہی تھی۔ اس قسم کے اجلاسوں میں اصل اسٹینو گرافر کو نہیں بلایا جاتا تھا۔ اور اسٹینو گرافر کے فرائض ساجدہ ہی کو انجام دینے پڑتے تھے۔

دفعتہً ساجدہ کی پنسل رک گئی اور وہ سر اٹھاتے ہوئے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

''سر! اگر آپ گستاخی نہ سمجھیں تو میں کچھ عرض کروں۔''

سب کے سر بیک وقت اس کی طرف گھوم گئے۔ جیلانی صاحب یہی سمجھے کہ شاید اسے نوٹس لینے میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہے اور وہ اسی سلسلے میں کوئی سوال کرنا چاہ رہی ہے۔ شارٹ ہینڈ کی بہرحال اسے بہت زیادہ پریکٹس نہیں تھی۔

''کوئی پوائنٹ رہ گیا ہے کیا؟'' انہوں نے ملائمت سے پوچھا۔

''نہیں سر! اگر آپ لوگ برا نہ منائیں تو میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ....''

وہ ہچکچا کر رہ گئی جملہ مکمل نہ کرسکی۔

''کہو.......... کہو..........'' جیلانی صاحب نے اس کی ہمت بڑھائی۔

''اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ دوسری کمپنیاں کیا کیا تخمینہ دے رہی ہیں تب تو آپ ان سے کم تخمینہ دے سکتے ہیں نا؟'' ساجدہ نے پوچھا۔

جیلانی صاحب کے تاثرات میں تو کوئی فرق نہ آیا لیکن باقی ڈائریکٹرز کے چہروں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ آگئی جیسے ساجدہ نے کوئی بچگانہ سوال کر دیا ہو۔

جیلانی صاحب مربیانہ لہجے میں بولے۔ ''ظاہر ہے.......... لیکن یہ معلوم ہونا تقریباً ناممکن ہی ہوتا ہے۔ کنسٹرکشن کمپنیوں کا یہی تو سب سے بڑا راز ہوتا ہے اسے آخری وقت تک پوشیدہ رکھنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگی رہتی ہے۔''

''آپ مجھے ان کمپنیوں کے نام و پتے دے دیجئے۔ کل تک آپ کو ان کے تخمینے معلوم ہو جائیں گے۔'' ساجدہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

پانچوں ڈائریکٹرز کے چہرے پر تمسخر نمایاں ہوگیا۔ صرف جیلانی صاحب کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ چند ماہ کی ساجدہ کی ملازمت کے دوران انہیں یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ساجدہ کوئی بے بنیاد بات نہیں کرتی' کوئی کھوکھلا دعویٰ نہیں کرتی.......... لیکن باقی ڈائریکٹرز اس کی شخصیت سے کچھ زیادہ شناسا نہیں تھے کیونکہ انہیں ساجدہ سے شاذونادر ہی واسطہ پڑتا تھا۔

جیلانی صاحب ملائمت سے بولے۔ ''ساجدہ! ہم ہرگز نہیں چاہیں گے کہ تم اسپائی ایجنٹ بن کر ان کمپنیوں کے دفاتر میں متعلقہ کاغذات تلاش کرتی پھرو۔ اگر تم پکڑی گئیں تو ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ہماری کمپنی بلیک لسٹ ہو جائیگی۔ ویسے بھی یہ کام تین چار دن میں ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان میں سے بعض کمپنیوں کے ہیڈ آفس کراچی میں بعض کے لاہور میں اور بعض کے اسلام آباد میں ہیں۔''

''میرا اسپائی ایجنٹ بننے کا کوئی ارادہ نہیں سر!'' ساجدہ مسکرائی۔ ''اور نہ ہی مجھ میں ایسی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ میں تو اپنے گھر اور دفتر کے علاوہ کہیں نہیں جاؤں گی۔ تخمینے آپ کو بہرحال مل جائیں گے۔''

طویل و عریض کانفرنس روم میں ایک لمحے کے لئے بوجھل سکوت چھا گیا پھر مدبر صاحب ناگواری سے بولے۔ "میرا خیال ہے ہمیں اپنا قیمتی وقت مذاق اور فضول باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

ساجدہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔ وہ قدرے ناگواری سے بولی۔ "ٹھیک ہے.........اگر آپ لوگ اسے مذاق یا فضول باتیں سمجھ رہے ہیں تو میں اپنی پیشکش واپس لے لیتی ہوں.......... میں معذرت چاہتی ہوں کہ آپ کی اہم گفتگو میں دخل دیا۔"

"مدبر صاحب"! جیلانی صاحب نے ذرا سخت لہجے میں مدبر صاحب کو مخاطب کیا۔ "مس ربانی کو میں نے آج تک فرصت کے اوقات میں بھی کسی سے مذاق یا فضول بات کرتے نہیں سنا تو وہ اس اہم کانفرنس میں ایسی بات کیسے کرسکتی ہیں۔"

پھر وہ معذرت خواہانہ لہجے میں ساجدہ سے مخاطب ہوئے۔ "جو لوگ آپ کو زیادہ اچھی طرح نہیں جانتے، امید ہے آپ ان کی باتوں کا برا نہیں مناتی ہوں گی۔ آپ ڈس پیچر سے ان کمپنیوں کے نام اور پتوں کی ٹائپ شدہ فہرست لے لیجئے گا۔ اگر ہمیں دو دن تک بھی ان کے تخمینوں کا علم ہوسکے تو یہ اس کمپنی پر آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔"

کمپنی کی ایک ملازمہ سے منیجنگ ڈائریکٹر کو اس عاجزانہ لہجے میں بات کرتے دیکھ کر باقی ڈائریکٹرز اور خصوصاً مدبر صاحب کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہوگئیں۔ مگر وہ خاموش رہے۔

کانفرنس ختم ہوگئی۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈس پیچر نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ لا کر بڑے احترام سے ساجدہ کو پیش کیا۔ اس پر گیارہ کمپنیوں کے نام اور پتے موجود تھے۔

دوسرے روز جیلانی صاحب دفتر آئے تو تھوڑی دیر بعد ہی ساجدہ نے وہی کاغذ ان کے سامنے میز پر لے جا رکھا۔ ہر ایڈریس کے سامنے ایک لمبی چوڑی رقم لکھی ہوئی تھی۔

جیلانی صاحب کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ کاغذ کو اٹھا کر بغور اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ "ساجدہ! کیا واقعی یہی وہ تخمینے ہیں جو دوسری کمپنیاں اپنے ٹینڈروں میں درج کریں گی؟"

"یس سر!" ساجدہ نے متانت اور اختصار سے جواب دیا۔

"فوراً" ڈائریکٹرز کی ایک ہنگامی میٹنگ کال کرو۔" انہوں نے پرجوش لہجے میں حکم دیا۔

ساجدہ اپنے کمرے میں آکر ٹیلی فون اور انٹر کام پر میٹنگ کے پیغامات دینے لگی۔

عکس نے اس کے کہنے پر راتوں رات تمام تخمینے تو اسے لا دیئے تھے اور ساجدہ نے نہایت احتیاط سے انہیں نوٹ بھی کرلیا تھا۔ لیکن ابھی تک اسے خود بھی یقین نہیں تھا کہ تخمینے

درست تھے اور کیا واقعی اس کی وجہ سے کمپنی کا اتنا بڑا مسئلہ حل ہوگیا تھا؟

یہ جاننے کے لئے اسے وقت کا انتظار کرنا تھا۔

ساجدہ کو زیادہ عرصے انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند دن بعد ہی جیلانی صاحب کوٹیشن فائل کرنے کے لئے بذات خود ملک سے باہر چلے گئے۔

پورے گیارہ دن بعد وہ دوبارہ دفتر میں داخل ہوئے تو ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سب سے پہلے وہ ساجدہ کی میز پر پہنچے۔ بریف کیس رکھ کر انہوں نے بے اختیار، نہایت مشفقانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ڈسپلن کے معاملے میں وہ بہت سخت آدمی تھے۔ خود بھی ڈسپلن کی پابندی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع کرتے تھے لیکن اس روز وہ جیسے سب کچھ بھول بھال گئے۔ پرجوش انداز میں انہوں نے آوازیں دے دے کر سب کو وہیں جمع کیا۔ حتیٰ کہ جو ڈائریکٹر دفتر میں موجود تھے، انہیں بھی جیلانی صاحب کے بلاوے پر اسی کمرے میں آنا پڑا۔

"خواتین و حضرات!" انہوں نے تقریر کے انداز میں کہا.......... "آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مسز عکس کی فراہم کردہ معلومات بالکل درست نکلیں اور محض انہی کی بنیاد پر ہم خلیجی ممالک میں ٹھیکہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ خلیجی ممالک میں اس سے پہلے بھی ہم نے کئی ٹھیکوں پر کام کیا ہے۔ لیکن یہ ٹھیکہ ہمارے لئے بہت اہم تھا.........."

انہوں نے اپنے بریف کیس سے کاغذات کا ایک پلندہ نکال کر فتح کے جھنڈے کی طرح ہوا میں لہرایا۔ "یہ ہے وہ کنٹریکٹ......... یوں سمجھئے کہ اس کی وجہ سے آج ہماری کمپنی ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے.........؟ یہ سب کچھ مسز عکس کی وجہ سے ممکن ہوا۔ میرا خیال ہے ہم میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارا کوئی کارکن ساتھی ہمارے لئے اس طرح کا کارنامہ بھی انجام دے سکتا ہے۔ مس ربانی کے لئے تالیاں.........."

تالیوں سے ساجدہ کا چھوٹا سا کمرہ گونج اٹھا۔ سب اس کی طرف حیرت، بے یقینی اور رشک سے دیکھ رہے تھے۔ وہ وقار اور متانت سے اپنی کرسی پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ انداز میں کچھ انکساری بھی تھی۔

جیلانی صاحب میز کا سہارا لے کر قدرے جھکتے ہوئے ساجدہ کو بغور دیکھ کر بولے.........

"لیکن میں اس راز کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ صرف ایک رات میں آپ نے ہمیں گیارہ کمپنیوں کے تخمینے کیونکر فراہم کر دیئے؟ کمپنیاں بھی ایسی جن کے صدر دفاتر مختلف شہروں میں واقع ہیں؟"

ایک لمحے پرخیال سے انداز میں خاموش رہ کر ساجدہ دھیمے لہجے میں بولی......... "میں نے کہا نا......... کہ یہ ایک عجیب بے نام سی .... اور ناقابل وضاحت سی صلاحیت حاصل ہے

مجھے.......... بعض باتیں جو میں جاننا چاہتی ہوں' وہ پراسرار انداز میں مجھے معلوم ہو جاتی ہیں۔ کوئی غیبی سی قوت میرے کان میں سرگوشی کر جاتی ہے.........."

پھر دل ہی دل میں اس نے گویا احتیاطی پہلو بھی مدنظر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسی دھیمے لہجے میں بات جاری رکھتے ہوئے بولی.........."لیکن ہر معاملے میں ایسا نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہربات ہی مجھے معلوم ہو جائے.........."

"خیر......... جو بات معلوم ہو جاتی ہوگی وہی دوسری سو باتوں پر بھاری ہوتی ہوگی۔ اس کا مجھے تجربہ ہوتا جا رہا ہے.........." جیلانی صاحب بولے.........."سچی بات یہ ہے کہ میں اس قسم کی مخفی صلاحیتوں' اور پراسرار باتوں کا قائل نہیں تھا۔ لیکن آپ نے جس طرح اپنی آمد کے پہلے دن فلورا کی نشاندہی کی اور پھر جس طرح ہمیں اس ٹھیکے کے سلسلے میں معلومات فراہم کیں.......... اس کے بعد میں ان باتوں کا قائل ہوگیا ہوں۔ کم از کم آپ کی حد تک تو ضرور قائل ہوگیا ہوں۔ آپ خواہ کتنا ہی انکساری برتیں لیکن یہ بات طے ہے کہ آپ کو کوئی نہ کوئی پُراسرار قوت ضرور حاصل ہے.........."

"میں.........میں نہیں کہہ سکتی کہ اسے کیا نام دیا جائے........." ساجدہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے بے بسی آمیز سادگی سے بولی۔

"بہرحال......... یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی........." جیلانی صاحب کنٹریکٹ کے کاغذات بریف کیس میں رکھتے ہوئے بولے........"میں تو اس خوشی کے موقع پر ایک اہم اعلان کرنا چاہتا ہوں........."

انہوں نے مسکراتے ہوئے ساجدہ کی طرف دیکھا.........

"آپ نے کمپنی کے لئے جس خلوص کا مظاہرہ کیا اور جس طرح ہمارے مفاد کے لئے سوچا اس کا کوئی صلہ تو نہیں ہو سکتا......... لیکن ایک حقیری کوشش کے طور پر آپ کے گریڈ میں اضافہ کرتے ہوئے آپ کی تنخواہ بھی دو ہزار بڑھا رہا ہوں........."

ساجدہ نے اپنی دھڑکنوں میں بھی خفیف سا اضافہ محسوس کیا۔ وہ پہلے ہی جو تنخواہ لے رہی تھی وہ اس تنخواہ سے چار گنا تھی جو بطور ٹیچر اسے ملا کرتی تھی۔ اور اب اس میں دو ہزار کا اضافہ ہو رہا تھا! کچھ عرصہ پہلے تک ساجدہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی میں کبھی وہ اتنی تنخواہ لے رہی ہوگی اور اتنی سہولتیں اسے حاصل ہوں گی۔

مالی فوائد اور سہولتیں تو اپنی جگہ تھیں' اس سے بھی زیادہ ساجدہ کے لئے اطمینان' خوشی اور فخر کی بات یہ تھی کہ وہ اسٹاف کے اتنے بہت سے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی۔ سب کی آنکھوں میں اس کے لئے حیرت بھی تھی اور مرعوبیت بھی.........

ان میں پڑھی لکھی فیشن ایبل لڑکیاں بھی تھیں جو مختلف شعبوں میں کام کر رہی تھیں۔

لکھ پتی ڈائریکٹرز بھی تھے جو کمپنی میں حصہ دار تھے۔ بھاری تنخواہیں لینے والے ملازم ڈائریکٹر بھی تھے جو بہت کم کسی کو خاطر میں لاتے تھے......... مگر وہ سب اس طرح ساجدہ کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔

اس روز تو ساجدہ کو یوں مرکز نگاہ بننا اچھا لگا۔ اپنی اہمیت کے احساس سے گویا اس کی رگ و پے میں سرور سا دوڑتا رہا۔ لیکن اس دن کے بعد دھیرے دھیرے اس کے لئے مشکل سی کھڑی ہونے لگی۔

تقریباً روزانہ ہی دفتر کا کوئی نہ کوئی آدمی موقع پاکر اس کے پاس آجاتا اور اپنا کوئی مسئلہ لے کر بیٹھ جاتا۔ اس کی رہنمائی چاہتا۔ اس کی مدد سے مستقبل میں جھانکنے کا خواہاں ہو جاتا۔ کبھی کوئی اکاؤنٹ کلرک چلا آ رہا ہے اور ادھرادھر دیکھ کر ذرا شرمیلے سے لہجے میں کہہ رہا ہے

"ساجدہ بی بی.........! وہ......... دراصل میری بیوی آج کل امید سے ہے......... کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس مرتبہ ہمارے ہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ ویسے......... اللہ کے فضل سے پہلے میرے چار لڑکے ہیں........."

ساجدہ گھور کر اسے دیکھتی اور تحمل سے کہتی........."تو پھر اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ اگر اس مرتبہ لڑکی بھی ہوگئی تو تمہارا کوئی نقصان تو نہیں ہو جائے گا........."

"نہیں جی......... یہ بات نہیں ہے......... وہ دراصل........." کلرک کچھ کھسیانا سا ہو گیا۔

ساجدہ اپنا لہجہ قدرے سخت کرتے ہوئے کہتی........"بات دراصل کچھ بھی نہیں۔ خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت مت ضائع کرو۔ قدرت کو جو کچھ منظور ہے وہ ہونے دو......... اس قسم کے معاملات میں کچھ معلوم کرنا میرے بس میں نہیں........."

مگر دوسرے ہی دن کوئی سروئیر نہایت پرخیال انداز میں سر کھجاتا ہوا چلا آتا اور تخلیہ پاکر نہایت رازدارانہ انداز میں کہتا........"ساجدہ بی بی! میرے بڑے بھائی نے تین لاکھ روپے لگا کر مارکیٹ میں سینٹری کے سامان کی دکان کھولی ہے......... کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ دکان چل جائے گی یا نہیں؟ میں بھائی کی تاریخ پیدائش وغیرہ لکھ کر لے آیا ہوں........."

ساجدہ گہری سانس لے کر رہ جاتی اور غصہ ضبط کرتے ہوئے کہتی ...."نوید صاحب! میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ میں نجومی یا عامل نہیں ہوں۔ وہ تو اتفاق سے کبھی کبھار مجھے کوئی بات معلوم ہو جاتی ہے......... میں اس قسم کی پیشگوئیاں نہیں کر سکتی۔ مجھے ان باتوں کا کوئی علم نہیں ہے........."

ایک دن دفتر کی ایک سینئر آرکیٹیکٹ نوشابہ اس کے پاس چلی آئی۔ وہ اچھی بھلی پڑھی لکھی اور ماڈرن پختہ العمر لڑکی تھی۔ ایک خوشحال اور آزاد خیال گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔

ساجدہ سے اس کے کسی حد تک دوستانہ سے ہی مراسم تھے۔

اس روز وہ بھی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دھیمی سی آواز میں بولی۔ "ساجدہ! میں آپ کو اپنی ہمدرد سمجھ کر ایک انتہائی پرائیویٹ مسئلے میں آپ کی گائیڈنس لینا چاہتی ہوں.......... بات دراصل یہ ہے کہ آٹھ دس سال سے ہمارے ہاں میرے لئے رشتے آ رہے ہیں۔ اب بہت کم ہوگئے ہیں لیکن بہرحال کبھی نہ کبھی کوئی رشتہ آتا ہی رہتا ہے.......... لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ لوگ ایک دو مرتبہ آنے کے بعد آتے ہی نہیں.......... ابھی اصل بات بھی شروع نہیں ہوتی.......... کوئی ناپسندیدگی کا اظہار بھی نہیں کرتے.......... یکدم ہی غائب ہو جاتے ہیں.......... میری ایک خالہ کہتی ہیں کہ کسی نے کالا علم کرایا ہوا ہے۔ آپ اس کا کوئی حل، کوئی توڑ بتا سکتی ہیں؟"

ساجدہ اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنے ماڈرن اور آزاد خیال نظر آنے والے لوگ ایسے ضعیف الاعتقاد بھی ہوسکتے تھے۔ نوشابہ کی عمر زیادہ ضرور ہوگئی تھی لیکن بہرحال وہ خوش شکل تھی۔ گھرانہ بھی آسودہ حال تھا۔ ساجدہ خود بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھی کہ اس کے ہاں لوگوں کے پلٹ کر نہ آنے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی؟ تاہم وہ اس کے گھریلو ماحول اور گھروالوں کی عادات و اطوار سے واقف نہیں تھی اس لئے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

نوشابہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی.........."آپ تو بڑی روحانی قوت کی مالک ہیں۔ میری کچھ مدد کریں نا.........."

ساجدہ عجیب بے بس سے انداز میں ہنس دی۔ اس نے نوشابہ کو سمجھانے کی کوشش کی.........."بخدا میں کسی روحانی طاقت کی مالک نہیں ہوں۔ میں تو بالکل تمہاری ہی طرح ایک عام سی انسان ہوں.......... وہ تو یونہی بس کبھی کبھار خواب کی سی کیفیت میں کسی چیز کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ میرے لئے یہ کوئی اختیاری چیز نہیں ہے کہ جب جو چاہوں معلوم کرلوں.........."

معلوم کرنے کو وہ عکس سے شاید بہت سی باتیں معلوم کرسکتی تھی لیکن وہ ہر وقت اس کے سامنے سوالات کی قطار نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اور نہ ہی وہ چاہتی تھی کہ اس کی ان "صلاحیتوں" کی شہرت ہو۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے شروع کر دیئے تو لوگ جلد ہی اسے ایک پہنچی ہوئی پیرنی صاحبہ، بنا کر کسی اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیں گے۔

اس کے خیال میں یہ اس کے لئے مناسب نہیں تھا۔ وہ اس مقام کی اہل نہیں تھی اور یہ کبھی اس کے لئے ناخوشگوار بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ وہ اپنے اور عکس کے تعلق کو دنیا کی نظروں سے چھپا کر بس ایک عام سی، نارمل سی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اپنے گرد ہجوم دیکھنا نہیں چاہتی

تھی۔

اس کے خیال میں تو جیلانی صاحب نے یہ اچھا ہی نہیں کیا تھا کہ پورے اسٹاف کے سامنے اس بات کا اظہار کر دیا تھا کہ ساجدہ نے کمپنی کے لئے کیا خدمت انجام دی تھی۔ اس کی نظر میں یہ ایک اہم راز تھا جو اتنے لوگوں کے علم میں نہیں آنا چاہئے تھا.......... لیکن جیلانی صاحب کو اپنے اسٹاف پر بڑا اعتماد تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی بھی اس بات کو باہر نہیں لے جائے گا۔ خصوصاً مخالفین کے سامنے۔

اس کے علاوہ وہ اب اس لئے بھی کچھ بے پروا سے ہوگئے تھے کہ ٹھیکہ تو انہیں مل ہی گیا تھا۔ اب کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

ساجدہ نے نوشابہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ساجدہ ان معاملات میں بے بس ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ساجدہ اسے ٹرخانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بڑی مشکل سے ساجدہ نے اسے ٹالا۔ کمپنی کے ڈائریکٹر تک اپنے مسائل لے کر اس کے پاس آنے لگے۔ ان میں سے ایک تو یہی سمجھے کہ شاید ساجدہ صرف ان معاملات میں رہنمائی کرتی ہے جن میں اس کا کچھ فائدہ ہو چنانچہ انہوں نے ساجدہ کو معقول فیس یا نذرانہ پیش کرنے کا بھی ذکر کیا۔

ایک بار تو حقیقتہً ساجدہ کا بڑی شدت سے دل چاہا کہ نوکری وغیرہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہی کام شروع کر دے۔ عکس کی مدد سے وہ لوگوں کے بہت سے مسائل حل کر سکتی تھی، بہت سی اہم باتیں بتا سکتی تھی، بہت سے اہم رازوں کو بے نقاب کرسکتی تھی۔ وہ موٹی فیس یا نذرانہ وصول کرنا شروع کر دیتی تو شاید دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی ہوسکتی تھی.......... لیکن اس کا دل نہیں مانا.......... وہ اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ وہ عکس کو اتنے بہت سے مسائل میں گھسیٹنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنی خوشی سے جو کچھ ساجدہ کو بتا دیتا تھا، وہ اس سے استفادہ کرلیتی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ اپنی تمام تر قناعت پسندی کے باوجود وہ گھاٹے میں نہیں رہے گی۔

اس روز وہ دفتر سے گھر پہنچی تو ہاجرہ بیگم کی حالت بہت خراب تھی۔ اس سے پہلے بھی کئی بار وہ شدید بیمار ہوچکی تھیں۔ ساجدہ انہیں ہسپتال لے جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر بارہا اس نے پوری پوری رات ان کے سرہانے بیٹھ کر گزاری تھی۔

اس شام بھی اس نے ملازمہ کی مدد سے انہیں گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئی۔ تمام راستے وہ بے ہوش رہیں۔ انہیں ڈرپ لگی رہی اور اسی کے ذریعے انہیں انجکشن دیئے جاتے رہے۔

علی الصباح انہیں دھیرے دھیرے ہوش آیا اور انہوں نے ساجدہ کو اس طرح کرسی پر اپنے قریب بیٹھے پایا تو ان کی دھندلی دھندلی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ چند لمحے وہ کچھ نہ بول

سکیں۔ ان میں سکت ہی نہیں تھی۔ ساجدہ دھیرے دھیرے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔ ان کا سر سہلاتی رہی۔

کچھ دیر بعد ان کے ہونٹ ہلے اور ساجدہ ان پر جھک گئی۔ مدھم سی آواز میں انہوں نے پوچھا......"کیا وقت ہوا ہے؟"

پرائیویٹ کمرے میں وقت کا قطعاً اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ لائٹ جل رہی تھی اور دھیمی سی آواز کے ساتھ ایئرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی تو خود بھی حیران رہ گئی۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے اور وہ رات بھر اسی کرسی پر بیٹھی رہی تھی۔

اس نے وقت بتایا۔ ہاجرہ بیگم نے اپنا استخوانی اور سرد ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ شدت جذبات سے شاید وہ ساجدہ کا ہاتھ بھینچنا چاہتی تھیں مگر ان میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ لرزتی سی آواز میں وہ بولیں......"اور تم رات بھر یونہی میرے پاس بیٹھی رہی ہو؟"

"جی ہاں آنٹی"! ساجدہ نے یوں سرسری سے لہجے میں جواب دیا گویا کہہ رہی ہو کہ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟

"بس...... اب تم گھر جاؤ۔ اب میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ میرا خیال رکھنے کے لئے یہاں نرس، آیا سبھی تو موجود ہیں......" ان کی آواز اب گویا کمزوری سے نہیں، ممنونیت کے بوجھ سے دبی جا رہی تھی۔

"نرس...... ڈاکٹر...... آیا وغیرہ تو موجود ہوتے ہی ہیں آنٹی! لیکن بیمار کے پاس کوئی اپنا بھی تو ہونا چاہئے...... میں آپ کو اس طرح چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں؟ میں تو آپ کو ساتھ لے کر ہی گھر جاؤں گی......" ساجدہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تمہیں آفس بھی تو جانا ہوگا......" آنٹی کی دھندلی آنکھیں بدستور نم تھیں۔

"آفس جانا اگر ضروری ہوا تو میں یہیں سے منہ ہاتھ دھو کر کچھ دیر کے لئے چلی جاؤں گی ورنہ فون پر انہیں بتا دوں گی کہ میں نہیں آسکتی۔ یہ اتنے اہم مسائل نہیں ہیں آنٹی! اہم مسئلہ آپ کی صحت ہے......"

"تمہیں میری خاطر کتنی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے بیٹی!" وہ نہایت دھیمی اور لرزتی آواز میں بولیں۔

"آپ کی وجہ سے زندگی میں راحتیں بھی تو ملی ہیں آنٹی! ان کے مقابلے میں یہ تکلیف تو کچھ بھی نہیں...... مجھ پر آپ کے جو احسانات ہیں...... اور آپ نے جیسا مہربانی کا سلوک میرے ساتھ ہمیشہ کیا ہے...... کیا میں اسے بھول سکتی ہوں؟" ساجدہ نے حقیقی خلوص کی گرمجوشی سے ان کا سرد ہاتھ بھینچ لیا۔ اس کی آنکھوں میں بھی غیرارادی طور پر نمی تیرنے لگی۔

یہ حقیقت تھی کہ ہاجرہ بیگم کا سلوک اس کے ساتھ ماؤں والا ہی رہا تھا۔ ابتدائی ایک ماہ کے

دوران تو وہ کچھ محتاط سی رہیں۔ دونوں کے درمیان فاصلہ سا رہا۔ مگر پھر جیسے ہاجرہ بیگم نے اسے اچھی طرح پرکھ لیا، وہ اسے سمجھ گئیں۔ انہیں یقین ہوگیا کہ ساجدہ لالچی، خود غرض یا دوسروں پر مسلط ہونے والی عورت نہیں ہے۔ اس کے سینے میں ایک دردمند اور خلوص بھرا دل دھڑکتا ہے۔

پھر تو ان کا رویہ دھیرے دھیرے ایسا ہوتا گیا کہ انہیں دیکھ کر ہر ہر لمحے ساجدہ کو اپنی مرحومہ ماں زیب النساء بیگم یاد آنے لگتی تھیں...... ہاجرہ بظاہر سخت گیر اور بخیل سی عورت لگتی تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ ساجدہ کو اندازہ ہوا کہ کم از کم اس کے معاملے میں تو وہ انتہائی شفیق اور فراخدل تھیں۔ عملاً انہوں نے اپنا تمام گھربار، روپیا پیسا ساجدہ کو ہی سونپ دیا تھا۔

چند لمحے تک کمرے میں سکوت رہا۔ اے سی کی سرسراہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں ابھر رہی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے سینے میں امنڈ آنے والے آنسوؤں کے غبار کو دبانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

بالآخر ہاجرہ بیگم کی کمزور سی آواز ابھری......"سجو! میری بچی......! میری طبیعت اب آئے دن خراب رہنے لگی ہے...... جان کے لالے پڑ جاتے ہیں...... میرے سینے پر کچھ بوجھ ہے...... اسے میں اب اتار پھینکنا چاہتی ہوں۔ شاید یہی بوجھ مجھے چین سے مرنے بھی نہیں دیتا۔ شاید میری جان اسی میں اٹکی رہتی ہے......"

"کیا بوجھ آنٹی؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہاجرہ بیگم کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہو چکی ہے...... مگر یہ کون سا بوجھ تھا جس تک اس کی نظر نہیں گئی تھی؟

"یہی دنیا داری کا بوجھ بیٹی!" وہ دھیمے لہجے میں بولیں......"یہ جو بنگلہ ہے جس میں ہم رہتے ہیں...... کچھ روپیہ بینک میں رکھا ہے...... لاکر میں کچھ زیورات ہیں...... انہی کو سینے سے لگائے اور انہی کا خیال دل میں بسائے میں ایک مدت سے یہی سمجھتی رہی کہ بس یہی سب کچھ زندگی کا حاصل ہے......"

اس کے سوکھے اور پژمردہ ہونٹوں پر عجیب متاسفانہ سی مسکراہٹ رینگ آئی۔ ان کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ ساجدہ ہمہ تن گوش تھی۔ ڈرپ ختم ہو چکی تھی۔ نرس آکر ہاجرہ بیگم کے بازو سے سوئی نکال گئی تھی اور اب ان کے دونوں ہاتھ سینے پر تھے۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولیں......"بڑھاپے میں...... بلکہ یوں کہو کہ زندگی کے آخری دنوں میں جا کر یہ خیال آیا کہ میرے ہاتھ تو بالکل خالی ہیں۔ اگر تم بھی اتنی محبتیں لے کر میری زندگی میں نہ آئی ہوتیں تو میں کتنی تہی دست ہوتی...... چند دھندلی دھندلی یادوں کے سوا کچھ بھی تو نہ ہوتا میرے پاس...... اس عمر میں آکر خیال آیا کہ خدا کے حضور

پیش ہونے کے لئے تو میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں.......... بندگی کے فرائض ادا کرنے کا خیال بھی آیا تو اس عمر میں' جب اعضاء جواب دے چکے تھے۔ چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے پر بھی اپنا اختیار نہیں رہا تھا.......... بڑی شرمندگی ہے.......... بڑی ندامت ہے بیٹی.........!"

ہاجرہ بیگم کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ ساجدہ کا دل ہولے ہولے لرزنے لگا۔ ہاجرہ بیگم نے طویل سانس لی اور ان کے سینے میں گویا گہری خراش پڑ گئی۔ ایک لمحے کے لئے انہوں نے سینہ مسلا پھر بولیں.......... "تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ بنگلہ اور تمام روپیہ' زیور مجھے اس وقت اپنے اوپر کتنا بڑا بوجھ محسوس ہو رہا ہے۔ میں اب جلد از جلد اس سے جان چھڑا لینا چاہتی ہوں۔ میں سب کچھ تمہارے نام کر دینا چاہتی ہوں.........."

"مجھے ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے آنٹی!" ساجدہ ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

یہ بات اس نے خلوص دل سے کہی تھی۔ اپنے اندر کی اس تبدیلی پر ساجدہ کو خود بھی حیرت تھی۔ عکس کے مشورہ پر وہ اسی لئے ہاجرہ بیگم کے ہاں آئی تھی کہ ایک تو اسے سر چھپانے کا ٹھکانا میسر آ جائے گا۔ دوسرے مستقبل قریب میں اچھا خاصا بنگلہ بھی اسے مل جائے گا۔

لیکن اب جبکہ خاصے عرصے وہ اس بنگلے میں رہ چکی تھی' عارضی قسم کے اندیشوں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور اب جس طرح وہ ہاجرہ بیگم کو بے بسی سے بستر مرگ پر پڑے دیکھ رہی تھی' جس قسم کی ان کی باتیں سن رہی تھی' اس کے بعد اسے سب چیزیں بالکل بے وقعت اور بے معنی سی لگنے لگی تھیں۔

وہ جھک کر ان کی پیشانی چومتے ہوئے بولی.......... "اب بھی تو عملاً آپ نے سب کچھ مجھے ہی سونپ رکھا ہے.......... مجھے اب اندازہ ہی نہیں ہوتا.......... یاد ہی نہیں رہتا کہ کون سی چیز میری ہے اور کون سی آپ کی.......... اس لئے آپ کو ایسی باتوں پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ویسے بھی یہ کوئی وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا؟ ابھی تو آپ صرف یہ سوچیں کہ کب ہسپتال سے چھٹی ملتی ہے اور کب ہم گھر جاتے ہیں.........."

"نہیں بیٹا.........! یہ باتیں بہت ضروری ہیں.......... ویسے تو کچھ بعید نہیں کہ میں اس عالم میں پڑے پڑے یا گھسٹتے گھساتے دو چار سال اور گزار جاؤں۔ لیکن یہ بھی عین ممکن ہے کہ مجھے اس بار ہسپتال سے واپس جانا ہی نصیب نہ ہو.......... سانس کی کچی ڈور کسی لمحے بھی ٹوٹ سکتی ہے.......... اس لئے میں اپنا سب کچھ تمہیں رسمی طور پر نہیں بلکہ قانونی طور پر سونپنا چاہتی ہوں تاکہ کل کلاں کو تمہیں کوئی مشکل نہ ہو.........."

سانس درست کرنے کے لئے وہ چند لمحے خاموش رہیں پھر بولیں "میں تمہیں وصیت تو نہیں کر رہی.......... کیونکہ وصیت سے انسان پابند ہو جاتا ہے.......... اور میں تمہیں کسی بھی انداز میں پابند نہیں کرنا چاہتی ورنہ شاید زندگی کے کسی مقام پر تمہیں یہ خیال آ جائے کہ بڑھیا

بہت کچھ دے تو گئی لیکن ساتھ ہی ہاتھ پاؤں باندھ گئی.......... اس لئے میں جو کچھ کہہ رہی ہوں صرف نصیحت کے طور پر کہہ رہی ہوں.........."

"آپ کہئے تو سہی.........." ساجدہ آبدیدہ ہو کر بولی.......... "خدا نہ کرے کہ ابھی آپ کی وصیت کی نوبت آئے.......... آپ کی نصیحت بھی میرے لئے اتنی ہی اہم ہو گی کہ میں ہر قیمت پر اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی.........."

"میں چاہتی ہوں کہ میری جو نقد رقم اور زیورات تمہارے نام منتقل ہوں ان میں سے جس چیز کی تمہیں جس حد تک ضرورت ہو استعمال کرو' خرچ کرو.......... لیکن باقی سے کوئی ایسا کام کرنے کی کوشش کرنا جس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ ہو.......... لوگوں کو روزگار ملے.......... مالی فائدہ کی زیادہ فکر نہ کرنا.......... اس طرح شاید تمہاری بھی عاقبت سدھرے اور شاید تھوڑا بہت ثواب میرے حصے میں بھی آئے.......... شاید میری گناہ گار روح کو کچھ سکون نصیب ہو.........."

"جس حد تک بھی میری سمجھ بوجھ نے ساتھ دیا میں ضرور آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی.........." ساجدہ نے خلوص سے وعدہ کیا۔

"میں اس بوجھ کو منتقل کرنے کی ابھی بات ہی کر رہی ہوں تو میرے دل کو اطمینان ہونے لگا ہے.........." ہاجرہ بیگم قدرے آسودہ سی سانس لے کر بولیں۔ ایک لمحے کے لئے انہوں نے چھت پر نظر جما کر کچھ سوچا پھر سلسلہ کلام جوڑا.......... "بینک میں فکسڈ ڈپازٹ میں میرے تقریباً چالیس لاکھ روپے ہیں.........."

"چالیس لاکھ.........." بے اختیار ساجدہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.......... اچھی خاصی رقم ہے.........." ہاجرہ بیگم دھیمے لہجے میں بولیں.......... "میرے شوہر نے دراصل اچھے وقتوں میں جمع تو صرف سات لاکھ ہی کرائے تھے میرے نام.......... لیکن مجھے چونکہ آج تک کبھی اس میں سے رقم یا منافع نکلوانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس لئے منافع در منافع جمع ہوتے ہوئے اتنے برسوں میں وہ رقم چالیس لاکھ سے بھی اوپر ہو گئی ہے.........."

ساجدہ دم بخود بیٹھی سن رہی تھی۔ ہاجرہ بیگم نے بات جاری رکھی.......... "اس کے علاوہ کافی زیورات ہیں جو خان صاحب نے بڑے شوق سے مجھے مختلف اوقات میں بنوا کر دیئے تھے.......... خاصا پرانا زمانہ تھا وہ.......... ذرا بھاری زیورات کا رواج تھا اس وقت.......... محض نمائشی چیزیں نہیں ہوتی تھیں.......... بہرحال ان میں سے جو تمہیں پسند نہ آئے تڑوا کر دوبارہ بنوا لینا.......... یا ان میں سے جو کچھ بیچ کر کسی کام میں لگانا چاہو تو لگا لینا۔ یہ سب کچھ تو اب تمہارے اختیار میں ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ بانڈز اور سرٹیفکیٹس وغیرہ بھی ہیں۔ ان میں

سے کچھ منسوخ بھی ہوتے رہے ہیں مگر میں انہیں تبدیل کر کے دوبارہ جمع کراتی رہی ہوں............"

ساجدہ کو ایک لمحے کے لئے شبہ سا ہوا کہ شاید ہاجرہ بیگم اس سے مذاق کر رہی ہیں۔ اس کے ظرف' اس کی بے نیازی کو آزما رہی ہیں۔ اسے یہ تو اندازہ تھا کہ ہاجرہ بیگم کے پاس کچھ نہ کچھ روپیہ پیسہ محفوظ ہے۔ لیکن اسے کبھی یہ گماں بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ اتنی بڑی رقم اور زیورات وغیرہ کی مالک ہوں گی۔ اور کیا واقعی وہ یہ سب کچھ اس کے نام منتقل کرنے جا رہی تھیں؟ اسے یوں لگا جیسے ایک لمحے بعد وہ کمزور سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ دیں گی............ "ارے میں تو یہ سب کچھ اپنا اور تمہارا دل خوش کرنے کے لئے کہہ رہی تھی............ تم سنجیدہ مت ہو جانا............"

اگر وہ ایسا کہہ بھی دیتیں تب بھی ساجدہ کو کوئی ایسی مایوسی نہ ہوتی اسے ان چیزوں کا حقیقتہً لالچ نہیں تھا۔ وہ تو صرف حیرت زدہ تھی............ اب اس حیرت کی شکست شاید اس کے لئے ایک ناگوار تجربہ ہوتی۔

ہاجرہ بیگم کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولیں............ "خان صاحب کو میری بہت فکر رہتی تھی............ انہیں ہمیشہ یہی اندیشہ رہتا تھا کہ زندگی میں کبھی مجھے کوئی تنگی نہ اٹھانی پڑے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کچھ پتہ نہیں ہوتا انسان کے حالات کب پلٹا کھا جائیں۔ وہ ہر صورت حال کے لئے زیادہ مضبوطی کے ساتھ تیار رہنے کے قائل تھے۔ ہر چیز کا خوب بندوبست کر کے رکھتے تھے............"

ساجدہ پہلے بھی ان کی زبانی ان کے مرحوم شوہر کا تذکرہ بارہا سن چکی تھی اور ایسے موقعوں پر ہمیشہ ان کے لہجے میں ایک عجیب وارفتگی اور بیکراں محبت جھلک آتی تھی۔ مگر آج تو بات ہی کچھ اور تھی۔ آج تو جیسے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کے شوہر کا ہیولاان کے سامنے آ جائے اور وہ اس کے قدموں میں سر رکھ کر جان دے دیں۔

دھندلی آنکھیں گویا ماضی کے ویران کھنڈروں میں بھٹک رہی تھیں اور یادوں کا ایک ایک حسین موتی چن رہی تھیں۔ ہاجرہ بیگم بہت دور پہنچ چکی تھیں۔ ایک عرصے بعد خان صاحب کی یاد انہیں یوں سیلاب کی طرح اپنے ساتھ بہالے جانے کے لئے آئی تھی۔

ساجدہ نے ہاجرہ بیگم کے بیڈ روم میں خان صاحب کی تصویر دیوار پر آویزاں دیکھی تھی۔ بہت پرانی تصویر تھی۔ اس میں پیلاہٹ آن رچی تھی مگر اس کا سنہری فریم آج بھی چمک رہا تھا اور اس کے گرد ہمیشہ پھولوں کے چند ہار حمائل رہتے تھے۔ پھول سوکھ چکے تھے' سیاہ پڑ چکے تھے۔ ان کی بیشتر پتیاں جھڑ چکی تھیں............ مگر ان کی موجودگی کسی چاہنے والے کے انداز پرستش کی خبر دیتی تھی۔

تصویر میں خان صاحب ایک بار رعب شخصیت دکھائی دیتے تھے۔ ان کی موٹی موٹی مونچھیں اوپر کو مڑی ہوئی تھیں۔ چہرہ بیضوی اور آنکھیں غزالی تھیں۔ وہ موتیوں کی لڑیوں سی سجی ہوئی بڑی سی پگڑی اور اچکن پہنے ہوئے تھے۔ پورٹریٹ سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک وجیہہ اور خوبرو آدمی تھے............ ان کی شخصیت میں ایک نوابانہ شان کی جھلک تھی............ اور پرانے وقتوں میں وہ ہاجرہ بیگم کے لئے جتنا کچھ کر گئے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اچھے بھلے دولت مند آدمی تھے۔

جبکہ ہاجرہ بیگم معمولی اور عام سی شکل و صورت ہی کی مالک تھیں۔ انہیں کم از کم خوش شکلوں میں تو ہرگز شمار نہیں کیا جاسکتا تھا البتہ جوانی کی وہ جو اپنی ایک کشش اور تب و تاب ہوتی ہے' اس نے چند برس ضرور ان کی شخصیت کو جگمگایا ہو گا مگر وہ بھی نہ جانے کب کی بات تھی' ایک قصۂ پارینہ تھی۔ اگر اس نے خان صاحب پر اتنا گہرا اثر چھوڑا تھا تو یہ بجائے خود ایک حیرت کی بات تھی۔ اس کے علاوہ ہاجرہ نے خود اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ ساجدہ نے بھی کبھی انہیں کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس کا دھیان ایک بار پھر ہاجرہ بیگم کی سرگوشی نما آواز کی طرف چلا گیا۔ وہ کہہ رہی تھیں............ "خان صاحب کی زندگی میں تو مجھے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا............ لیکن ان کے انتقال کے بعد بھی مجھے کبھی کوئی تنگی اٹھانا نہیں پڑی............ کمی اگر محسوس ہوئی تو صرف انہی کی............ تب احساس ہوا کہ انسان اگر اپنی ضروریات محدود کرنا چاہے تو اس کی بھی کوئی انتہا نہیں............ اور اگر اپنی ضروریات کو پھیلاتا چلا جائے تو اس کی بھی کوئی انتہا نہیں............ میری گزر اوقات تو کرائے وغیرہ سے ہی ہوتی رہی............ اور یہ سب کچھ بچا ہی رہ گیا جو میں اب تمہارے سپرد کرنے جا رہی ہوں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ چیزیں زندگی میں کبھی بوجھ بھی محسوس ہونے لگتی ہیں............"

سسکی سی لے کر ایک لمحے کے لئے وہ خاموش ہو گئیں پھر ان کی آواز جیسے کچھ اور ڈوب گئی مگر انداز تکلم بدل گیا۔ وہ اپنے لئے "میں" کی بجائے "ہم" کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے بات کرنے لگیں۔ کبھی کبھی وہ اسی طرح بات کرتی تھیں۔ اس وقت شاید ان کا ذہن کسی اور ہی دور میں چلا جاتا تھا۔ نہ جانے کن بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتا تھا۔

"ہمیں دکھ یہ ہے کہ ہم خان صاحب کو کوئی وارث نہ دے سکے............" ان کے لہجے میں بیماریوں کی تکلیف کے علاوہ بھی ایک عجیب سا کرب تھا............ "لیکن خان صاحب نے ہمیں کبھی اس کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ وہ کبھی دوسری شادی کا خیال تک دل میں نہ لائے............ ہم آج بھی سوچتے ہیں کہ انہوں نے آخر ہم میں کیا دیکھا تھا جو زندگی یوں ہم پر نچھاور کر دی؟ ہم تو کسی بھی قابل نہیں تھے............ شاید یہ پرانے وقتوں کی روایتیں تھیں۔

وقت کے ساتھ رخصت ہوگئیں........... اب کون کسی کو اتنا چاہ سکتا ہے........... شاید اس میں بھی قدرت کی مصلحت ہی تھی کہ ہم انہیں کوئی وارث نہیں دے سکے........... کیونکہ ہم ان کی چاہت کے قابل ہونا تو درکنار' ایک طرح سے ان کے دامن پر دھبہ تھے..........."

"دھبہ...........؟" ساجدہ کو حیرت سی ہوئی۔

"ہاں........... آج ہم تم سے کچھ نہیں چھپائیں گے بیٹی.........! لیکن وعدہ کرو کہ ہماری اصلیت جاننے کے بعد تم ہم سے نفرت نہیں کرو گی .... ہم میں اب کسی کی نفرت سہنے کا حوصلہ نہیں ہے .... ان کے استخوانی سے ہاتھ میں جیسے کچھ جان سی آگئی اور انہوں نے ساجدہ کا ہاتھ کھینچ لیا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی!" ساجدہ مجروح سے لہجے میں بولی۔ "اس روز میں مرجانا پسند کروں گی جس روز آپ سے نفرت کی رمق میرے دل میں ابھرتی محسوس ہو..........."

ہاجرہ بیگم کے چہرے کی جھریوں کے درمیان طمانیت رینگ آئی۔ وہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں........... "ہم........... دراصل ہم .... کسی زمانے میں گایا کرتے تھے........... کوٹھے پر بیٹھتے تھے........... تم سمجھ سکتی ہو کہ ہمارا خاندانی پس منظر کیا تھا........... یہ بمبئی کی بات ہے........... لیکن ہم آج کل کی گانے والیوں کی طرح نہیں تھے........... ہم بس صرف گاتے ہی تھے .... لیکن ظاہر ہے ماتھے پر بازار کا ٹھپہ تو تھا........... خان صاحب گانا سننے آیا کرتے تھے........... وہ ہماری آواز کے سچے پرستار........... سچے عاشق تھے۔ صرف یہی ہمارے عشق کی بنیاد تھی .... ورنہ اور ہم میں کیا خوبی تھی؟ دولت مند اگر عاشق ہوتے ہیں تو خوبصورت طوائفوں پر عاشق ہوتے ہیں........... ہم تو خوبصورت نہیں تھے........... مگر خان صاحب فن کے سچے پرستار تھے۔

انہوں نے ہماری آواز کی وجہ سے ہم سے عشق کیا اور مرتے دم تک نبھایا۔ لیکن افسوس انہیں جوانی میں ہی موت آگئی........... کاش ان کی جگہ ہم مرگئے ہوتے..........."

ان کی آنکھوں کی نمی ان کی آواز میں بھی در آئی........... "وہ میری ماں کی تمام تر مخالفت اور دشمنی کے باوجود ہمیں اس ماحول سے نکال لائے۔ یہاں کراچی لے آئے........... اور ہمیں گویا ایک نئی زندگی دے دی۔ ان کی موت کے ساتھ ہماری زندگی کا ایک دور ختم ہوگیا تھا........... اور اب شاید دوسرا اور آخری دور بھی ختم ہونے کو ہے........... تنہائی اور کسمپرسی کا دور..........."

ساجدہ خاموشی سے ہاجرہ بیگم کو دیکھے جا رہی تھی........... آج انہوں نے اسے یکدم ہی بہت سی حیرتوں سے دوچار کیا تھا۔ ساجدہ تو ان کے قریب کچھ عرصہ ہی رہ کر یہ محسوس کر رہی

تھی کہ شاید وہ انہیں پوری طرح جان گئی ہے۔ مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ ابھی تک تو اس نے اس داستان کا ایک ورق بھی نہیں پڑھا تھا۔

بستر پر لیٹی ہوئی اس نحیف و شکستہ جاں' عمر رسیدہ عورت کو دیکھ کر شاید کسی کو گمان بھی نہ گزرتا کہ اس کے دامن میں بھی محبت کی ایک خوبصورت کہانی چھپی ہوئی تھی۔ ٹوٹ کر چاہنے والی کسی ہستی کی خوبصورت یادیں اس کا بھی سرمایہ تھیں۔

بہت دیر تک ساجدہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ہاجرہ بیگم کی سرگوشی نما آواز ایک بار پھر ابھری........... "ہم اس پر افسوس کر رہے تھے نا کہ ہم خان صاحب کو کوئی وارث نہیں دے سکے۔ لیکن ہم نے یہ بھی ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس میں بھی قدرت کی کوئی مصلحت رہی ہوگی۔ ہم اس قابل ہی نہیں تھے کہ ہم سے ان کی نسل چلتی........... اگر ہماری کوئی اولاد ہو بھی جاتی تو شاید خان صاحب کے خاندان کا کوئی فرد کبھی اسے آن ملتا' پہچان لیتا اور طعنہ دیتا کہ اس کی رگوں میں ایک گانے والی کا خون دوڑ رہا ہے۔ قدرت نے شدید میرے خان صاحب کی روح کو اس طعنے کے صدمے سے بچانا چاہا تھا..........."

چند لمحے بعد ہاجرہ بیگم کمزور سے انداز میں ساجدہ کا ہاتھ تھپکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں........... "تم خاموش کیوں ہوگئیں؟ کیا اپنی اصلیت کے بارے میں میرے انکشاف سے تمہیں صدمہ ہوا ہے؟"

ساجدہ جھرجھری سی لے کر خیالات کی دنیا سے باہر آتے ہوئے بولی .... "صدمہ تو مجھے اس بات کا ہو رہا ہے کہ جب آپ نے مجھے بیٹی کی طرح سمجھا تھا تو ابھی تک یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپائے رکھا؟"

"میں ڈرتی تھی نا........... بڑی مشکل سے تو کسی پر اعتبار جما تھا........... میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے بھی کھو دوں۔ تم نے آکر میری اجڑی اجڑی سی زندگی کو سہارا دیا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہاری نظر میں بھی میری وقعت ختم ہو جائے۔ آج کل زمانے میں عزت کے معیارات کا کچھ پتا نہیں چلتا........... کسی کی نظر میں عزت کا معیار کچھ ہے' کسی کی نظر میں کچھ........... میں نے تو برسوں سے بہت احتیاط اپنا رکھی ہے........... کبھی کسی کو اپنے ماضی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونے دیا..........."

"یہی تو مجھے بھی حیرت ہو رہی ہے..........." ساجدہ بولی........... "میں سمجھتی تھی کہ میں نے آپ کے گھر کی تقریباً' ہر چیز دیکھی ہوئی ہے .... لیکن کبھی کسی چیز سے آپ کے پس منظر کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملا۔ کبھی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ گانا کبھی آپ کا پیشہ رہا ہے..........."

"یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے پاس اس دور کی ایک نشانی نہیں تھی .... بہت سی

نشانیاں تھیں.......... ہاجرہ بیگم بولیں .... "تصویریں تھیں.......... راجوں' مہاراجوں.......... اور نوابوں کی محفلوں میں ہمارے گانے کے دوران کی کچھ تصویریں محفوظ رہ گئی تھیں.......... اس کے علاوہ ہم نے تو تقسیم سے پہلے کی کچھ فلموں میں بھی گانے گائے تھے.......... ان کے بڑے بڑے بھاری بھرکم سے چند ریکارڈ بھی تھے اس زمانے کے..........

لیکن خان صاحب کے انتقال کے بعد ہم نے ساری تصویریں پھاڑ دیں۔ سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ اپنی یہ سب قیمتی نشانیاں ضائع کر دیں۔ جب ہماری آواز کا عاشق ہی نہ رہا تو پھر ان نشانیوں کو رکھ کر کیا کرنا تھا۔ کیا میں نے غلط کیا؟" انہوں نے نہایت سادگی سے پوچھا۔

ساجدہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس کی آنکھیں نمی سے دھندلائی جا رہی تھیں!

کئی لمحے وہ خاموش رہی ....اس کے حلق میں آنسوؤں کا غبار کچھ کم ہوا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی ...."نہیں .... آپ نے بہت اچھا کیا .... چاہت سے زیادہ قیمتی سرمایہ تو کوئی نہیں ہوتا .... جب چاہنے والا ہی نہ رہا تو ان بے جان چیزوں کا آپ کے پاس کیا مصرف ہوتا؟ ایسی چیزیں تو انسان کسی ایسی ہستی کو ہی دکھا کر خوشی حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں آپ کے لئے محبت ہی محبت ہو .... کسی اور کو بھلا آپ کے عروج و زوال' بے ہنری یا کمال سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے.........."

"بہت اچھی بات کی ہے تم نے ...." ہاجرہ بیگم کے چہرے پر جیسے ہلکی سی تازگی آ گئی۔ "دل خوش کر دیا .... برسوں کی تنہائی اور بے کیفی کے بعد تمہارے روپ میں مجھے ایک ایسی ہستی ملی تھی جو انسانوں کے دکھ درد کو' ان کے مسائل کو' ان کے دل کی باتوں کو سمجھتی تھی .... لیکن افسوس کہ تمہارے ساتھ دوستی کا یہ دور زیادہ طویل ثابت نہیں ہو سکے گا۔ مجھے اب قطعاً امید نہیں رہی کہ میں زیادہ دن جی سکوں گی .... کاش تم مجھے بہت پہلے مل گئی ہوتیں.........."

"میں کیسے مل سکتی تھی جب اوپر والے کو منظور نہیں تھا.........." ساجدہ ملائمت سے بولی ...."اور آپ یہ اتنی مایوسی کی باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ آپ ابھی برسوں جئیں گی۔"

ہاجرہ بیگم تھکے تھکے سے انداز میں ہولے سے یوں مسکرا کر رہ گئیں جیسے بہ زبان خموشی کہہ رہی ہوں.........."ان طفل تسلیوں کا بہت شکریہ!"

دو دن بعد ہاجرہ بیگم گھر منتقل ہو گئیں۔ اس سے اگلے ہی روز ساجدہ کو انہوں نے آفس میں فون کیا.........."سجو! ویسے تو مجھے معلوم ہے تم آفس سے سیدھی گھر میں آتی ہو .... لیکن پھر بھی آج میں محض احتیاطاً تمہیں فون کر رہی ہوں کہ دفتر سے اٹھ کر ادھر ادھر کہیں مت جانا.......... سیدھی گھر آنا.......... ایک صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے.........."

"میرا انتظار؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں .... میں نے انہیں بطور خاص بلا رکھا ہے.........." وہ بولیں۔ ساجدہ نے مزید کچھ معلوم کرنا چاہا مگر ہاجرہ بیگم اسے تجسس میں مبتلا کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مزید کچھ نہ بتایا اور فون بند کر دیا۔

گھر پہنچتے ہی ساجدہ کا تجسس ٹوٹ گیا۔ وہ دراصل ہاجرہ بیگم کے وکیل تھے جنہیں انہوں نے بلا رکھا تھا۔ ان کا نام احسان اللہ تھا۔

ہاجرہ بیگم نے ان سے ساجدہ کا تعارف کراتے ہوئے کہا ...."وکیل صاحب! یہ ہے میری منہ بولی بیٹی ساجدہ جس کے بارے میں میں اتنی دیر سے آپ سے باتیں کر رہی ہوں.........."

"اوہ ....!" احسان اللہ نے نہایت گہری نظروں' سے ساجدہ کا سرتاپا جائزہ لیا۔ وہ لمبا اور دبلا پتلا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ آنکھیں بڑی شاطر تھیں۔ اس کی شخصیت میں وکیلوں والا مخصوص وقار اور متانت نہیں تھی۔ پہناوے سے آسودہ حال آدمی دکھائی دینے کے باوجود چہرے مہرے سے وہ ایک لالچی شخص معلوم ہوتا تھا۔

ساجدہ کئی بار ہاجرہ بیگم کی زبانی اس کا تذکرہ سن چکی تھی۔ وہ ہاجرہ بیگم کا مستقل وکیل تھا۔ انہیں جب بھی کسی معاملے میں قانونی مدد یا کسی خاص نوعیت کے دفتری کام میں بھاگ دوڑ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ احسان اللہ ہی کو فون کرتی تھیں مگر ساجدہ نے آج تک اس شخص کو دیکھا نہیں تھا۔ آج اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس کے محسوسات کو خفیف سا دھچکا لگا۔ ساجدہ کے ذہن میں اس شخص کا خاکہ ذرا مختلف تھا۔ خصوصاً" اس کی لالچی آنکھیں ساجدہ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھیں۔ اسے حیرت تھی کہ ہاجرہ بیگم جیسی جہاندیدہ عورت نے اس قسم کی آنکھوں والے شخص کو کیسے وکیل کیا ہوا تھا۔

لیکن وہ چونکہ لوگوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک خوش گمان رہنے کی قائل تھی۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو سمجھایا ...."ساجدہ بیگم! ابھی تم اتنی بقراط نہیں ہوئیں کہ محض آنکھیں دیکھ کر کسی کے بارے میں فیصلے صادر کر سکو.......... یہاں تو انسان کا پورا سراپا دھوکا دے جاتا ہے۔ بڑے معصوم' مسکین اور مجہول نظر آنے والے کیسے شاطر و مکار نظر آتے ہیں اور بعض بڑے تیز و طرار' شاطر اور چلتے پرزے نظر آنے والے درحقیقت اندر سے کیسے بے وقوف اور سادہ لوح ہوتے ہیں.........."

ویسے بھی احسان اللہ سے ہاجرہ بیگم کا بہت پرانا واسطہ چلا آ رہا تھا۔ اگر وہ کبھی ان کے لئے ضرر رساں ثابت ہوا ہوتا تو وہ ضرور اس سے قطع تعلق کر چکی ہوتیں۔

ساجدہ بیٹھ چکی تو وہ گہری سانس لے کر ہاجرہ بیگم سے مخاطب ہوا ...."اچھا .... تو یہ ہیں وہ خاتون جن کے نام آپ اپنا سب کچھ کر رہی ہیں!"

"جی ہاں .... یہ لڑکی میری زندگی کے آخری دنوں میں مسرت کی کرن بن کر آئی ہے .... بڑا آرام اور بہت خوشیاں دی ہیں اس نے مجھے .... بہت خدمت کی ہے میری ...." ہاجرہ بیگم والہانہ لہجے میں بولیں۔

اس بار جب سے ہاجرہ بیگم ہسپتال سے آئی تھیں' انہی کی فرمائش پر ساجدہ انہیں آنٹی کے بجائے امی کہنے لگی تھی اور اسے احساس ہوا تھا کہ بعض اوقات اس کے منہ میں مٹھاس گھل جاتی تھی۔ اسے یہی محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کے ایک موڑ پر کھوئی ہوئی ماں اسے دوبارہ مل گئی تھی۔

وہ شرمسار سے لہجے میں بولی ...."میں نے تو آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کیا امی! زندگی نے مہلت نہیں دی .... میرا بس چلتا تو دن رات کا ہر لمحہ آپ کے قدموں میں بیٹھ کر گزارتی .... دل بہت تشنہ ہے......... شاید اس طرح دل کو کچھ سکون ملتا .... اور پھر جو کچھ میں نے کیا ہے وہ اس لئے نہیں کیا مجھے آپ کے روپے پیسے یا جائیداد کی صورت میں اس کا صلہ چاہئے تھا......... میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں ...." اس کی آواز رندھ گئی۔ اس کے جذبات اب درحقیقت یہی تھے۔ ایک طویل عرصے سے وہ بھول چکی تھی کہ ابتداء میں وہ عکس کے مشورے پر اسی کشش کے تحت یہاں آئی تھی۔

"مجھے یقین ہے .... مجھے یقین ہے ...." ہاجرہ بیگم جلدی سے بولیں۔ وہ بدستور بستر علالت پر ہی تھیں۔ آواز میں بے پناہ نقاہت تھی۔ ذرا تیزی سے بولنے کی کوشش کرتی تھیں تو سانس اکھڑنے لگتا تھا۔

ساجدہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک لمحے بعد وہ سنبھل کر بولیں۔ "جو تمہارے بس میں تھا وہ تم نے کیا .... اب جو میرے بس میں ہے وہ میں کرنا چاہتی ہوں .... وکیل صاحب نے تمام کاغذات تیار کرلئے ہیں .... اور میں نے ان پر دستخط بھی کر دیئے ہیں۔ صبح ہم تینوں کو رجسٹرار کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ امید ہے کل ہی یہ بنگلہ تمہارے نام منتقل ہونے کی کارروائی مکمل ہو جائے گی۔ ایک آدھ دن میں مجھے اپنے ساتھ بینک بھی لے چلنا۔ میں تمام روپیہ وغیرہ تمہارے نام منتقل کرا دوں گی۔ اس کام میں تو ہمیں وکیل صاحب کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی .... میں چاہتی ہوں کہ جب تک ہاتھ پاؤں تھوڑے بہت چل رہے ہیں تبھی یہ کام ہو جائیں .... ایسا نہ ہو کہ دستخط کرنے سے بھی معذور ہو جاؤں........."

"امی! میں ایک بار پھر یہی کہوں گی کہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے......... اگر آپ کی نظر میں ان کا کوئی بہتر مصرف ہے تو انہیں استعمال میں لے آئیں ...." ساجدہ بولی۔

"میری نظر میں اس کا بہترین مصرف یہی ہے جس کا میں نے فیصلہ کیا ہے........." ہاجرہ بیگم غیر متزلزل لہجے میں بولیں۔ احسان اللہ اس دوران مسلسل گہری نظر سے ساجدہ کا جائزہ لے

رہا تھا جیسے اس کی ذات سے مکمل آگہی حاصل کرلینا چاہتا ہو .... مگر اس کی تمام تر جہاندیدگی کے باوجود شاید یہ اس کے لئے ایک مشکل کام تھا۔

وہ اپنے مخصوص شاطرانہ لہجے میں ساجدہ سے مخاطب ہوا........." ارادہ تو ان کا پہلے کچھ
اور ہی تھا۔ یہ اپنا سب کچھ ایک نہایت مشہور فلاحی ٹرسٹ کے نام چھوڑنا چاہتی تھیں .... مگر
پھر نہ جانے کب درمیان میں آپ آگئیں......... اور آپ نے ان پر نہ جانے کیا جادو کر دیا
........."

"آپ اتنی دیر سے ان کے پاس بیٹھے ہیں .... کیا آپ ابھی تک معلوم نہیں کرسکے کہ
میں نے ان پر کیا جادو کیا ہے؟" ساجدہ نے زہر میں بجھے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں .... یہ کچھ خدمت وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں ...." وہ ایک عجیب سے تجاہل
عارفانہ سے بولا جس میں حقارت کی بھی آمیزش تھی ...."اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ ہاجرہ بیگم
یکدم اتنی مہربان بھی ہوسکتی ہیں تو چند دن ہم ہی ان کی خدمت کر لیتے........." اس نے ایک
بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور یوں گویا اپنی دانست میں بات مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی مگر اس کے
لہجے میں دبی ہوئی حسرت ساجدہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

"آپ کو شاید پھر بھی کچھ نہ ملتا .... ان باتوں کا مقدر سے بھی بڑا تعلق ہے........."
ساجدہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"بلکہ مقدر ہی سے تعلق ہے ...." احسان اللہ نے اثبات میں سر ہلایا پھر وہ گویا بادل
نخواستہ اپنا لہجہ معذرت خواہانہ بناتے ہوئے بولا ...."ویسے آپ میری باتوں کا برا مت مانئے
گا۔ میں یونہی خواہ مخواہ بعض لوگوں کے لئے اپنے دل میں اپنائیت محسوس کرتے ہوئے پہلی ہی
ملاقات میں کچھ بے تکلف سا ہو جاتا ہوں .... بلکہ بعض اوقات تو نجی باتوں میں بھی دخل
دینے لگتا ہوں ...."

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا ...."ویسے ڈاکٹر اور وکیل کا پیشہ بھی ایسا ہی ہے
.... وہ نہ بھی چاہیں تب بھی انہیں اکثر لوگوں کی نجی زندگی میں دخیل ہونا پڑتا ہے۔"

"جی ہاں .... یہ بات تو ہے........." ساجدہ قدرے ملائمت سے بولی ...."لیکن
دخل دینے کا بھی اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ بعض لوگ کسی کی نجی زندگی میں دخل دیتے ہیں تو ایسا
محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی پر شب خون مار رہے ہیں۔"

"کبھی کبھی شب خون مارنے سے بہت سے حقائق کی گمشدہ کڑیاں بھی ہاتھ آ جاتی ہیں
........." احسان اللہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا......... اس کا لہجہ فلسفیانہ ہرگز نہیں
تھا۔ پھر وہ پہلو بدلتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولا ...."ہاجرہ آپا بتا رہی تھیں کہ آپ
کے شوہر ملک سے باہر ہیں۔ جب سے آپ اس گھر میں آئی ہیں' کیا وہ ایک مرتبہ بھی نہیں

آئے؟ یہ دیکھنے بھی نہیں آئے کہ آپ اس گھر میں کیسے رہتی ہیں؟"

ساجدہ کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں مگر اب وہ ایک بزدل' شرمیلی اور ڈرپوک عورت نہیں تھی۔ ذہنی طور پر وہ ہر وقت مستعد رہتی تھی۔ احسان اللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ نہایت پراعتماد لہجے میں بولی ...."مجھے اس گھر میں آئے ہوئے تقریباً" ایک سال ہوا ہے۔ میرے یہاں آنے سے چند دن پہلے ہی میرے میاں پاکستان میں تعطیلات گزار کر واپس گئے تھے۔ انہیں کم از کم دو سال بعد چھٹی ملتی ہے۔ ویسے انہیں وہاں اس سے زیادہ عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔ وہ جس کمپنی میں کام کرتے ہیں اس کا تعلق دفاعی منصوبوں سے سیکیورٹی وغیرہ کا نام بہت سخت ہے۔ وہ لوگ جو پراجیکٹ شروع کرتے ہیں اس کے ختم ہونے تک کسی ملازم کو ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوتی........."

یہ کہہ کر ساجدہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی پھر تیکھے لہجے میں بولی ...."یہ تو تھا آپ کے سوال کا تفصیلی جواب .... مزید کوئی سوال کرنا چاہیں تو وہ بھی شوق سے کیجئے۔ آپ کی "تفتیش" مکمل ہو جائے تو میں ذرا نیچے جانے کی اجازت چاہوں........."

احسان اللہ ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر بولا ...."میں آپ کے لہجے میں اپنے لئے ناپسندیدگی کی لہر بخوبی محسوس کر رہا ہوں ساجدہ صاحبہ! لیکن میں اپنے پیشے سے مجبور ہوں۔ ایک وکیل کی حیثیت سے اپنے کلائنٹ کے مفادات کی حفاظت کرنا میرا اولین فرض ہے۔ اس ضمن میں اکثر و بیشتر مجھے بہت سے لوگوں کی ناپسندیدگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن میں اس کے لئے ذہنی طور پر تیار رہتا ہوں .... برا نہیں مانتا۔"

اس سے پہلے کہ ساجدہ کوئی جواب دیتی' ہاجرہ بیگم اپنا استخوانی سا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولیں ...."بھئی یہ کیا لڑائی سی شروع کر دی تم لوگوں نے .... میں نے تو تم دونوں کو صرف اس لئے بلایا تھا کہ کل کا پروگرام طے کرلیا جائے........."

تب احسان اللہ اصل موضوع پر آتے ہوئے بولا ...."آپ کو کل تقریباً" دو گھنٹے کے لئے آفس سے چھٹی کرنا ہوگی ساجدہ بی بی! ہم تینوں کو رجسٹرار کے دفتر چلنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے ابھی امی کی صحت اس قابل نہیں ہے .... اس کام کو مزید چند دن کے لئے ملتوی ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے........." ساجدہ بولی۔

"نہیں .... نہیں ...." ہاجرہ بیگم خود ہی بات کاٹتے ہوئے بے تابی سے بولیں۔ "میں کسی نہ کسی طرح چلی چلوں گی۔ تم میری فکر نہ کرو........."

ساجدہ خاموش ہوگئی۔ پروگرام طے ہوچکا تو کچھ دیر بعد احسان اللہ اجازت طلب کر کے رخصت ہوگیا۔

اس کے جاتے ہی ساجدہ صاف گوئی سے بولی ...."امی؟ آپ کا یہ وکیل مجھے ایک

آنکھ نہیں بھایا......... مجھے تو یہ ٹھیک آدمی نہیں لگتا........."

"مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ تمہیں یہ شخص اچھا نہیں لگا۔ میری اپنی بھی اس کے بارے میں رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے .... لیکن بیٹی! اس میں کوئی شک نہیں کہ وکیل بہت اچھا ہے .... میرے بعض فسادی قسم کے کرائے دار اور جن کا ارادہ یہی تھا کہ بڑی بی مریں تو وہ مکان پر قبضہ کریں' ان سے مجھے نجات دلانا اسی وکیل کا کام تھا۔ اس کے تعلقات بڑے عجیب عجیب لوگوں سے ہیں۔ جہاں قانونی مجبوریاں آڑے آ جائیں یا سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلے وہاں یہ ٹیڑھی انگلیوں سے نکال لیتا ہے........."

"ایک وکیل کو ایسا نہیں ہونا چاہئے امی! یہ تو بڑا معززانہ پیشہ ہے۔ قانون پرستی اس کی بنیاد ہے۔ ایک وکیل اگر خود ہی قانون کا مکمل تابع نہیں ہوگا تو وہ کسی کو انصاف کیا دلائے گا........." ساجدہ دکھ سے بولی۔

"تم ذہنی طور پر بہت اچھے زمانوں میں رہتی ہو ساجدہ بیٹی!" ہاجرہ بیگم مربیانہ انداز میں مسکرائیں ...."وہ زمانے کب کے گزر چکے ہیں چندا! یہ دنیا آئیڈیلسٹ لوگوں کے لئے موزوں نہیں رہی .... انہیں قدم قدم پر دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ ہر دوسرا آدمی انہیں برا لگتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں اتنا مس فٹ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا مرجانے کو جی چاہنے لگتا ہے .... میں یہ نہیں کہتی کہ تم آئیڈیل ازم بالکل ہی چھوڑ دو......... تم اپنے آئیڈیل ازم پر قائم رہو لیکن احسان اللہ جیسے لوگوں کو بھی آج کے دور کی ضرورت سمجھ کر برداشت کرتی رہو........."

"اگر آئیڈیلسٹ لوگ ایسے انسانوں کو' ایسی باتوں کو برداشت کرنا سیکھ لیں .... سر جھکانا' کمپرومائز کرنا سیکھ لیں تو پھر وہ آئیڈیلسٹ ہی کیوں کہلائیں۔" ساجدہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "ایسے لوگ کسی کے بارے میں اپنے رد عمل کو' اپنے محسوسات کو چھپا بھی نہیں سکتے۔ اس لئے میں نے نہ تو احسان اللہ کے سامنے خوش خلقی کا نقاب اوڑھنے کی کوشش کی اور نہ ہی آپ سے اپنے رائے چھپائی ہے۔ معلوم نہیں کیوں یہ شخص مجھے خود غرض اور دھوکے باز سمجھنے پر تلا ہوا تھا۔" ساجدہ کے رخسار حقیقتاً ایک عجیب سی توہین کے احساس سے تپ رہے تھے۔

ہاجرہ بیگم اس کی کیفیت سے شاید اسی طرح محظوظ ہو رہی تھیں جیسے کوئی بزرگ کسی ننھے سے بچے کو کسی معمولی سی بات پر خفا ہوتے اور کڑھتے دیکھ کر محظوظ ہوتا ہے۔ وہ مشفقانہ لہجے میں بولیں۔ "بیٹا! ہر انسان دنیا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے نا ....! تم اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ٹھیک' کتنی ہی اچھی ہو مگر کبھی توقع مت رکھو کہ ہر ایک کو تم ویسی ہی نظر آؤ گی۔"

پھر انہیں جیسے کچھ یاد آیا اور وہ گویا مزید محظوظ ہوتے ہوئے بولیں۔ "تمہارے آنے سے

پہلے وہ بڑی اپنائیت' بڑی محبت سے مجھے سمجھا رہا تھا کہ اس فیصلے میں مجھے جلد بازی نہیں کرنی چاہئے اور اگر وصیت لکھوانی ہی ہے تو اس میں یہ لکھواؤ کہ میری موت کے بعد سب کچھ تمہارا ہوگا۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آپ ابھی سب کچھ اسے سونپ رہی ہیں لیکن زندگی موت کا تو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ فرض کیجئے اپنی تمام تر بیماریوں کے باوجود آپ پانچ سات سال مزید زندہ رہیں تو کیا آپ کے خیال میں یہ عورت اسی طرح آپ کا خیال رکھے گی؟ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ خدانخواستہ گلیوں میں ٹھوکریں کھانے والا پتھر نہ بن جائیں کافی دیر تک وہ مجھے اس نکتے کا قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔"

"آپ نے کوئی منہ توڑ قسم کا جواب نہیں دیا اسے؟"

"نہیں .... مجھے اپنی توانائی ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" ہاجرہ بیگم اطمینان سے بولیں۔ "میں نے ملائمت سے بس اتنا ہی کہا کہ اگر میری قسمت میں ٹھوکروں کا پتھر بننا ہی لکھا ہے تو بن جاؤں گی۔ جہاں پہاڑ سی زندگی گویا پلک جھپکتے میں گزر گئی ہے وہاں یہ آخری چند دن بھی گزر ہی جائیں گے۔ دراصل ساجدہ بیٹی! میں اس بات کی قائل ہوں کہ سنتے سب کی رہو لیکن کرو وہی جو تمہارا من چاہے۔ میں تو جوانی سے ہی اس بات کی قائل چلی آ رہی ہوں۔"

ساجدہ کی نظر بے اختیار دیوار پر آویزاں' خان صاحب کی تصویر پر چلی گئی۔ سوکھے پھولوں کے ہاروں میں گھرا ہوا وہ بارعب چہرہ ہمیشہ کی طرح پرکشش نظر آ رہا تھا۔ ہونٹوں پر ایک عجیب پراسرار مسکراہٹ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ تصویر آج بھی ہاجرہ بیگم کی آواز سنتی تھی' ان کی باتوں سے محظوظ ہوتی تھی اور چپکے چپکے مسکراتی تھی۔

ہاجرہ بیگم نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھ بند کرلیں جیسے اتنی دیر کی بات چیت نے انہیں تھکا دیا ہو۔

کچھ دیر بعد ساجدہ نے ان سے اجازت لی اور نیچے اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ لباس تبدیل کرنا چاہ رہی تھی لیکن اس سے پہلے ستانے کی غرض سے چند لمحے کے لئے یونہی بیڈ پر نیم دراز ہوگئی۔ تھکے تھکے سے انداز میں اس کی آنکھیں خودبخود بند ہوگئیں۔

دوسرے ہی لمحے اس نے عکس کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔ ساجدہ نے اسے بلانے کے ارادے سے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ وہ چند روز سے ساجدہ کے یاد کرنے کے باوجود اسے نظر نہیں آیا تھا۔ ساجدہ کی زندگی میں ایک عجیب سا خلاء در آیا تھا۔

دو ایک مرتبہ تو اسے یہ اندیشہ بھی محسوس ہوا کہ کہیں وہ اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے تو رخصت نہیں ہوگیا؟ اس تصور سے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا اور ہاتھ پاؤں سے جان سی نکلنے لگی تھی۔ اسے یقین سا ہو چلا تھا کہ اب وہ عکس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ مکالمہ اس نے بارہا افسانوں کہانیوں میں پڑھا تھا' ڈراموں اور فلموں میں سنا

تھا۔ کسی ایک کردار نے دوسرے سے کہا......... "میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا........." یا .... "میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گی........."

مگر ساجدہ کبھی اس مکالمے سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ ان لفظوں نے کبھی اس کے دل میں گداز پیدا نہیں کیا تھا ورنہ کم از کم لڑکپن کی عمر ایسی ہوتی ہے کہ بہت سے الفاظ یوں دل میں جذب ہو جاتے ہیں جیسے کچھ مٹی میں دھیمی پھوار .... مگر ان الفاظ نے لڑکپن میں بھی اس کا دل نہیں دھڑکایا تھا۔

اسے ایسا کوئی ملا ہی نہیں تھا جس نے اس سے کہا ہو .... "میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گا ...." اور اسے یہ الفاظ محض افسانہ طرازی' ریاکاری کا شاخسانہ اور مبالغے کے سمندر سے لئے گئے چند قطروں کی طرح محسوس ہوئے تھے .... اسے معلوم تھا کہ اس دور پرآشوب میں بہت سے لوگ بہت سے لوگوں کے بغیر زندہ تھے۔ اس نے عہدوپیماں کے بعد لوگوں کو بچھڑتے دیکھا تھا .... زندگی کی ہماہمی اور ہنگامہ پروری نے ہر ایک کو اپنے اندر یوں جذب کرلیا تھا کہ رفتہ رفتہ کسی کو کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔ ہر بات' ہر ذات کے بس دھندلے دھندلے سے نقوش رہ جاتے تھے۔ سب بھولی بسری باتیں محض خواب و خیال کی باتیں لگتی تھیں۔

مگر اب جب وہ پختگی اور آگہی کے دور میں تھی۔ لڑکپن بہت پیچھے کہیں بھول بھلیوں میں رہ گیا تھا' افسانوں پر اعتبار کرنے کی عمر بیت گئی تھی تو یہ افسانوی احساس اس کے دل میں پیوست ہو کر رہ گیا تھا کہ عکس اگر اس سے بچھڑا تو وہ مرجائے گی۔

اس کے ساتھ اسے یہ بھی یقین تھا کہ عکس اسے کبھی چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ جس طرح عکس اس کے لئے ناگزیر ہوگیا تھا اسی طرح وہ بھی عکس کے پراسرار وجود کا ایک حصہ' اس کے نامعلوم خوابوں اور خواہشوں کی تعبیر بن چکی تھی۔

اس کا ثبوت اس وقت بھی اس کے سامنے تھا اور وہ ثبوت عکس کے چہرے پر نقش تھا۔ وہ اگر کئی دن بعد آیا تھا تو اس کے چہرے پر زمانے بھر کی شرمندگی اور خجالت رقم تھی .... مگر اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایسا اشتیاق اور ایسی پیاس تھی جیسے وہ صدیوں اس سے دور رہا ہو اور نہ جانے کیسی جاں گسل جدوجہد کے بعد اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہو۔

جس بے تابی سے اس نے آگے بڑھ کر ساجدہ کو حلقہ محبت میں لینے کی کوشش کی اس سے شاید اس کے پیکر کے در و دیوار جھنجھنا اٹھتے' ہر رگ جاں میں طغیانی آ جاتی اور رواں رواں اک آتش نادیدہ میں جل اٹھتا .... مگر ساجدہ نے اپنے آپ کو اس حلقہ محبت سے آزاد کرالیا اور ایک طرف کو ہٹ گئی۔

"مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خفا ہو........." وہ ندامت سے بولا .... "لیکن میں اپنی

خوشی سے تم سے دور نہیں رہا......... قسم سے بہت بڑی مجبوری آپڑی تھی۔ تمہیں بتا کر بھی نہیں جاسکا......... اس طرح اچانک ایک مسئلہ آن پڑا کہ بس مجھے تمہاری دنیا سے منہ چھپانا پڑا........."

"تمہاری دنیا میں بھی مجبوریاں ہوتی ہیں؟" ساجدہ حیرت سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"کیوں نہیں........." وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا........"مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔ مسائل بھی ہوتے ہیں۔ سب کچھ تمہاری دنیا کی طرح ہوتا ہے۔ صرف مجبوریوں اور مسائل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے......... اور ان سے ہمارے نمٹنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں........"

"کیا اس کائنات میں کوئی بھی دنیا......... کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں کسی مخلوق کو مجبوریاں لاحق نہ ہوں۔ مسائل درپیش نہ ہوں؟" ساجدہ کے لہجے میں حسرت در آئی۔

عکس ایک لمحے کے لئے جیسے سوچ میں پڑگیا پھر سر کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے بولا

"کم از کم میرے علم میں تو ایسی کوئی جگہ نہیں......... لیکن میرا علم بہت محدود ہے اور یہ کائنات بہت بڑی ہے......... بہت ہی بڑی......... دنیا بھر کے موجودہ سائنس دانوں کے علم کے مطابق یہ کائنات جتنی بڑی ہے' درحقیقت اس سے بھی کہیں بڑی ہے......... اس وقت بھی کائنات میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف تمہارے سائنس دانوں کا دھیان تک نہیں گیا......... وہ کسی بھی جدید ترین آلے کی مدد سے انہیں نظر نہیں آئی ہیں......... لیکن میں ان کے بارے میں جانتا ہوں......... اس کے باوجود میں یہی کہتا ہوں کہ میرا علم اور میرا مشاہدہ بہت محدود ہے......... میں اس کائنات کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں........"

"کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جتنی راتوں سے تم غائب ہو وہ سب راتیں میں نے تقریباً جاگتے ہوئے گزاری ہیں؟ اوپر سے آفس میں کام کا بوجھ زیادہ رہا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انہی دنوں میں امی کی صحت بہت خراب رہی۔ ان کے لئے بھی بہت زیادہ بھاگ دوڑ کرنا پڑی۔ اور تم مجھے ذرا سا حوصلہ بھی دینے کے لئے نہیں آسکے......... کئی بار مجھے یوں لگا کہ میرے اعصاب چٹخ جائیں گے۔ اعضاء ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور تم اس تن ریزہ ریزہ کو سمیٹنے کے لئے بھی نہیں آسکو گے........"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں اس دوران خوش اور مطمئن رہا ہوں؟" وہ اپنے مخصوص مخمور سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کے خوبصورت نیلے بال اس کی روشن اور کشادہ پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ساجدہ اس کی طرف دیکھتی تھی تو اپنا آپ اس کے اختیار میں نہیں رہتا تھا۔ اس لئے وہ اس سے نظر چرا رہی تھی۔ اپنی خفگی کو کچھ دیر برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ اس روٹھنے اور منانے میں بھی ایک الگ ہی لذت تھی۔

"اور اگر اس دوران میں مرگئی ہوتی؟" ساجدہ ہلکی سی خفگی سے بولی......... "تمہیں شاید

معلوم نہیں ہے کہ تم سے جدا رہنا اب میرے لئے کتنی بڑی اذیت ہے.........یہ اذیت میری جان بھی لے سکتی تھی........."

"جدائی کا صدمہ یقیناً ہم دونوں کی جان لے سکتا ہے......... لیکن اس وقت' جب دوبارہ ملنے کی کوئی آس' کوئی امید نہیں رہے گی۔ جب تک امید کی کوئی کمزور سی کرن بھی باقی رہے گی تب تک جان اس جسم کے قفس میں اٹکی رہے گی......... مجھے معلوم تھا اتنی جلدی تم قطعی مایوس نہیں ہوسکتیں۔ انتظار کی ڈور تمہارا رشتہ زندگی سے باندھے رکھے گی........."

"تمہیں میرا کوئی خیال نہیں ہے........." ساجدہ بدستور خفگی سے بولی۔

"غلط ....بالکل غلط......... تمہارے سوا اب مجھے دنیا میں کسی کا بھی کوئی خیال نہیں........." وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرایا۔ ساجدہ نے اس سے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر وہ ہاتھ جیسے عکس کے وجود ہی کا ایک حصہ بن گیا تھا......... اور پھر عکس کے لمس کے ساتھ ہی اس کے وجود سے گویا کسی نادیدہ سی طاقت کی لہریں' برق جیسی کوئی رو ساجدہ کے جسم میں منتقل ہونے لگتی تھی اور وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتی تھی۔ اس کا وجود اس کے حکم کا تابع نہیں رہتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ارادے سے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ بس وہ سر سے پاؤں تک پگھل جاتی تھی اور عکس جس نادیدہ سانچے میں چاہتا تھا اسے ڈھال لیتا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آئی تو اس کا انگ انگ جیسے پھولوں کی طرح سبک ہوچکا تھا اور وہ ہواؤں کے دوش پر آسمان اور زمین کے درمیان کہیں ہلکورے لے رہی تھی۔ عکس اس کے قریب نیم دراز تھا۔

بہت دیر بعد وہ بولی تو اس کی آواز میں ایک عجیب سا خمار باقی تھا۔ "تمہیں معلوم ہے امی کل یہ بنگلہ میرے نام کر رہی ہیں؟"

"نہیں......... مجھے نہیں معلوم تھا........." وہ بھی بوجھل سے لہجے میں بولا۔ "جتنے دن میں تمہارے پاس نہیں آیا اتنے دن میرا تمہاری اس دنیا سے قطعاً کوئی رابطہ نہیں رہا۔ میں یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر رہا۔ حتیٰ کہ میرا کسی سے ذہنی رابطہ بھی نہیں ہوسکا۔ میں کسی کے خیالات' عزائم اور ارادوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جان سکا........."

"حیرت ہے.........!" ساجدہ بولی........."کیا تمہاری پراسرار قوتوں پر بھی پابندی لگ گئی تھی؟"

"تمہارے لئے وہ پراسرار قوتیں ہیں۔" عکس مسکرایا۔ "ہماری دنیا میں وہ عام سی صلاحیتیں ہیں۔ مجھ پر ایک طرح سے چند روز کے لئے پابندی لگا دی گئی تھی......... اور جب ہمارے ہاں کسی پر پابندی لگتی ہے تو اس کی تمام تر صلاحیتیں بھی اس کے ساتھ ہی مقید ہو جاتی ہیں......... بالکل اسی طرح جیسے تمہاری دنیا میں خواہ کوئی پہلوان ہو' جسمانی طور پر کتنا ہی طاقتور

ہو لیکن اگر اسے جیل میں ڈال دیا جائے تو وہ اپنی کوٹھری سے' باہر کوئی داؤ پیچ نہیں دکھا سکتا۔ اپنی طاقت کا کوئی کمال نہیں دکھا سکتا۔ اسی طرح ہمارے ہاں کی پابندیاں بھی ظاہر ہے ہماری شخصیتوں اور صلاحیتوں کے حساب سے ہوتی ہیں.........."

"میں سمجھ گئی.........." ساجدہ بولی.........."لیکن کیا تم قید میں تھے؟؟"

"بس..........یہی سمجھ لو.........." وہ مبہم لہجے میں بولا۔

"لیکن کیا جرم کیا تھا تم نے؟" ساجدہ کے لہجے میں پریشانی جھلک آئی۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی.........." وہ بے پروائی سے بولا.........."بس یوں سمجھو کہ کچھ بزرگوں کے سامنے گستاخی ہوگئی تھی.......... چھوڑو اس قصے کو یہ بتاؤ کہ کل کس وقت تک کارروائی مکمل ہو جائے گی؟؟"

"میرا اندازہ ہے کہ گیارہ بارہ بجے تک نمٹ جائیں گے یہ کام.........." ساجدہ بولی.........."لیکن مجھے نہ جانے کیوں اب ان چیزوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی۔ کوئی زمانہ تھا کہ یہ کوٹھی بنگلے بہت بڑی چیزیں لگتی تھیں جن تک رسائی کا کبھی تصور کرنا بھی مشکل محسوس ہوتا تھا لیکن اب ان میں کوئی خاص کشش محسوس نہیں ہوتی.......... میرا سب کچھ تو بس تم ہو.........."

"یہ چیزیں اب رسائی میں نظر آنے لگی ہیں۔ شاید اس لئے ان میں زیادہ کشش نہیں رہی۔" عکس بولا پھر وہ شریر سے انداز میں مسکرایا۔ "میں بھی تو ایک عرصے سے تمہاری رسائی میں ہوں۔ کہیں مجھ سے بھی تو دل نہیں بھر جائے گا تمہارا؟؟"

"تم سے تو تعلق جتنا پرانا ہوتا جا رہا ہے اتنے ہی زیادہ تم میرے لئے ناگزیر ہوتے جا رہے ہو.......... بلکہ اسی احساس سے تو اب خوف آنے لگا ہے کہ اگر آئندہ بھی تمہیں اسی قسم کی کوئی مجبوری آن پڑی اور تم زیادہ لمبے عرصے کے لئے غائب ہوگئے تو میں کیسے زندہ رہوں گی؟؟"

"میں پوری کوشش کروں گا کہ آئندہ ایسی نوبت نہ آنے پائے۔ ویسے میری اپنی کیفیت بھی تم سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی.........."

کچھ دیر وہ ایک دوسرے کی محبت کے خمار سے سرشار رہے۔ کمرے میں اسی خمار سے بوجھل سکوت طاری رہا.......... وہی سکوت جس میں ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں بھی سنی جاسکتی ہیں' ایک دوسرے کے خیالات کی آہٹ بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

بالآخر عکس دھیمے لہجے میں بولا.........."مجھے خوشی یہ ہے کہ میری پیش گوئی درست نکلی۔ تم میرے اندازے سے بھی زیادہ جلدی اس بنگلے کی مالک بن گئیں۔ دفتر میں بھی تمہیں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ ترقی کے مواقع مل سکتے ہیں.......... آئندہ تم کسی بھی ٹھیکے کے سلسلے میں

جیلانی صاحب سے وعدہ کر سکتی ہو کہ وہ انہیں ہی ملے گا.........."

"بیرونی ممالک میں ہر ٹھیکہ کم سے کم لاگت کا ٹینڈر داخل کرنے پر نہیں ملتا.........." ساجدہ بولی۔

"مجھے معلوم ہے.......... لیکن تم یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ خواہ کسی طرح بھی سہی.......... میں ہر وہ ٹھیکہ جیلانی صاحب کی فرم کو دلوا دیا کروں گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اس مقصد کے لئے وہ اکثر و بیشتر لاکھوں روپے خرچ کرتے رہے ہیں۔ اب ان کا کچھ خرچ نہیں ہوا کرے گا.........." عکس بڑے اعتماد سے بولا۔

"کیا دوسرے ملکوں میں بھی رشوتیں چلتی ہیں؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کہیں کہیں چلتی ہیں.......... لیکن ان کا تناسب اتنا زیادہ نہیں ہوتا جتنا یہاں ہے۔ دوسرے یہ کہ رشوت کھانے کے باوجود ٹھیکے دینے والے ٹھیکے کا اصل مقصد فراموش نہیں کرتے۔ معیار کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کرتے۔ یعنی اگر انہیں ایک مضبوط پل بنوانا ہے تو وہ مضبوط پل ہی بنوائیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ اگر انہوں نے رشوت لے کر ٹھیکہ آپ کو دیا ہے تو اب آپ خواہ انہیں ریت کا پل بنا کر دے دیجئے وہ آنکھیں بند کر کے اسے پاس کر دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بے ایمانی کی بھی کچھ حدود ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ اگر دس کروڑ کا ٹھیکہ ہے تو نو کروڑ خورد برد ہوگیا۔ منصوبے پر اصل لاگت صرف ایک کروڑ آئی.......... وہاں ٹھیکیدار صرف اتنا گھپلا کر سکتے ہیں کہ دس کروڑ کا منصوبہ ہے تو اس پر نو کروڑ لگایا اور باقی رقم میں سے اپنے منافع اور رشوت وغیرہ کی گنجائش نکالی.........."

"بہت خوب.......... تمہیں تو خاصی معلومات ہیں ان دنیاوی معاملات میں بھی.........." ساجدہ بولی۔

"تمہاری وجہ سے معلومات رکھنا پڑ رہی ہیں.......... آخر تمہیں تیز رفتاری سے ترقی کا سفر بھی تو طے کرانا ہے۔ میں تمہیں بہت بڑی' بہت کامیاب عورت دیکھنا چاہتا ہوں.........." عکس والہانہ لہجے میں بولا۔

"کیا تمہارے ہاں بھی کسی کے بڑے اور کامیاب ہونے کا معیار یہی ہے کہ اس کے پاس بہت سا روپیہ ہو.......... عہدہ ہو.......... گاڑی بنگلہ اور دوسری آسائشیں ہوں؟" ساجدہ نے ملائمت سے پوچھا۔

"نہیں.......... ہمارے ہاں یہ معیار تو نہیں.......... لیکن تمہارے بارے میں تو مجھے تمہاری دنیا ہی کے حساب سے سوچنا ہے نا.........." عکس نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو نہیں چاہئے یہ سب کچھ.......... تم کیوں کرنا چاہتے ہو میرے لئے؟؟"

"میں نے تمہارے ماضی میں جھانکا ہے اور محسوس کیا ہے کہ تم نے بڑی محروم زندگی

گزاری ہے...... تمہیں وہ کچھ نہیں ملا جس کی تم مستحق تھیں۔ رفاقتیں.......... محبتیں......... آسائشیں......... قربانیوں کا صلہ .... کچھ بھی تو نہیں ملا تمہیں۔ تمہاری ان محرومیوں کا حساب برابر ہونا چاہئے۔ جو لوگ تمہیں دیکھنے کے باوجود دیکھ نہیں پاتے تھے' میں چاہتا ہوں کچھ عرصے بعد وہ تمہیں ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں۔ تم انہیں پہاڑوں سے بھی زیادہ بلند نظر آؤ۔"

"اتنی بلندیوں پر پہنچا کر مجھے واپس انہی پستیوں میں نہ دھکیل دینا جن کی میں عادی نہیں رہوں گی ...." ساجدہ مسکرائی۔

"کیا مجھ سے تم ایسی توقع رکھ سکتی ہو؟" عکس مجروح سے لہجے میں بولا۔

"اس دنیا میں کچھ بھی بعید ازمکان نہیں ...." ساجدہ بولی۔

"تم بھول جاتی ہو کہ میں تمہاری دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ مجھ میں وہ بہت سی گھٹیا خصوصیات نہیں پائی جاتیں جو اس دنیا کے انسانوں میں پائی جاتی ہیں........."

اس بات پر نہ جانے کیوں ساجدہ کو ایک بار پھر احسان اللہ کا خیال آگیا۔ وہ جلدی سے بولی .... "عکس! مجھے امی کا وکیل ذرا بھی اچھا نہیں لگا۔ کل وہ ہمارے ساتھ رجسٹرار کے دفتر جائے گا۔ مجھے تو اس سے خوف آتا ہے ...."

"تم اطمینان سے جاؤ۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا......... بلکہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی بھی شخص کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا........" وہ محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ اس کی سنہری آنکھیں وفور جذبات سے جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔

ساجدہ کا دل ایک عجیب سی طمانیت سے سرشار ہوگیا۔ وہ احساس تحفظ جو ہر عورت کو درکار ہوتا ہے' اسے کچھ زیادہ ہی میسر ہو چلا تھا۔

دفعتہً عکس انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی تانبے جیسی رنگت میں ایک عجیب سی تمتماہٹ تھی۔ آج کی ملاقات کی آسودگی سے اس کا بدن جیسے اندر ہی اندر جگمگا رہا تھا۔ کسی عجیب مدھم مدھم سی روشنی نے جیسے اس کے وجود میں ہالا بنایا ہوا تھا۔

"میں اب چلتا ہوں ...." وہ گویا بادل نخواستہ بولا۔

"اتنے دنوں بعد آئے ہو اور ابھی سے جا رہے ہو؟" ساجدہ حیرت سے بولی۔ "جب تم روزانہ آتے ہو تب بھی اتنی جلدی تو نہیں جاتے ...."

"میں نے بتایا نا کہ آج کل میں کچھ مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہوں........" وہ ندامت آمیز سے لہجے میں بولا۔ ساجدہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ چند لمحے بت کی طرح ساکت کھڑا ایک تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ گویا وہاں سے رخصت ہونا اس کے بس کی بات نہ ہو......... مگر پھر بالآخر وہ یکدم غائب ہوگیا۔

ساجدہ کی رگ و پے میں ایک بے عنوان سی اداسی کی ٹھنڈک اتر آئی۔ وہی پرانا احساس تنہائی عود کر آیا .... مگر پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اب وہ ایسی بھی تنہا نہیں تھی۔

تھکے تھکے سے انداز میں ہاتھ بڑھا کر اس نے بیڈ لیمپ کا سوئچ آف کیا۔ کمرے میں اندھیرا چھاتے ہی وہ بری طرح چونک اٹھی .... کھڑکی کی طرف سے اسے عجیب سا چھناکا سنائی دیا تھا!

ساجدہ نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی بدستور بند تھی اور اس کا شیشہ بھی سلامت تھا۔ چھناکا دوبارہ سنائی دیا اور ایک لمحے کے لئے ساجدہ بری طرح خوفزدہ ہوگئی۔ اس کے حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے اور کنپٹیاں سنسنانے لگیں۔

لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خود کو یاد دلایا کہ وہ ایک مضبوط اور جرأت مند عورت ہے جسے دنیا میں تنہا زندہ رہنا ہے اور اپنے مسائل سے خود ہی نمٹنے کی کوشش کرنی ہے۔ اس نے منطقی انداز میں سوچا تو احساس ہوا کہ چھناکا شیشہ ٹوٹنے کا نہیں تھا۔ وہ تو ذرا مدہم اور مترنم سا چھناکا تھا۔ جیسے کہیں کسی نے پائل چھنکائی ہو......... یا پھر جیسے کسی نے پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر دھیرے سے زمین پر قدم رکھا ہو۔

وہ بستر سے اٹھ بیٹھی اور لباس درست کرتے ہوئے خوفزدہ سے انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ سائڈ ٹیبل پر اسے ماربل کا ایک لمبوتر اور وزنی گلدان نظر آیا۔ وہی اٹھا کر اس نے ہتھیار کے طور پر مضبوطی سے ہاتھوں میں سنبھال لیا۔

انٹر کام اور ٹیلی فون بھی سائڈ ٹیبل پر ہی موجود تھا مگر اس نے انٹر کام پر اوپر سے ملازمہ کو بلانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ کسی خطرے کی صورت میں وہ سیدھی سادی ادھیڑ عمر عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے کسی معاملے میں اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

فون پر بھی بھلا وہ کسے بلا سکتی تھی؟ پولیس کو ....؟ پولیس کا آنا تو بعد کا مسئلہ تھا' صرف فون نمبر ملتے تک ہی اس پر نہ جانے کتنی قیامتیں گزر سکتی تھیں۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ خود ہی اپنے حواس پر قابو میں رکھنے اور حسب مقدور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کرتی۔

چھناکا ایک بار پھر سنائی دیا۔ اس بار تو بالکل یہی محسوس ہوا جیسے کوئی کھڑکی کی چوکھٹ سے نہایت محتاط انداز میں' دھیرے سے قالین پر کود آیا تھا .... لیکن کھڑکی بدستور بند تھی۔ کمرے میں ملگجی اندھیرا تھا لیکن ساجدہ نہایت آسانی سے دیکھ سکتی تھی کہ کھڑکی کے پٹ بدستور بند تھے اور ان میں جنبش تک نہیں ہوئی تھی......... لیکن یہ احساس بھی یقین کی حد تک واضح تھا کہ کسی نے کمرے میں اسی کھڑکی کی چوکھٹ سے چھلانگ لگائی تھی اور اس کے پیروں میں شاید پائل تھی۔

پھر جیسے کوئی دھیرے دھیرے اس کے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا......... گھنگھروؤں کی اسی جھنکار کے ساتھ .... ساجدہ نے ملگجے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اگر کوئی موجود ہوتا تو یقیناً" اسے نظر آجاتا......... مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ یعنی کم از کم مادی طور پر کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا۔ غیر مرئی وجود کا مالک تھا۔ اسے دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ صرف گھنگھروؤں کی جھنکار ہی ساجدہ کے بیڈ کی طرف نہیں بڑھ رہی تھی' اس کے ساتھ کوئی وجود تھا ضرور .... ساجدہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی مگر محسوس کر سکتی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا یا جو کچھ بھی تھا ساجدہ کے بیڈ کے قریب آن رکا۔ ساجدہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے تھی۔ وہ اسی طرح سانس روکے چند لمحے تک منتظر رہی کہ کچھ ہو .... مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن یہ احساس بہرحال قائم رہا کہ اس کے بیڈ کے قریب کوئی کھڑا تھا اور وہ گویا سرتاپا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

ساجدہ نے اپنی تمام تر جرأت کو مجتمع کیا اور گلدان گھما کر اس غیر مرئی وجود کو رسید کرنے کی کوشش کی لیکن گلدان اس جگہ محض ہوا میں گھوم کر رہ گیا۔ کسی چیز سے ٹکرایا نہیں۔ تاہم گھنگھروؤں کی ہلکی سی جھنکار ایک بار پھر ابھری۔

ساجدہ نے دوبارہ اسی جگہ سے ذرا ہٹ کر گلدان گھمایا لیکن اس بار بھی وہی ہوا......... گلدان کسی چیز سے ٹکرایا نہیں۔ بس ہوا میں گھوم کر رہ گیا۔ اور ایک بار پھر وہی گھنگھروؤں کی مدھم سی جھنکار!

ساجدہ کا جسم ٹھنڈے پسینے سے تر ہوچکا تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن خوف کے ان لمحوں میں بھی نہ جانے کس طرح اس کا ذہن منطقی انداز میں کام کر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کا چیخنا فضول ہوگا .... کمرہ بند تھا......... مکان وسیع تھا اور علاقہ ایسا تھا کہ ایک مکین کو بمشکل ہی پتا چلتا تھا کہ اس کے پڑوس میں کیا ہو رہا ہے.........اور پھر زمانہ بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ خطرے کا احساس ہوتا تھا تو لوگ انجان بن جانے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔

چنانچہ چیخنے کے بجائے کوئی عملی قدم اٹھانا ہی زیادہ بہتر تھا۔ اس نے انتہائی جرأت سے کام لیتے ہوئے پہلا عملی قدم تو یہی اٹھایا تھا کہ نتائج کی پروا کئے بغیر گلدان اٹھا کر اس غیر مرئی وجود کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ کوشش ناکام رہی تھی......... تاہم غنیمت یہ تھا کہ فوری طور پر اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔

دوسرا قدم اس کی نظر میں یہی بہتر تھا کہ وہ اس کمرے سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے۔ اس کے جسم سے گو کہ جان سی نکلی ہوئی تھی مگر آنکھیں بند کرکے اس نے اپنی تمام تر توانائی مجتمع کرنے کی کوشش کی......... اور اسی عالم میں اسے عکس کا خیال آیا۔

اس نے خواہش کی تمام تر شدتوں کے ساتھ عکس کو یاد کیا مگر وہ اسے نظر نہ آیا۔ گھپ

اندھیرا اور گہرا سناٹا اس کے وجود کو حصار میں لے رہا۔ اندھیرے' سناٹے اور تنہائی کا ایسا ہی احساس اس وقت بھی اس کی روح پر غالب رہا تھا جب مسلسل پانچ دن تک اس کا عکس سے رابطہ نہیں ہوسکا تھا۔

وہ کچھ دیر پہلے ہی رخصت ہوا تھا......... لیکن پہلے یہی ہوتا تھا کہ خواہ اسے گئے چند لمحے گزرے ہوں یا چند گھنٹے .... ساجدہ جیسے ہی آنکھیں بند کرکے دل ہی دل میں اسے یاد کرتی تھی' وہ آن موجود ہوتا تھا......... مگر اب ایسا نہیں رہا تھا .... اور اس ضمن میں اس کی وضاحتیں بھی مبہم تھیں......... بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس موضوع سے کترانے کی کوشش کر رہا ہو۔ نہ جانے اسے کون سی مجبوریاں لاحق ہوچکی تھیں۔

ساجدہ نے اس کی آمد کی توقع چھوڑ دی اور گہری سانس لے کر اپنے آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے یک لخت اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیڈ سے اٹھ کر وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکی۔ اس کے ساتھ ہی گھنگھرو بھی پہلے کی نسبت ذرا تیزی سے چھنکے۔ گویا وہ غیر مرئی وجود بھی ساجدہ کے ساتھ ہی تیزی سے حرکت میں آیا ہو۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی ساجدہ گرتے گرتے بچی اور بے اختیار کراہ اٹھی۔ اسے کئی جگہ سے اپنا جسم سہلانا پڑا۔ اسے یہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ پتھر کی کسی ٹھوس دیوار سے ٹکرا گئی ہے۔

مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ ذرا سنبھل کر دوبارہ دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ اس بار وہ تیزی سے نہیں لپکی۔ پتھر کی دیوار بدستور اس کی راہ میں حائل تھی۔ تاہم اس مرتبہ اسے چوٹ نہیں آئی۔

اسی طرح آہستگی سے پلٹ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھی۔ گھنگھرو ایک بار پھر چھنکے اور وہ دیوار گویا ادھر منتقل ہوگئی۔ ساجدہ اس ٹھوس وجود یا دیوار کو دیکھ نہیں سکتی تھی مگر محسوس کر رہی تھی کہ وہ جدھر بھی قدم بڑھاتی تھی' وہ چیز ادھر ہی منتقل ہو جاتی تھی۔

اسے اندازہ ہوگیا کہ کمرے سے نکلنے کی کوشش میں وہ محض اپنے آپ کو تھکائے گی اور شاید مزید چوٹیں کھائے گی۔ وہ واپس بیڈ پر جابیٹھی۔

دفعتہً" کوئی پتھریلی سی چیز اس کے چہرے سے مس ہوئی۔ ساجدہ نے گھبرا کر اسے ہاتھ سے دور ہٹانا چاہا مگر اس کا ہاتھ گویا ایک بار پھر پتھر سے ٹکرا کر رہ گیا۔ وہ پتھریلی سی چیز یقیناً" ایک ہاتھ تھا......... پتھر کا ہاتھ۔

وہ عام انسانی ہاتھ سے کافی بڑا تھا۔ انگلیاں باقاعدہ حرکت کر رہی تھیں لیکن پھر بھی وہ ہاتھ پتھر ہی کا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھوس' کھردرا اور بے جان .... اس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ وہ ہاتھ دو تین مرتبہ ساجدہ کے چہرے پر نہایت آہستگی سے پھر گیا۔ جیسے کوئی اس کے نقوش کو ٹٹول رہا ہو .... اور ساجدہ اس ان دیکھے ہاتھ کو ہٹا نہیں سکی۔ ساکت بیٹھی

رہی۔

بالآخر ہاتھ خود ہی اس کے چہرے سے ہٹ گیا۔ سکوت تو کمرے میں پہلے بھی تھا لیکن اب یہ سکوت کچھ اور گہرا ہوگیا۔ جیسے وہ ان جانا' ان دیکھا' غیر مرئی وجود بھی اپنی جگہ ساکت ہو گیا ہو۔ ساجدہ چند لمحے ساکت بیٹھی رہی۔ پھر یکدم اس نے اضطراری سے انداز میں ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے لیمپ کا سوچ آن کر دیا۔

لیمپ کی روشنی بھی گو کہ محدود تھی لیکن زیرو کے نائٹ بلب سے بہرحال کہیں زیادہ تھی۔ کمرہ گویا یکدم جگمگا اٹھا اور کسی نامعلوم سی حس نے ساجدہ کو بتایا کہ وہ غیر مرئی وجود یکدم کمرے سے غائب ہوگیا ہے۔ اس کے محسوسات کو یک بیک کچھ سکون سا آگیا تھا۔ کمرے کی فضا میں پھیلی ہوئی وہ نامعلوم سی لہریں جن کی وجہ سے ساجدہ کے اعصاب وائلن کے تاروں کی طرح تنے ہوئے تھے' خود بخود ہی جیسے غائب ہوگئی تھیں۔

ساجدہ کے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ نہایت شدت سے اسے ٹھنڈے پانی کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ بیڈ روم فریج دوسرے کونے میں تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تو راستے میں اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر پڑی اور اس کی چیخ نکل گئی۔ دہشت سے وہ گرتے گرتے بچی۔ ڈریسنگ ٹیبل ہی کا سہارا لے کر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

اب تک تو اس نے تمام تر خوف و دہشت کے باوجود کسی نہ کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھا تھا لیکن اب جیسے یکدم ہی اس کے وجود کی عمارت ڈھیر ہوگئی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ابھی تک اسے اپنی آنکھوں سے نظر کچھ نہیں آیا تھا۔ جتنا بھی خوف تھا وہ کسی نادیدہ چیز کا تھا۔

مگر اب جبکہ وہ یہ محسوس کرتے ہوئے مطمئن ہوگئی تھی کہ غیر مرئی وجود کمرے سے رخصت ہوچکا ہے تو آئینے میں اسے ایک صورت نظر آگئی تھی۔ ایک انتہائی بھیانک چہرہ .... بچپن سے اب تک اس کے ذہن میں چڑیل یا ڈائن کا جو تصور چلا آ رہا تھا' وہ چہرہ اس سے بھی زیادہ ڈراؤنا تھا۔ ایک ایسی عورت کا چہرہ جسے کوئی خواب میں بھی دیکھ لیتا تو لرزتا ہوا اٹھ بیٹھتا۔

جھریوں بھری کھال' تارکول جیسی سیاہ رنگت' موٹے موٹے سرخ ہونٹ گویا خون میں لتھڑے ہوں' سفید اور مٹیالے بالوں کی موٹی موٹی لٹیں' ہونٹوں سے باہر جھانکتے پیلے پیلے نوکیلے دانت' بالکل گول اور سفید سفید سی آنکھیں۔

اس عورت کا چہرہ صرف بدصورتی کا شاہکار ہی نہیں تھا' اس کی عمر بھی کئی سو سال محسوس ہوتی تھی۔ ساجدہ نے دہشت کے عالم میں مڑ کر دیکھا۔ وہ اس عورت کو دیکھنا چاہتی تھی جس کا عکس آئینے میں نظر آ رہا تھا۔ مگر وہ عورت اسے کہیں نظر نہ آئی۔

وہ دوبارہ آئینے کی طرف مڑی تو اسے احساس ہوا کہ وہ تو اس کا اپنا چہرہ تھا۔ اس نے اپنے شب خوابی کے لباس سے اپنے آپ کو پہچانا۔ اس کے جسم پر سلیپنگ گاؤن وہی تھا........ اور اس کا جسم بھی وہی تھا۔ اس کے نشیب و فراز اور خدوخال کی کشش میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم پر کوئی دوسرا چہرہ جوڑ دیا گیا تھا۔ گردن سے نیچے اس کا وجود اس کا اپنا ہی تھا' صرف چہرہ وہ نہیں رہا تھا۔

اسے یاد آیا کہ نادیدہ پتھریلا ہاتھ دو تین مرتبہ اس کے چہرے پر پھرایا گیا تھا........ کیا یہ اس کا نتیجہ تھا؟ وہ ہاتھ کس کا تھا؟

پہلے تو وہ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئی تھی لیکن چند لمحے گزرے تو اس کے دل سے آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں کے راستے امنڈ پڑا۔ اسے لڑکپن سے ہی احساس رہا تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت نہیں ہے........ بلکہ جس طرح وہ بقول اپنی مرحومہ ماں کے' ہمیشہ' اجڑے اجڑے' حلئے میں رہتی تھی اس کی وجہ سے اس کا شمار تو کبھی تھوڑی بہت خوبصورت لڑکیوں میں بھی نہیں ہوسکا تھا۔

یہ تو رفیق سے چھٹکارا پالینے کے بعد کی بات تھی کہ اس نے اپنے آپ کو سجایا' سنوارا اور نکھارا تھا........ اور پھر عکس کی باتوں اور اس کی رفاقت نے تو اس کے انگ انگ میں ایک انوکھا خمار بھر دیا تھا۔ اس کے خدوخال میں ایک عجیب سا رسیلا پن رچ گیا تھا۔ کسی غیبی ہاتھ نے جیسے نہایت محبت' نہایت توجہ سے اس کی گرومنگ کی تھی۔ قدرے پختہ عمر میں آکر وہ ایک ایسا رسیلا پھل بن گئی تھی کہ جو نظر اس کی طرف اٹھتی تھی' مشکل سے ہی ہٹتی تھی۔ وہ اپنی ان تبدیلیوں پر بہت خوش تھی' اپنے آپ میں مگن تھی۔ عکس نے جس طرح اس کی خوبصورتیوں کو سراہا تھا' جس طرح اسے چاہا تھا وہ اسے ساری محرومیاں بھلا دینے کے لئے کافی تھا۔ یہ خمار اس کی زندگی پر چھایا ہوا تھا۔

لیکن ان سب باتوں کو کچھ زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا تھا۔ ابھی تو ان نعمتوں سے وہ صحیح طور پر محظوظ ہوئے نہیں پائی تھی کہ سب کچھ چھن گیا تھا۔ آخر اس کی بدنصیبی ختم ہونے میں کیوں نہیں آتی تھی؟ تھوڑے دنوں کے لئے اسے خوبصورتیاں' چاہت اور پرستش نصیب ہوئی تھی تو اس کا اتنا بڑا خراج ادا کرنا پڑ رہا تھا۔ اگر خوبصورتی اور کشش اس کا مقدر نہیں ہوسکتی تھی تو کم از کم اس کا اصل چہرہ مسخ تو نہ ہوتا۔ اس چہرے کے ساتھ تو وہ کسی کے سامنے جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ برقعے میں بھی اکثر آنکھیں تو کھلی ہی رکھنا پڑتی ہیں........ اور اگر انہیں بھی ڈھانپنے کا بندوبست کرلیا جائے تب بھی چہرے کے کسی نہ کسی حصے کی جھلک کبھی نہ کبھی کسی کو نظر آ ہی جاتی ہے۔ اس کے چہرے کا تو کوئی بھی حصہ ایسا نہیں رہا تھا کہ جس کی جھلک دیکھ کر کوئی خوفزدہ نہ ہوتا۔

وہ سوچتی رہی اور بلک بلک کر روتی رہی۔ ایک بار اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر دیواروں سے سر ٹکرانا شروع کر دے اور اسی طرح اپنے آپ کو ہلاک کر لے۔ مگر نہ جانے کیونکر وہ یہ قدم اٹھانے سے باز رہی۔

وہ پانی پیئے بغیر ہی واپس اپنے بستر پر آن گری۔ آئینے کی طرف مزید دیکھنے کی بھی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس نے تکیے میں منہ چھپالیا۔ گویا وہ درودیوار کو بھی اپنی صورت نہ دکھانا چاہتی ہو۔

اس کے حواس پر دھند سی چھانے لگی۔ کچھ دیر پہلے خوف و دہشت کے جس طوفان نے اس کے وجود کو جھنجھوڑا تھا' وہی حواس کو شل کر دینے کے لئے کافی تھا مگر آئینے میں اپنی صورت کی بربادی کا نظارہ تو اس کے وجود کو بالکل ہی کھنڈر کر گیا تھا۔ وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی کنپٹیوں میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔ شاید سوچوں کا مزید بوجھ اٹھانا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ ذہن کے خلیات خودبخود سو گئے تھے۔ شاید اسی کیفیت کو صدمے سے بے ہوش ہو جانے کا نام دیا جاتا تھا۔

اسے کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر دنیا مافیہا سے بے خبر رہی۔ کسی عجیب شیطانی سی آواز سے اس کے حواس مرتعش ہوئے۔ وہ ذرا ہوش میں آئی تو احساس ہوا کہ وہ کوئی شیطانی آواز نہیں' بلکہ اس کے قریب رکھے ہوئے انٹر کام کا بزر تھا جو مسلسل بج رہا تھا۔

اس نے مضمحل انداز میں انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف ہاجرہ بیگم تھیں۔ وہ بڑی تشویش کے عالم میں بولیں ...."ساجدہ! خیریت تو ہے؟ ایسی گہری نیند تو تم کبھی نہیں سوئیں۔ دن کب کا چڑھ چکا ہے۔ وکیل صاحب ہمیں ساتھ لے جانے کے لئے آنے والے ہوں گے اور تم ابھی تک سو کر بھی نہیں اٹھیں.......... ابھی تیار بھی ہونا ہے' ناشتہ بھی کرنا ہے۔ پلیز.......... جلدی اٹھو.........ملازمہ کب سے باہر کھڑی تمہارے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے مگر تم نے دروازہ ہی نہیں کھولا .... میں تو اب تمہارے بارے میں سخت فکر مند ہو چلی تھی۔ کم از کم دروازہ تو کھولو.........."

اس کا ذہن مضمحل تھا۔ ایک لمحے کے لئے اسے قطعاً یاد نہ آیا کہ وہ کیوں ابھی تک بیدار نہیں ہوئی تھی اور دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز کیوں نہیں سن سکی تھی۔ اس کی یادداشت کا صفحہ ایک لمحے کے لئے جیسے بالکل سادہ ہو گیا تھا۔ شب رفتہ کے تمام صدمے اس کے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔ شاید ابھی اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں عود کر نہیں آئی تھیں۔

لاشعوری طور پر ....اور کچھ عادت کے مطابق وہ سعادت مندانہ انداز میں بولی

.........."میں کھولتی ہوں دروازہ .... معلوم نہیں کیوں آج میری آنکھ نہیں کھلی .... میں چند منٹ میں تیار ہو کر اوپر آتی ہوں.........."

اس نے ریسیور رکھا اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے حیرت تھی کہ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ کیوں تھی ....اور وہ اپنے آپ کو اتنی کمزور کیوں محسوس کر رہی تھی؟

وہ دروازے کا بولٹ گرا چکی تھی یکدم گزشتہ رات کے واقعات بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکے۔ اسے یاد آیا کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا.......... پھر اسے اپنا چہرہ بھی یاد آیا ....وہ چہرہ جو اس نے آئینے میں دیکھا تھا۔

اس کے حلق سے غیرارادی طور پر ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے دروازہ دوبارہ بند کرنا چاہا......... مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔

دروازہ کھل چکا تھا اور ملازمہ اس کے سامنے کھڑی تھی!

ساجدہ کمرے میں الٹے قدموں بھاگی اور بستر سے چادر اٹھا کر اس میں سر اور چہرہ چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں بی بی جی؟" ملازمہ کی حیرت بھری آواز ابھری۔

"خبردار..........! آگے مت آنا تم چلی جاؤ اس کمرے سے میں تمہارے سامنے آنا نہیں چاہتی۔" ساجدہ چیخی۔

"لیکن کیوں بی بی جی؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟" مہذب اور شائستہ قسم کی ادھیڑ عمر ملازمہ سرتاپا حیرت بنی ہوئی تھی۔

اس کی حیرت نے ساجدہ کو بھی تھوڑا سا حیران ہونے پر مجبور کر دیا اس کا ذہن ایک بار پھر منطقی انداز میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ دروازہ کھلتے ہی ملازمہ کی نظر اس کے چہرے پر پڑ چکی تھی وہ اچھی طرح ساجدہ کی صورت دیکھ چکی تھی مگر اس نے خوف سے چیخ مارنا تو درکنار آنکھ بھی نہیں جھپکائی تھی۔ اس کا مطلب تھا اسے ساجدہ کے چہرے پر کوئی غیر معمولی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔

تو کیا میں نے گزشتہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ مگر اس بات کو بھی اس کا ذہن تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ گزشتہ رات اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔

تاہم اس نے ڈرتے ڈرتے نہایت آہستگی سے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور ل مضبوط کر کے ملازمہ کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہیں میرے چہرے پر کوئی تبدیلی.......... کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آ رہی؟"

ملازمہ کمرے میں آ گئی اور آنکھیں سکیڑ کر بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "نہیں

تو۔ سوائے اس کے کہ اس وقت آپ کے چہرے پر میک اپ نہیں ہے اور آپ تھوڑی سی تھکی ہوئی لگ رہی ہیں......... اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے ویسے اگر آپ خوشامد نہ سمجھیں تو میں یہ بھی کہہ دوں کہ میک اپ نہ ہونے اور چہرہ تھکن زدہ ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی ہیں۔ آپ کی تازگی اور شگفتگی میں کوئی خاص کمی نہیں آتی ہے۔"

ساجدہ کے سینے میں اٹکی ہوئی سانس دھیرے دھیرے خارج ہوئی۔ اس نے چادر آہستگی سے واپس بیڈ پر رکھ دی۔ ملازمہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز اس بات کا گواہ تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی سچ ہی کہہ رہی تھی۔ اپنی جو شکل ساجدہ نے گزشتہ رات آئینے میں دیکھی تھی اسے دیکھ کر ملازمہ کا یوں آرام سے کھڑے ہوئے باتیں کرتے رہنا بعید از امکان ہی تھا۔

ساجدہ کے دل کو کچھ قرار سا ملا۔ اعصاب ذرا پرسکون ہوئے وہ ذرا ڈرتے ڈرتے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ آئینے کے سامنے پہنچتے ہی اسے خوف اور حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔ اس کی ٹانگوں سے یکدم ہی جان نکل گئی اور وہ غیر ارادی طور پر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔

آئینے میں ایک بار پھر وہی چہرہ اس کے سامنے تھا جسے دیکھ کر گزشتہ رات اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ وہی جھریوں بھری کھال' تارکول جیسی سیاہ رنگت' خون میں لتھڑے ہوئے سے سرخ ہونٹ' ان سے جھانکتے ہوئے پیلے پیلے نوکیلے دانت' بالکل گول اور سفید سفید سی آنکھیں' سفید اور مٹیالے بالوں کی موٹی موٹی لٹیں۔

اس نے پلٹ کر ملازمہ کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور اپنی جگہ کھڑی سکون سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ادھر آؤ........." ساجدہ نے اشارے سے اسے قریب بلایا۔ وہ پرسکون انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

"آئینے میں میرا چہرہ دیکھو۔ تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جیسا نظر آنا چاہئے۔ جیسی آپ ہیں۔" ملازمہ نے اطمینان سے جواب دیا لیکن اس کے لہجے میں ہلکی سی حیرت بدستور شامل تھی۔ جیسے اسے اس پوچھ گچھ کی کوئی تک نظر نہ آ رہی ہو۔

"مطلب یہ کہ .... کیا تمہیں کوئی بھی تبدیلی دکھائی نہیں دے رہی؟" ساجدہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نہیں' بھلا تبدیلی کیوں دکھائی دے گی؟ آئینہ تو وہی دکھاتا ہے نا جو اس کے سامنے ہوتا ہے اس کے سامنے آپ ہیں۔ اور آپ میں مجھے تو کوئی تبدیلی نظر نہیں آ رہی۔ کیا آپ کو خود

میں کوئی تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟"

"ہاں .... نہیں .... نہیں تو ...." ساجدہ گڑبڑا کر بولی۔ "بس ویسے ہی مجھے کچھ وہم ہونے لگا تھا.........؟"

وہ ڈراؤنا خواب آئینے میں اب بھی اس کے سامنے موجود تھا مگر ملازمہ سے بات کر کے اسے کم از کم اتنا اطمینان ضرور ہوا تھا کہ فریب نظر کی یہ اذیت صرف اس کے اپنے لئے ہی تھی۔ دوسروں کے لئے اس کا چہرہ شاید اب بھی وہی تھا مگر خود اپنے لئے بھی یہ اذیت کچھ کم نہیں تھی۔ یہ بھی ایک کڑی سزا تھی۔

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اسے اپنی جلد میں جھریوں کا احساس نہیں ہوا۔ وہی ہموار اور ملائم جلد تھی۔ تو گویا یہ محض فریب نظر ہی تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اور کب تک اسے یہ اذیت برداشت کرنا تھی؟ کب تک اسے آئینے میں اپنا چہرہ ایسا ہی نظر آنا تھا؟ اس کا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔

کچھ دیر پہلے تک تو اس کے ذہن میں صرف خوف کا بسیرا تھا لیکن اب آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر اسے گھن آ رہی تھی۔ خصوصاً لہو میں لتھڑے ہوئے سے سرخ ہونٹ تو بہت ہی مکروہ لگ رہے تھے۔

ملازمہ نے کہا تھا کہ اس وقت اس کا چہرہ میک اپ سے عاری ہے اس نے پرخیال سے انداز میں گہرے سرخ رنگ کی ایک لپ اسٹک اٹھائی اور دھیرے دھیرے ان ہونٹوں پر پھیرنے لگی جو آئینے میں اسے پہلے ہی لہو رنگ دکھائی دے رہے تھے۔

یہ دیکھ کر اسے مزید حیرت ہوئی کہ لپ اسٹک لگانے سے اس کے ہونٹ سیاہ ہو گئے۔

اس نے پلٹ کر ملازمہ سے پوچھا۔ "تمہیں میرے ہونٹ کیسے نظر رہے ہیں؟"

"تازہ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے۔" ملازمہ نے بلا تامل جواب دیا۔ "لیکن آپ نے لپ اسٹک ذرا صحیح نہیں لگائی۔ شاید آپ کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی لپ اسٹک صحیح کر دوں؟"

"ضرور' ضرور۔" ساجدہ نے جلدی سے لپ اسٹک اسے تھما دی۔

ملازمہ نے پہلے ٹشو پیپر سے لپ اسٹک صاف کی پھر نہایت احتیاط سے دوبارہ لگائی اور تنقیدی نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "اب ٹھیک ہے۔"

ساجدہ نے ذرا جرأت کر کے کاجل اٹھا کر آنکھوں میں لگایا تو آئینے میں اسے اپنی گول گول آنکھوں سے خون امنڈتا دکھائی دینے لگا۔ اس کے پپوٹوں کے کنارے سیاہ ہونے کے بجائے گہرے سرخ ہو گئے۔

"کاجل کیسا لگایا ہے میں نے؟"

"آنکھیں ویسی ہی جادو بھری لگ رہی ہیں جیسی ہمیشہ لگا کرتی ہیں۔" ملازمہ ہلکی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی۔ "ویسے آپ کے لئے تو محض اتنا ہی میک اپ بھی کافی ہے۔ بس لپ اسٹک اور کاجل لگا لیا اور بناؤ سنگھار مکمل ہوگیا۔ آپ کو تو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا نہ جانے کیا کیا جتن کرتی ہے پھر بھی یہ رنگ روپ اور یہ نکھار نہیں آتا جو آپ پر محض دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے استعمال سے آ جاتا ہے۔"

"آج بہت مکھن لگا رہی ہو۔ ایڈوانس چاہیئے کیا؟"

ساجدہ نے بڑی دیر کے بعد خود کو مسکراتے پایا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ملازمہ کی باتوں سے اس کے دل کو سہارا ملا تھا۔ اس کی دم توڑتی امنگوں میں جان سی پڑ گئی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" ملازمہ مسکرائی۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ اس گھر میں مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔"

"اچھا......... اب تم جاؤ۔ میں برش کرلوں اور شاور لے لوں۔ کچھ دیر بعد مجھے ناشتہ کمرے میں ہی لا دینا۔ آج میرا میک اپ تمہیں کرنا ہوگا۔ مجھے دقت پیش آ رہی ہے۔ معلوم نہیں کیا وہم سا دل میں بیٹھ گیا ہے۔" ساجدہ بولی۔

اس نے ملازمہ کو نہیں بتایا کہ اسے آئینے میں اپنی صورت کیسی دکھائی دے رہی تھی۔

"میں اتنی نفاست سے تو نہیں کرسکوں گی جس طرح آپ کرتی ہیں۔" ملازمہ بولی۔ "بہرحال گزارا ہو جائے گا۔ میں نے آپ جیسی کئی بیگمات کے ہاں نوکری کی ہے۔ کبھی کبھی ان باذوق خواتین کو تیار ہونے میں مدد بھی دی ہے۔"

"تم نے گزارے لائق بھی کر دیا تو میں غنیمت سمجھوں گی۔" ساجدہ اٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے سینے سے کافی حد تک بوجھ اتر گیا تھا۔ تاہم اب وہ آئینے سے نظر چرا رہی تھی۔ اپنے آپ کو دیکھنے کی سزا سے وہ جتنا بھی بچ جاتی اچھا ہی تھا۔ آج اسے صحیح طور پر احساس ہوا تھا کہ چہرہ بھی انسان کا کتنا بڑا اثاثہ ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ ناشتہ کرچکی تھی اور ملازمہ کی مدد سے تیار ہوچکی تھی تو ہاجرہ بیگم نے انٹر کام پر بتایا کہ احسان اللہ پہنچ چکے ہیں۔ ساجدہ نے تنقیدی نظر سے آئینے میں اپنا جائزہ لینا چاہا تو ایک بار پھر اسی بھیانک شکل کو سامنے پایا۔ میک اپ کی چیزوں کا اس چہرے پر رنگ کچھ کا کچھ نظر آ رہا تھا اور اس وجہ سے چہرے کی خوفناکی میں اضافہ ہوگیا تھا۔

وہ بہت ڈرتے ڈرتے اوپر پہنچی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں کسی اور کو اس کی صورت ویسی نظر نہ آ جائے جیسی اسے خود آئینے میں دکھائی دے رہی تھی۔ ملازمہ کو تو ٹھیک دکھائی دے رہی تھی لیکن کوئی بعید نہیں تھا کسی اور کی نظر میں وہی خصوصیت موجود ہوتی جو کسی پتھریلے غیبی ہاتھ نے اس کی آنکھوں میں پیدا کر دی تھی۔

وہ اوپر ٹیرس پر پہنچی تو احسان اللہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ساجدہ سلام کرکے ایک کرسی پر بیٹھ چکی تو وہ گویا سنبھل کر بولا۔ "آج کس کس کو قتل کرنے کے ارادے ہیں؟"

ساجدہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ "مجھے چیپ قسم کے تعریفی مکالمے اچھے نہیں لگتے احسان اللہ صاحب! یہ بات شاید میں پہلے بھی آپ کو بتاچکی ہوں......... اور میرا خیال ہے ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی بھی نہیں ہے کہ اس قسم کی باتیں کی جاسکیں۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ آخر احسان اللہ کس قبیل کا آدمی تھا! وہ چیپ قسم کی بات کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجکتا تھا۔ اس وقت وہ ساجدہ کو زیادہ برا اس لئے نہیں لگا تھا کہ وہ اپنے ہی مخمصے میں گرفتار تھی۔ اس نے یہی دیکھ کر اطمینان کی سانس لی تھی کہ احسان اللہ اور حاجرہ بیگم اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اچھل کر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ماحول میں تناؤ سا پیدا ہوتے دیکھ کر ہاجرہ بیگم جلدی سے بولیں۔ "احسان میاں! آپ وکیل ہیں۔ کبھی کبھار تو آپ کو تھوڑی بہت سنجیدگی اختیار کرنی چاہیئے۔ کیا آپ کورٹ میں بھی اسی طرح جو من میں آئے، بولتے رہتے ہیں؟"

"جی ہاں۔" احسان اللہ نے بلا تامل جواب دیا۔ "انسان کو دل کی بات دل میں نہیں رکھنی چاہیئے۔ خواہ مخواہ بیمار بیمار سا رہنے لگتا ہے جو باتیں آپ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پاتے' وہ کاٹھ کباڑ کی طرح دل و دماغ کے کونے کھدروں میں جمع ہوتی رہتی ہیں۔ ان پر جالے لگ جاتے ہیں اندر ایک عجیب وحشت کا سماں ہو جاتا ہے۔ جس طرح کاٹھ کباڑ سے بھرے ہوئے گھر اچھے نہیں لگتے۔ اسی طرح ایسے دل و دماغ بھی برے لگتے ہیں میں بہت منہ پھٹ وکیل شمار ہوتا ہوں۔ مگر میرے کام دوسروں کی نسبت زیادہ آسانی سے ہو جاتے ہیں........."

وہ باتیں کئے جا رہا تھا ساجدہ کی کنپٹیاں تپنی شروع ہوچکی تھیں مگر وہ خود پر ضبط کئے بیٹھی تھی اور اپنے آپ کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتہً احسان اللہ کو کچھ یاد آیا اور وہ اس یاد سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کو ایک مرتبہ کا واقعہ سناؤں۔ میں اپنے ایک موکل کے حق میں دلائل دیئے جا رہا تھا لیکن جج صاحب میری ہر دلیل کو مسترد کئے جا رہے تھے۔ بالآخر میرے پاس دلائل ختم ہوگئے تو انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ مسٹر احسان اللہ! آپ کے پاس کوئی اور دلیل ہے؟ میں نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ جی ہاں۔ میرے پاس آخری اور سب سے زور دار دلیل موجود ہے۔ جب تمام دلیلیں ناکام ہو جاتی ہیں تو یہ دلیل کام آتی ہے اور عام طور پر تسلیم کرلی جاتی ہے۔ اس کا نام ہے منت سماجت کی دلیل۔ سو میں آپ کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر میں جج صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔"

"پھر تو انہوں نے آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہوگا؟" ہاجرہ بیگم نے تجسس سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے کورٹ سے نکال دیا تھا۔" احسان اللہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"بہت ہی اچھے جج تھے وہ۔" ساجدہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "ویسے آپ کو صرف کورٹ سے نکالنا ہی کافی نہیں تھا ان کی جگہ میں ہوتی تو آپ کو کورٹ سے نکالنے کے ساتھ ساتھ جیل میں ڈالنے کا بھی حکم دیتی۔"

"ارے .... ہمیں جیل بھجوانے کی حسرت لئے تو نہ جانے کتنے لوگ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔" وہ طویل سانس لے کر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"ہاجرہ بیگم بولیں۔ "احسان میاں! آپ میری بیٹی کو سمجھ نہیں سکے ورنہ آپ کا رویہ اس کے ساتھ یقیناً مختلف ہوتا۔"

"میں دوسروں کو سمجھنے کی کوشش میں مغز نہیں کھپاتا۔ زندگی میں رات دن اتنے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، انسان کس کس کو سمجھنے کی کوشش کرے؟ اس دور میں تو انسان خود اپنے آپ کو ہی سمجھ لے تو بہت بڑی بات ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا اور چائے کا کپ تپائی پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

"اب تو آپ کی باتیں مجھے بھی گراں گزرنے لگی ہیں پہلے بھی آپ کا انداز گفتگو تو کم و بیش یہی تھا لیکن اتنا زیادہ اول فول نہیں بولتے تھے۔" ہاجرہ بیگم بولیں۔

"آپ مروت سے کیوں کام لے رہی ہیں۔ محاورہ صحیح بولئے نا۔ اول فول بولنا صحیح اصطلاح نہیں ہے۔ اول فول بکنا زیادہ صحیح اصطلاح ہے۔" احسان اللہ اطمینان سے بولا۔

"ہماری آنکھ میں ابھی چھوٹوں کے لئے بھی خاصی شرم باقی ہے.........." ہاجرہ بیگم ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔

"خیر.......... اگر آپ کو بھی ہماری باتیں گراں گزرنے لگی ہیں تو ہمیں کچھ سنجیدہ ہونا ہی پڑے گا کیونکہ آپ ہماری کلائنٹ ہیں۔" احسان اللہ بولا۔

"ساجدہ بھی آپ کی کلائنٹ ہوسکتی تھی۔ بشرطیکہ آپ اس کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔" ہاجرہ بیگم بولیں۔

"چلئے.......... آپ زور دیتی ہیں تو میں سنجیدہ ہو جاتا ہوں اور جب میں سنجیدہ ہوتا ہوں تو کام یاد آجاتا ہے۔ چلئے اٹھئے ہمیں رجسٹرار کے آفس چلنا ہے۔" اس نے اور ساجدہ نے سہارا دے کر ہاجرہ بیگم کو سیڑھیوں سے اتارا اور وہ احسان اللہ ہی کی گاڑی میں روانہ ہوگئے۔

رجسٹرار آفس اور بینکوں وغیرہ کے کاموں سے فارغ ہوتے انہیں ایک بج گیا۔ تمام

کارروائیوں کے دوران احسان اللہ کے رویے میں خاصی سنجیدگی رہی۔ واپسی میں وہ ایک اعلیٰ درجے کے ریسٹوران کے سامنے گاڑی کھڑی کرتے ہوئے بولا۔ "مسز عکس! آج آپ لاکھوں کی جائیداد اور لاکھوں کی نقد رقم کی مالک بن گئی ہیں۔ اسی خوشی میں کم از کم اچھا سا لنچ ہی کرا دیجئے۔ آپ کو خود ہی اس ضمن میں کچھ سوچنا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ ہمیں ہی منہ پھاڑ کر کہنا پڑ رہا ہے۔"

"لنچ تو میں کرا دیتی ہوں۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن ایک بات میں واضح کر دوں، امی کے ہوتے ہوئے مجھے ان کی املاک اپنے نام کروانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ یہ صرف ان کی خواہش کی تعمیل ہے لیکن شاید آپ کو اس بات پر کبھی اعتبار نہ آسکے۔"

"مجھے اعتبار آچکا ہے۔" احسان اللہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔ "لیکن مجھے امید ہے محض لنچ کرانے سے کوئی آپ کی نیت پر شک نہیں کرے گا۔"

لنچ سے فارغ ہو کر احسان اللہ نے ساجدہ کی فرمائش پر اسے اس کے آفس اتار دیا اور ہاجرہ بیگم کو گھر لے گیا۔

آفس میں چند ضروری کام نمٹانے کے بعد ساجدہ شام ہی کو گھر پہنچی۔ عکس اس کے کمرے میں پہلے سے موجود تھا۔ ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کرتے ہی وہ اسے نظر آگیا۔

"اوہ.......... عکس..........؟ تم کہاں تھے۔ میں نے تمہیں اتنا یاد کیا۔" وہ اس کی بانہوں میں سمٹتے ہوئے بچوں کی طرح بلک اٹھی۔

"کل.........." وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے حیرت سے بولا۔ "کل میں رات گئے تک تو تمہارے پاس ہی تھا۔"

"ایک بار جانے کے بعد بس تم غائب ہی ہوگئے۔ یاد کرنے پر بھی نہیں آئے۔ مجھے تمہاری ضرورت پڑ گئی تھی۔ اشد ضرورت۔ مگر تم میری مدد کے لئے نہیں آئے۔" اس کی آواز بدستور آنسوؤں میں بھیگی رہی۔

"آخر ہوا کیا تھا؟" عکس نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

ساجدہ نے تفصیل سے اسے سب کچھ بتایا۔ اس نے پہلی بار عکس کے چہرے پر قدرے تشویش کے آثار دیکھے۔ پوری بات سننے کے بعد بھی وہ خاموش اور کھویا کھویا رہا۔ ساجدہ اس کا بازو ہلاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے خیال میں وہ کون تھا؟ وہ غیبی چیز کیا تھی؟"

"تم نے جو کچھ بتایا ہے اس سے مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کون تھی۔" آخر عکس گہری سانس لے کر بولا۔ "اور میرا خیال ہے مجھے تم سے یہ بات چھپانی بھی نہیں چاہئے ہمارے درمیان کوئی بات راز نہیں رہنا چاہئے۔ وہ یقیناً میری بیوی تھی۔"

"کیا..........؟ تمہاری بیوی؟ تو کیا تم شادی شدہ ہو؟" ساجدہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا

رہ گیا۔

عکس ایک لمحے خاموش رہا۔ اس کی نظریں جھکی رہیں۔ چہرے پر ایک عجیب سی شرمساری تھی۔ بالآخر اس نے ندامت بھرے انداز میں سر اٹھایا اور دھیمے لہجے میں بولا..........''میرا خیال ہے مجھے یہ بات تمہیں شروع میں ہی بتا دینی چاہئے تھی .... مگر نہ جانے کیا سوچ کر میں خاموش رہا۔ شاید میں نے اس بات کو زیادہ اہم نہیں سمجھا.......... یا شاید مجھے یہ خوف تھا کہ یہ بات جاننے کے بعد تمہارے دل میں میرے لئے وہ محبت پیدا نہیں ہو سکے گی جس کا میں طلبگار تھا..........یا پھر شاید جس تیزی سے میں تمہاری طلب کے سیلاب میں بہتا چلا گیا اس نے مجھے اس پہلو کے بارے میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی۔''

اس کا سر ایک بار پھر جھک گیا۔ لہجہ کچھ اور مدھم ہو گیا۔ طویل سانس لے کر وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا.......... ''وجہ خواہ کچھ بھی تھی لیکن وہ میرے لاشعور میں تھی .... میں نے شعوری طور پر ایسا نہیں کیا۔ اتنا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں.......... اگر تمہارے دل میں اب بھی میرے لئے کوئی جگہ ہے تو میرا اعتبار کر لو..........''

چند لمحے پہلے ساجدہ کو یہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کے سینے میں چھن سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہے۔ شاید وہ اس کا دل تھا۔ مگر اب اس نے عکس کے چہرے کی طرف دیکھا' اس کے لہجے میں چھپے درد کو محسوس کیا تو وہ اپنے ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹنے پر مجبور ہو گئی۔

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا.......... عکس کوئی عام دنیاوی مرد تو نہیں تھا۔ کم از کم اس کی دنیا کا فرد تو نہیں تھا۔ پھر وہ کیوں اسے اپنی دنیا کے پیمانوں سے ناپ رہی تھی۔ اور پھر وہ تو دل ہی دل میں اس سے اندھی محبت کی دعویدار تھی۔

اگر وہ واقعی اس سے محبت کرتی تھی تو پھر اسے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے تھی کہ وہ کون تھا' کیا تھا۔ شادی شدہ تھا یا غیر شادی شدہ .... وہ جیسا بھی تھا' جو کچھ بھی تھا' بس اس کا اپنا تھا اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا .... وہ نہ جانے کن قوتوں کا مالک تھا مگر اسے کے لئے گویا بندہ بے دام تھا۔ اس کے ہر حکم کی تکمیل کے لئے اس کی جنبش ابرو کا منتظر رہتا تھا۔ اس کے لئے وہ سر تاپا محبت تھا۔ انگ انگ میں ایک ایسی خود سپردگی لئے ہوئے تھا جس کا ساجدہ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس نے مختصر سے عرصے میں ساجدہ کو جتنی خوشیاں' جتنی طمانیت جتنی آسودگی دی تھی اس سے ہی اس کا رواں رواں سرشار تھا.......... اسے بھلا اور کیا چاہئے تھا؟ اگر وہ اس محبت کی دعوے دار تھی تو پھر اسے اس سے کچھ پوچھنا ہی نہیں چاہئے تھا.......... جو کچھ بھی وہ بتاتا' بس خاموشی سے سننا چاہئے تھا.......... محبت تو نام ہی خوش گمانی کا تھا۔

وہ اس کے بازوؤں میں سمٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ''مجھے معاف کر دو

..........شاید ابھی میں محبت کی ان رفعتوں کو نہیں پہنچی جہاں اپنے چاہنے والے کی ذات کے پس منظر میں نہیں دیکھا جاتا .... آنکھ بس اسی پر رہتی ہے .... اس سے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا .... میں بھول گئی تھی کہ تم نے بھی کبھی میرے بارے میں .... میری زندگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننا نہیں چاہا.......... اور اگر تم پہلے ہی سے سب کچھ جانتے ہو تو تم نے کبھی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اشارہ نہیں دیا.......... تم نے مجھے میری خوبیوں اور خامیوں سمیت چاہا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ اتنی ہی کشادہ دل ثابت ہو سکوں .... تم مجھے معاف کر دو پلیز..........!'' اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے۔

وہ یکدم جیسے تڑپ اٹھا۔ اس کے ہاتھ ایک دوسرے سے جدا کرتے ہوئے بولا ....''مت کرو ایسا .... مجھ سے تمہیں کبھی بھی .... کسی بات پر بھی معافی چاہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری نظروں میں تمہارا یہ مقام نہیں ہے'' .... اس نے اپنے خوبصورت ہاتھوں سے ساجدہ کے آنسو پونچھ دیئے۔

کچھ دیر بعد جب تلاطم ذرا تھما تو ساجدہ نے اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا.......... ''کتنا عرصہ گزرا ہے تمہاری شادی کو؟'' اس کا لہجہ اب ہموار تھا۔ اس میں کرب کی چبھن نہیں تھی' حسد کی کاٹ نہیں تھی۔

اس نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر دھیمے اور ذرا شرمیلے سے لہجے میں بولا .... ''تمہاری دنیا کے حساب سے تقریباً' ڈیڑھ سو سال ....''

''کیا ....؟ تمہاری شادی کو ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں؟'' ساجدہ کو ایک بار پھر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''ہاں ....اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' وہ معصومیت سے بولا۔ پھر جیسے اسے خود ہی خیال آیا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا ....''اچھا .... میں سمجھا۔ تمہیں اپنی دنیا کے حساب سے یہ بہت طویل عرصہ محسوس ہو رہا ہو گا۔ لیکن ہمارے لئے یہ بہرحال اتنا طویل عرصہ نہیں ہے۔''

''اور تمہاری عمر کتنی ہے؟'' ساجدہ نے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تقریباً' چار سو سال ....'' وہ اطمینان سے بولا۔

ساجدہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ دنیاوی معاملات میں وہ کوئی بہت زیادہ تجربہ کار عورت نہیں تھی .... لیکن اس کا خیال تھا کہ عکس کے سراپا میں نوخیزوں اور نوجوانوں سے کہیں زیادہ شگفتگی و تازگی' اس کے دست و بازو میں شہ زوروں سے کہیں زیادہ طاقت و مضبوطی' اس کے دل اور امنگوں میں طوفانوں اور سیلابوں کی سی تندی و تیزی تھی .... اور وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی عمر چار سو سال تھی!

لیکن جب وہ اس کی دنیا کا فرد ہی نہیں تھا تو اس کے بارے میں ایسی باتوں پر حیران ہونا کچھ درست نہیں تھا .... ساجدہ نے گہری سانس لیتے ہوئے حیرت کو ذہن سے جھٹکا اور قدرے ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں کہا.......... "بچے بھی ہوں گے تمہارے؟"

اس نے نفی میں سرہلایا اور ساجدہ نے اس کی سنہری آنکھوں میں افسردگی کی ہلکی سی لہر نمودار ہوتے دیکھی .... "بچہ کوئی نہیں ہے.......... اور شاید کبھی نہ ہو .... ہماری دنیا کی ایک بزرگ عورت نے میری بیوی کو بددعا دی تھی کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔ ابھی تک تو اس کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی ہے.......... اور شاید آئندہ بھی ایسا ہی رہے۔"

"لیکن کیوں؟" ساجدہ نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔ "اس عورت نے کیوں بد دعا دی تمہاری بیوی کو؟"

"میری بیوی ایک بہت عجیب .... کرخت طبیعت کی مالک ....اور لوگوں کا دل دکھانے والی عورت ہے" .... عکس ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولا .... "اس بزرگ عورت کا بھی اس نے یقیناً بہت دل دکھایا ہوگا۔ میں نے اس موضوع پر اس سے کبھی زیادہ بات نہیں کی۔ وہ چڑ جاتی ہے۔ چراغ پا ہو جاتی ہے اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتی.......... ادھر بزرگ عورت اب اندھیرے میں تحلیل ہو چکی ہے۔ اس سے بھی تفصیل معلوم نہیں کی جاسکتی.........."

"اندھیرے میں تحلیل ہو چکی ہے؟" ساجدہ نے قدرے تعجب سے دہرایا۔

"ہاں .... میرا مطلب ہے وہ مر چکی ہے.........." عکس گویا سنبھل کر بولا۔ "ہمارے ہاں موت اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ کسی کا وجود بس دھیرے دھیرے تاریکی میں تحلیل ہو جاتا ہے.......... کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا .... "ویسے میں تمہیں اپنی دنیا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتا کر اپنے سماج کا زیادہ سے زیادہ بڑا مجرم بنتا جا رہا ہوں۔ ہمارے لوگوں کے تمہاری دنیا میں آنے اور انسانوں سے رابطہ کرنے پر سخت پابندی ہے.......... یہاں آکر اپنے آپ کو ظاہر کرنا بہت سنگین جرم ہے۔ چہ جائیکہ میری طرح اس دنیا کی کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہونا اور دل و جاں سے اس کا ہو کر رہ جانا .... یہ جرم تو بالکل ہی ناقابل معافی ہے.........."

"اور تمہاری بیوی تمہارے اس جرم سے آگاہ ہو چکی ہے؟" ساجدہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ہاں" .... اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا.......... "اس نے بہت ہنگامہ مچایا ہے۔ اسی لئے تو گزشتہ دنوں میں کچھ پریشان رہا ہوں۔"

"پچھلی رات وہ مجھے سزا دینے کے لئے یہاں آئی تھی؟" ساجدہ نے تصدیق چاہی۔

عکس نے اثبات میں سرہلایا .... "لیکن اس نے مجھ سے اس بارے میں اشارتاً بھی کوئی بات نہیں کی .... اور نہ ہی مجھے اپنی خاص صلاحیتوں کی بدولت اس واقع کا علم ہو سکا .... میں تم سے بہت شرمندہ ہوں.......... تم نے بہت زیادہ ذہنی اذیت اٹھائی.........."

"اس بات کو چھوڑو.........." ساجدہ جلدی سے بولی۔ پھر اس کے لہجے میں ہلکا سا خوف جھلک آیا .... "یہ بتاؤ کہ کیا اسی طرح کسی روز اشتعال میں آکر وہ مجھے ہلاک بھی کر سکتی ہے؟"

"نہیں ...." وہ حوصلہ دینے کے سے انداز میں اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے مسکرایا ...."وہ ہر وقت ہی اشتعال میں رہنے والی عورت ہے۔ اگر اسے قدرت حاصل ہوتی تو وہ کل ہی تمہیں ہلاک کر چکی ہوتی۔ جتنی اسے طاقت حاصل تھی اتنا وہ کر گئی.........."

ایک لمحے کے توقف سے عکس بولا .... "جس طرح تمہاری دنیا میں ہر شخص مختلف ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا مالک ہے' اسی طرح ہماری دنیا میں بھی ہے۔ ہر ایک کا اپنا ایک دائرہ عمل ہے۔ ہر ایک کی کچھ حدود ہیں۔ میری بیوی تو اگر تمہیں نظر بھی آنا چاہتی تو نہیں آسکتی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں اپنی دنیا کے حساب سے بھی خصوصی طاقتیں حاصل ہیں؟"

"اگر تم اسے خود ستائشی سمجھو تو میں کہوں کہ میں اپنی دنیا کا ایک غیر معمولی شخص ہوں.........."

"مجھے اس بات کا یقین دلانے کی ضرورت نہیں .... مجھے پہلے ہی یقین ہے۔" ساجدہ کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے واپس آرہی تھی۔ پھر وہ سوال اس کے ہونٹوں پر آہی گیا جو بہت دیر سے اس کے دل میں مچل رہا تھا.......... "کیا تمہاری بیوی بھی ایک غیر معمولی عورت ہے؟"

"نہیں .... وہ ہماری دنیا کی بالکل ایک عام سی عورت ہے نہایت ہی عامیانہ سی عادتوں کی مالک.........."

"کیا وہ تمہاری طرح خوبصورت بھی نہیں؟" ساجدہ نے بے اختیار پوچھا۔

"یہ تو شاید تمہارا حسن نظر ہے کہ میں تمہیں خوبصورت نظر آتا ہوں ...." اس کی تانبے جیسی رنگت کچھ اور گہری ہوگئی ...."بہرحال اگر تم میرے معیار سے بھی اسے دیکھنا چاہو تو شاید وہ تمہیں ذرا بھی خوبصورت نہ لگے.......... مجھے تو وہ کبھی اچھی لگی ہی نہیں .... لیکن میں اپنی رائے دینا نہیں چاہتا.......... شاید وہ رائے جانبدارانہ شمار ہو .... لیکن ہماری دنیا میں بھی وہ انتہائی کم رو عورتوں میں شمار ہوتی ہے .... اور پھر وہ عمر میں بھی مجھ سے بہت بڑی ہے ....وہ اس وقت تقریباً چھ سو سال کی ہے.........."

"عمر میں بڑی .... بدصورت .... بدزبان .... کرخت مزاج ...." ساجدہ نے سر تھام لیا .... "اف خدایا.........! تو کیا تمہاری دنیا میں بھی بے جوڑ شادیاں ہوتی ہیں؟"

"ہاں ....کیوں نہیں ...." وہ ہلکی سی افسردگی سے بولا ...."اس کائنات میں جتنی بھی دنیائیں آباد ہیں ان میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔"

"جب اس عورت میں کوئی خوبی نہیں .... اور وہ تمہیں پسند بھی نہیں .... تو پھر تم نے اس سے شادی کیوں کی تھی؟"

"اس میں بھی ایک مجبوری آن پڑی تھی ...." وہ گہری سانس لے کر بولا ....

"میرے والدین کا اصرار تھا .... اور میں اس وقت کچھ زیادہ سمجھدار نہیں تھا۔ اپنے برے بھلے کا اتنا علم نہیں رکھتا تھا۔ میری عمر اس وقت پورے دو سو سال بھی نہیں تھی.........."

"تو پھر تمہارے والدین نے یہ بے جوڑ شادی کیوں کی؟"

"چونکہ وہ ہمارے قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی .... اور سردار کی منشاء یہی تھی۔" عکس گہری سانس لے کر بولا .... "میرے والدین چاہتے بھی' تو انکار نہیں کر سکتے تھے .... لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ انکار کرنا چاہتے بھی نہیں تھے۔ وہ تو اس رشتے پر بہت خوش تھے.......... یہ ان کے لئے ایک اعزاز تھا۔"

"کیوں؟" ساجدہ کے لہجے میں الجھن تھی۔

"کیونکہ اس کے بعد وہ قبیلے کے اقتدار میں شریک ہو گئے۔ ان کا شمار سرداروں میں ہونے لگا.........."

"اوہ مائی گاڈ ....!" ساجدہ ایک بار پھر سر تھامتے تھامتے رہ گئی.........."ہر جگہ وہی کہانی .... وہی طبقاتی کشمکش .... وہی اقتدار کی ہوس .... وہی اپنی پسند ناپسند کے لئے دوسروں کے جذبات کی پامالی ....!" اس نے بے بسی آمیز سے انداز میں چھت کی طرف دیکھا.........."خدایا! انسان کو کہیں ان چکروں سے نجات ہے یا نہیں؟"

"شاید کہیں نہیں" عکس مسکرایا.........."شاید زندگی اسی کا نام ہے۔ شاید مجھ جیسے اور تم جیسے انسانوں کے خوابوں کی جنت کسی اور انتہائی خفیہ مقام پر واقع ہے جسے دریافت کرنے میں نہ جانے کتنے ہزار برس لگیں .... لیکن تم ان باتوں کو چھوڑو .... ہماری قربت کی گھڑیاں دن بہ دن کچھ کم ہوتی جا رہی ہیں اور ہم انہیں بھی تشویش بھری باتوں میں ضائع کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ ان لمحوں کے درمیان ہمیں تو ایک دوسرے کی ذات میں سمائے رہنے کے سوا کسی بات کی ہوش نہیں ہونی چاہئے۔"

"کیا تمہیں بھی میری صورت بالکل ٹھیک نظر آ رہی ہے؟" دفعتہً ساجدہ کو جیسے اصل مسئلہ یاد آگیا۔

"ہاں .... مجھے اگر کوئی تبدیلی نظر آتی تو میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوتا ...."

ساجدہ نے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ اسے اپنی صورت بدستور ڈراؤنی اور بھیانک نظر آئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا اور بے اختیار سسک اٹھی.......... "کیا اپنے آپ کو اب میں ہمیشہ ایسی ہی نظر آیا کروں گی؟"

"نہیں.......... ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ میری بیوی تنہا تمہیں کسی بھی سنگین مسئلے سے دوچار نہیں کر سکتی۔ اس بات کا تم اطمینان رکھنا۔" عکس نے یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے اور نہایت دھیرے دھیرے اس کے بالوں سے لے کر گردن تک اپنا ہاتھ پھیرا۔

ساجدہ کو یہی محسوس ہوا جیسے اس کے چہرے پر کوئی گاڑھا مگر نادیدہ سیال چمٹا ہوا تھا جو عکس کے ہاتھ کی رگڑ کے ساتھ دھیرے دھیرے صاف ہوتا چلا گیا۔

"اب آنکھیں کھولو اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو.........." عکس نے ہدایت کی۔

ساجدہ نے ڈرتے ڈرتے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور اطمینان کی ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ چوبیس گھنٹے بعد اس نے ایک انتہائی بھیانک چہرے کی جگہ اپنا اصل چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اسے پہلے سے کہیں زیادہ بھلا محسوس ہوا۔

"بس اتنی سی بات تھی.........." عکس بولا۔

"تمہارے لئے یہ اتنی سی بات تھی۔ مجھے تو اپنی زندگی اجیرن ہوتی محسوس ہو رہی تھی.........." ساجدہ بولی اس کے سینے سے یکدم جیسے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

رات گئے عکس اس کے ہاں سے رخصت ہوا.......... ساجدہ بیڈ پر دراز تھی اور اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا' بہت آسودہ محسوس کر رہی تھی۔ نیند کا خمار دھیرے دھیرے اس کی رگ و پے میں اتر رہا تھا اور وہ دھیرے دھیرے دامن پھیلاتی ہوئی اس بے خبری سے محظوظ ہو رہی تھی۔ عین اس وقت جب اس کا خیال تھا کہ وہ نیند کی وادی میں اترنے لگی ہے' کال بیل بج اٹھی .... ایک عجیب سے سرور' خمار اور غنودگی کے لذت بخش بوجھل پن سے نجات پا کر اس کے اعصاب کو جھرجھری لے کر چوکنا ہونا پڑا.......... یہ ایک تکلیف دہ عمل تھا۔

ساجدہ نے آنکھیں تو پوری طرح کھول لیں لیکن وہ فوری طور پر بستر سے حرکت نہ کر سکی۔ اس کا جسم گویا جھنجھنا رہا تھا۔

کال بیل دوبارہ بجی۔ کوئی خاص طور پر نچلے پورشن ہی کی کال بیل بجا رہا تھا۔ اگر وہ ہاجرہ بیگم کا مہمان ہوتا تو اوپر کی بیل بجاتا۔ باہر جہاں گھنٹیوں کے الگ الگ بٹن تھے وہاں ان دونوں کے ناموں کی الگ الگ تختیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔

لیکن رات کے اس پہر اس سے کون ملنے آ سکتا تھا؟

وہ شب خوابی کا لبادہ درست کرتے بیڈ سے اٹھی اور کمرے سے نکل کر گیٹ تک پہنچی۔

گیٹ میں میجک آئی موجود تھی۔ اس سے آنکھ لگا کر اس نے باہر جھانکا۔ باہر ملگجی روشنی میں وکیل احسان اللہ کھڑا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ٹائی ڈھیلی ہو کر گلے میں جھول رہی تھی۔ پیچھے فٹ پاتھ کے قریب ہی اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ بھی صحیح طور پر بند نہیں کیا تھا۔ کھڑے کھڑے بھی وہ کچھ اس انداز میں جھول رہا تھا جیسے گر پڑے گا۔

"ساجدہ کو اس وقت اس حال میں اسے باہر کھڑے دیکھ کر تشویش ہوئی لیکن قدرے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ تنہا ہی نظر آرہا تھا!

"ساجدہ پلیز.........! دروازہ کھولو........." ساجدہ نے اسے خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتے سنا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ساجدہ کا بہت پرانا شناسا ہو۔ اسے گویا اندازہ تھا کہ ساجدہ میجک آئی سے اسے دیکھ رہی ہے۔ اس کی نظر میجک آئی کے ننھے سے عدسے پر ہی تھی۔ وہ تیسری مرتبہ کال بیل کی طرف ہاتھ بڑھانے ہی لگا تھا کہ ساجدہ نے دھیمے مگر ڈانٹنے سے انداز میں پوچھا........."کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہیں آپ اس وقت؟"

احسان اللہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اپنی جگہ کھڑے کھڑے جھول سا گیا۔ ایک لمحے بعد وہ سنبھل کر بولا........."ساجدہ! تم دروازہ کھولو......... میں تمہیں ساری بات بتاتا ہوں......... پلیز میری بات سن لو......... میری کہانی بہت دکھ بھری ہے۔"

اس نے ہچکی سی لی۔ ساجدہ کو اندیشہ محسوس ہوا کہ وہ وہیں کھڑے کھڑے رونا شروع کر دے گا۔ اگر کوئی ادھر سے گزرتا یا کوئی پڑوسی نکل آتا یا پھر چوکیدار اپنے گشت کے دوران وہاں آپہنچتا تو اچھا بھلا تماشا بن جاتا۔

ساجدہ نے ایک لمحے سوچا اور گیٹ کھول دیا۔ احسان اللہ اندر آگیا۔ اس کی چال غیر متوازن تھی۔ ساجدہ نے گیٹ بند کر دیا اور اس کی طرف مڑی۔ وہ لان کے قریب سے گزرتا ہوا سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف جا رہا تھا۔ چال میں گو اب بھی لڑکھڑاہٹ تھی مگر انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کوئی تھکا ہارا آدمی رات گئے اپنے گھر پہنچا ہو۔

ساجدہ نے بہتر سمجھا کہ اس سے کمرے میں ہی بات کی جائے۔ اس نے اسے نہیں روکا اور خود آگے بڑھ کر اس کے لئے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔

وہ اندر پہنچی تو احسان اللہ اس پر گرتے گرتے بچا۔ ساجدہ نے اسے پرے دھکیلا تو اسے اس کے منہ سے عجیب سی بو آئی۔ اسے کوئی خاص پہچان تو نہیں تھی پھر بھی نہ جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ وہ شراب کی بو تھی۔ تب ساجدہ کو احساس ہوا کہ اس کی لڑکھڑاہٹ خمار کی وجہ سے تھی۔ مگر اب بہرحال وہ کچھ سنبھل چکا تھا۔ اتنا زیادہ مدہوش نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ ساجدہ کے پیروں میں جھکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا........."ساجدہ! خدا کے لئے مجھ سے شادی کر لو........."

ایک لمحے کے لئے تو ساجدہ ہکا بکا رہ گئی۔ پھر وہ سنبھل کر بولی........."رات کے پچھلے پہر......... شراب کے نشے میں دھت ہو کر آپ کو صرف یہی سنہرا خیال آیا؟ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں سوجھی؟ میرا خیال ہے اتنی انوکھی شادی کی درخواست شاذونادر ہی کسی عورت سے کی جاتی ہوگی........."

"خیال کی آپ کیا بات کر رہی ہیں........." وہ ہچکیاں لیتے ہوئے لڑکھڑاتے سے لہجے میں بولا........."میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے میرے دماغ میں آپ سے شادی کے علاوہ کوئی خیال آہی نہیں رہا......... لیکن اتنی جلدی آپ سے یہ بات کہنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ اس کے لئے شراب کے نشے میں دھت ہونا ضروری تھا......... چنانچہ آج رات جب دوستوں میں بیٹھ کر پینے پلانے کا دور ختم ہوا تو سیدھا آپ کی طرف آگیا......... کیونکہ میں خود میں جرات محسوس کر رہا تھا........."

"بہت خوب........." ساجدہ زہریلے لہجے میں بولی........."اب مجھے معلوم ہوا کہ شراب کس طرح انسان کو گدھا بنا دیتی ہے......... ویسے بائی دا وے احسان صاحب.........! آپ کو یہ بات کہنے کی اتنی جلدی بھی کیا تھی کہ آپ صبح کا بھی انتظار نہیں کر سکے؟"

"صبح تک شاید نشہ ہرن ہو جاتا......... شاید مجھ میں اتنی جرأت نہ رہتی۔" وہ فوراً بولا......... "اور پھر میرے پاس وقت کم ہے......... زندگی ویسے ہی آج کے دور میں کتنی مصروف ہے......... پھر تم میری عمر دیکھو........." وہ اپنے کھچڑی بال انگلیوں میں پھنسا کر اسے دکھانے لگا......... "بال تقریباً سارے سفید ہو چلے ہیں۔ پچاس کے قریب عمر ہونے کو آرہی ہے......... ماہ و سال کی ریت بڑی تیزی سے مٹھی سے پھسل رہی ہے......... ویسے تو یہ بھی شادی کی کوئی معقول عمر نہیں......... لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کوئی حرج نہیں........."

"مسٹر احسان اللہ........." وہ کمرے کے وسط میں کھڑے کھڑے نہایت ٹھہراؤ سے بولی......... "ام الخبائث نے آپ کو یہ اہم بات بھی بھلا دی کہ میں شادی شدہ ہوں اور اپنی ازدواجی زندگی سے بہت خوش ہوں......... اگر میرے شوہر یہاں ہوتے اور آپ کی یہ حسین پیش کش سن لیتے تو شاید آپ کی اس اجاڑ سی صورت کو مزید اجاڑ دیتے........."

"اوہ......... کم آن........." احسان نے بے پروائی سے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی......... "ان بے کار کی باتوں کو رہنے دیجئے۔ میں جن چیزوں میں دلی لگاؤ محسوس کرتا ہوں ان کے بارے میں بہت گہرائی تک جاتا ہوں۔ آپ کے بارے میں بھی جس حد تک کوئی عمدہ قسم کا جاسوس معلومات حاصل کر سکتا تھا اتنی میں نے بھی کر لی ہیں........." وہ اسے کبھی "آپ" کہہ

کر مخاطب کرنے لگا تھا اور کبھی "تم" کہہ کر۔

ایک اور ہچکی لے کر وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا .... "میں نے اس اسکول کا بھی سراغ لگا لیا جہاں آپ پڑھاتی تھیں .... میں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ رفیق نامی ایک شخص سے آپ کی شادی ہوئی تھی اور پھر طلاق ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد آپ کی دوسری شادی ہونے کا کوئی سراغ، کوئی ثبوت نہیں ملا.......... میرا خیال ہے شادی شدہ ہونے کی کہانی آپ نے ہاجرہ بیگم کو متاثر کرنے کے لئے گھڑی تھی اور بعد میں آپ کو اس پر قائم رہنا پڑا .... لیکن خیر.......... کوئی حرج نہیں۔ آپ نے اچھا ہی کیا.......... اتنا مجھے یقین ہے کہ آپ ایک شریف اور باکردار عورت ہیں۔ آپ چاہیں تو ابھی ہم اس شادی کو خفیہ رکھیں گے اور ہاجرہ بیگم کے انتقال کے بعد باضابطہ طور پر میاں بیوی کی طرح رہنا شروع کر دیں گے.........."

ساجدہ کو عجیب، بے بسی آمیز سی ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی.......... وہ دونوں ہی کو ضبط کرتے ہوئے بولی .... "احسان صاحب! آپ جیسا عجیب و غریب کردار میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ آپ بیک وقت بے شمار متضاد قسم کی خصوصیات کے مالک نظر آتے ہیں۔ ایک ہی لمحے میں آپ انتہائی چالاک بھی دکھائی دیتے ہیں اور انتہائی احمق بھی.......... ایک ہی لمحے میں آپ کی سنجیدگی بھی حیران کن نظر آتی ہے اور اسی لمحے میں آپ پرلے درجے کے مسخرے بھی معلوم ہوتے ہیں.......... میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ مجھے آپ پر ترس بھی آ رہا ہے اور اسی ایک لمحے میں میرا یہ بھی دل چاہ رہا ہے کہ ماربل کی یہ بھاری ایش ٹرے اٹھا کر آپ کے منہ پر دے ماروں اور آپ کے سارے دانت باہر نکال دوں.........."

"ان دونوں ہی کاموں کی کوئی ضرورت نہیں .... بس آپ صرف ایک کام کریں .... اور وہ یہ کہ مجھ سے شادی کر لیں.........." اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی، آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور ان میں خون جیسی سرخی تھی لیکن پھر بھی اس کا دماغ کافی حد تک صحیح کام کر رہا تھا.......... گو کہ اس کے خیالات کی سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

ساجدہ گویا اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے گہری سانس لے کر بولی .... "احسان صاحب! آپ وکیل ہیں.......... ذرا دلیل سے بات کیجئے .... فرض کیجئے میرے شادی شدہ ہونے کی کہانی فرضی ہے تب بھی میں آپ سے کیوں شادی کر لوں؟ آپ خود ہی کہہ چکے ہیں کہ آپ کی عمر پچاس کے قریب ہے۔ آپ مجھ سے اتنے بڑے ہیں .... اور میں آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی .... بھلا مجھے کیا پڑی ہے آپ سے شادی کرنے کی؟"

"ساجدہ! میں نے بہت دردناک زندگی گزاری ہے .... والد میرے بچپن میں ہی مر گئے تھے۔ ماں نے بھائیوں کے گھر رہ کر مجھے پالا۔ دونوں ماموں اپنی بیویوں کی باتوں میں آ کر مجھے

خوب مارا کرتے تھے اور ماں چھپ چھپ کر دیکھا کرتی تھی۔ بڑی مشکلوں سے میں نے میٹرک تک پڑھا.......... اس کے بعد ماموؤں سے چھٹکارا پا کر دو دو جگہ پارٹ ٹائم نوکریاں کر کے تعلیم مکمل کی .... وکالت کی .... اور اپنا تھوڑا بہت مقام بنایا۔ ماں کی پسند سے شادی کی لیکن بیوی کو میں پسند نہیں تھا.......... اماں تو شادی کرا کے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ان کے بعد بیوی بھی مجھ سے خلع لے کر میرے ہی ایک اسسٹنٹ سے شادی کر کے دبئ چلی گئی.........." وہ ایک بار پھر ساجدہ کے قدموں میں جھکنے لگا۔

ساجدہ تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولی .... "لیکن ان سب باتوں کا انتقام آپ مجھ سے کیوں لینا چاہتے ہیں؟ میرا اس میں کیا قصور ہے؟"

"انتقام کی اس میں کیا بات ہے ساجدہ! میں تو آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس انسان کی زندگی میں اتنی محرومیاں، اتنی تشنگی ہوتی ہے وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوتا ہے۔ آپ میرا سہارا بن جائیے۔ میرے زخمی دل پر ہمدردی کا پھایا رکھ دیجئے۔ میں آپ کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں بھر دوں گا.......... دیکھئے .... میں آپ کو ایک بات اور بتاؤں۔ ہماری زندگی بہت خوشگوار گزر سکتی ہے اور ہم بہت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں .... کروڑ پتی بن سکتے ہیں۔ میرے پاس کچھ اور زیادہ رقم تو نہیں ہے .... یہی کوئی تین چار لاکھ روپیہ ہوگا لیکن اسے آپ اپنا ہی سمجھئے.......... آپ ایک پڑھی لکھی، سمجھدار ورکنگ وومن ہیں اور قسمت نے آپ کو بیٹھے بٹھائے چالیس پچاس لاکھ کی مالک بنا دیا ہے۔ میں مالی معاملات کو چلانے اور کاروبار وغیرہ کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں بہت کام کا آدمی ہوں کیونکہ میری وکالت بھی زیادہ تر مالی معاملات سے ہی متعلق رہی ہے .... ہم دونوں مل کر بہت آگے بڑھ سکتے ہیں .... کسی بڑے کاروبار میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں .... وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں .... آپ میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے.........."

"اوہ .... اب میں سمجھی ...." ساجدہ بے اختیار گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"آپ تو بڑی کمال چیز ہیں احسان صاحب! آج ہی آپ نے سب کچھ میرے نام ٹرانسفر کرایا۔ آج ہی آپ کے ذہن میں اسکیمیں بھی آ گئیں۔ آج ہی آپ نے مجھ سے شادی کا فیصلہ بھی کر لیا .... میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں زندگی میں کبھی آپ جیسی تیز رفتار ہستی سے بھی ملوں گی..........؟"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بھینچے بھینچے سے جبڑوں کے ساتھ، ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی.......... "میرا خیال ہے آپ کافی بکواس کر چکے ہیں اور میں اسے برداشت کر چکی ہوں.......... اب آپ صرف اتنا بتا دیجئے کہ اپنی ٹانگوں پر ہی چل کر واپس جانا پسند کریں گے یا میں آپ کو اٹھوا کر باہر پھنکوانے کا بندوبست کروں؟"

"کس سے پھنکوائیں گی آپ؟" وہ تمام تر مدہوشی کے باوجود استہزائیہ سے انداز میں ہنسا.......... "مجھے معلوم ہے اس گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے اٹھا کر باہر پھینک سکے.........."

"آپ کی یہ خوش فہمی آپ کو مزید نقصان پہنچائے گی ...." ساجدہ بولی ....

"ویسے.......... بائی دا وے .... آپ جب بھی اپنی کسی کلائنٹ کے نام دولت جائیداد وغیرہ منتقل کراتے ہیں تو کیا اسی رات نشے میں دھت ہو کر شادی کی درخواست لے کر اسی طرح اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں؟"

"میری بات کو طنز و مزاح میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو ساجدہ!" اس نے سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ ساجدہ کے کندھوں پر رکھنے کی کوشش کی .... ساجدہ نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے مگر وہ سنبھل کر کچھ اور قریب آ گیا۔

اس نے ساجدہ کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور "پلیز.......... پلیز" کی گردان کرنے لگا۔ ساجدہ نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ بے شک عمر میں بڑا تھا' زیادہ توانا بھی نہیں تھا اور اس وقت نشے میں بھی تھا.......... مگر بہرحال مرد تھا! ساجدہ اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے نہ چھڑا سکی۔

وہ روہانسی ہو گئی۔ اسے بہت عجیب بھی لگ رہا تھا' یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ اتنے احمقانہ انداز میں کوئی شخص آ کر جان کے لئے عذاب بن سکتا ہے۔ اس نے یونہی ایک موہوم سی امید کے سہارے آنکھیں بند کر کے عکس کا تصور کیا۔ اسے یقین تو نہیں تھا کہ وہ آئے گا..........

آج کل ایسا کم ہی ہوتا تھا۔

مگر وہ شاید کوئی خوش قسمت لمحہ تھا۔ عکس دوسرے ہی لمحے اس کے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر تلاطم کے آثار تھے اور سنہری آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ ساجدہ کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے احسان اللہ کو یوں گردن سے پکڑ کر اٹھا لیا جیسے کسی نے خرگوش کو ہاتھ میں لٹکا لیا ہو۔

اس طرح اسے اٹھائے وہ باہر لے چلا۔ ساجدہ نے اطمینان کی سانس لے کر غیر ارادی طور پر آنکھیں کھول دیں۔ اب اسے عکس نہیں نظر آ رہا تھا۔ صرف احسان اللہ نظر آ رہا تھا۔ وہ ہوا میں معلق تھا اور اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل آئی تھیں اور نشہ یقیناً ہرن ہو گیا تھا۔

وہ ہوا میں تیرتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ ساجدہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔ وہ اسی طرح ہوا میں لہراتا گیٹ تک پہنچا۔ گیٹ کھلا اور وہ دھپ کی خاصی زوردار آواز کے ساتھ فٹ پاتھ پر جا گرا۔ عکس نے اسے پٹخ دیا تھا۔

کئی لمحے وہ وہیں پڑا کراہتا رہا.......... مگر عجیب ڈھیٹ آدمی تھا۔ بالآخر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ گردن سہلائی' سر جھٹکا اور ایک بار پھر ساجدہ کی طرف بڑھا۔ آنکھوں میں خوف اور چال میں ہچکچاہٹ بھی تھی مگر پھر بھی وہ ساجدہ کے قریب آ گیا اور بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولا ....

"تو آپ جوڈو کراٹے بھی جانتی ہیں؟"

ساجدہ کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی .... "جوڈو کراٹے میں ایسا کوئی داؤ نہیں جس کے ذریعے آپ ہوا میں اڑتے ہوئے کمرے کے دروازے سے نکل کر سمتیں تبدیل کرتے ہوئے باہر آ کر گرتے اور درمیان میں گیٹ بھی خود بخود کھل جاتا.........."

"تو پھر.......... تو پھر..........؟" احسان اللہ کی آنکھیں کچھ اور پھیل گئیں .... آواز حلق میں بالکل ہی پھنسنے لگی۔

"بس .... یہ آپ کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ...." ساجدہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولی .... "لیکن اتنا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے تنگ کر کے آپ نقصان میں رہیں گے.........."

اس بار عکس نے اسے اٹھایا اور اس کی کار میں ٹھونس دیا۔ اس بار اس کے حواس قدرے ٹھیک تھے اور اس نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ ساجدہ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ وہ کوئی غیر مرئی قوت ہی تھی جو اسے کھلونے کی طرح اٹھا اٹھا کر ادھر سے ادھر پٹخ رہی تھی۔

اب وہ صحیح معنوں میں خوفزدہ ہوا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی۔ اسے بمشکل ریورس کیا۔ پھر اس کی کار لہراتی ہوئی ساجدہ کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ کار کے روانہ ہونے کا انداز بتا رہا تھا۔ کہ احسان اللہ کو اس وقت گاڑی پر صحیح طرح قابو نہیں تھا۔ وہ بہت بری ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن ساجدہ نے بہرحال اس کے رخصت ہونے پر اطمینان کی سانس لی۔

دوسرے روز آفس میں اسے مصروفیات سے کچھ دیر کے لئے نجات ملی تو وہ سرسری نظر سے شام کا اخبار دیکھنے لگی .... اس میں ایک جگہ اسے مختصری خبر نظر آئی۔

ٹریفک کے حادثے میں وکیل ہلاک۔

اس نے جلدی سے خبر کے متن پر نظر دوڑائی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ رات کے پچھلے پہر شہر کی ایک معروف شاہرہ پر وکیل احسان اللہ کی کار گرین بیلٹ کی دیوار اور حفاظتی جنگلے سے بری طرح ٹکرا کر چکنا چور ہو گئی۔ اس وقت سڑک پر ٹریفک برائے نام تھا اور پولیس نے ابتدائی تفتیش سے ہی یہ رائے قائم کی تھی کہ حادثہ تیز رفتاری اور احسان اللہ کے نشے میں ہونے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔

ساجدہ نے اپنے دل میں تاسف کی ایک ہلکی سی لہر محسوس کی۔ احسان اللہ بلاشبہ ایک

عجیب و غریب کردار تھا۔ اس کی وجہ سے ساجدہ کو بہت کوفت اٹھانا پڑی تھی۔ لیکن اس نے یہ ہرگز نہیں چاہا تھا کہ وہ مرجائے۔ اس رات عکس اس کے پاس آیا تو ساجدہ نے اپنے تاسف کا اظہار کیا۔ عکس بے پروائی سے بولا .... "تمہیں اس کی موت کا ذرا بھی افسوس نہیں کرنا چاہئے۔ وہ اسی قابل تھا .... بلکہ اسے بہت پہلے مرجانا چاہئے تھا۔ تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا باقاعدہ سرغنہ تھا .... ساری منصوبہ بندی اسی کی ہوتی تھی اور وہ اپنی وکالت وغیرہ کی آڑ میں انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتا تھا۔ وہ اس پیشے کی بدنامی کا باعث تھا .... اگر وہ زندہ رہتا تو تمہیں اس کے ہاتھوں بڑی تکلیف اٹھانا پڑتی ...."

عکس کے ان انکشافات پر ساجدہ کو یقین نہیں آرہا تھا .... اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ساجدہ سنبھل کر بولی۔ "کیا میں یقین رکھوں کہ اس کی موت میں تمہارا ہاتھ ہرگز نہیں ہے؟"

عکس مجروح سے لہجے میں بولا۔ "تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟ اگر میں ہی اس کی موت کا سبب بنا ہوتا تو مجھے یہ بات تم سے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی بے ہودگیاں دیکھ کر میرا دل یہی چاہا تھا کہ اسی جگہ اس کی گردن مروڑ دوں مگر اسی لئے باز رہا کہ شاید تمہاری نظر میں یہ ایک انتہائی اقدام ہو .... بہرحال اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی .... قدرت نے اسے خود ہی اس کی بداعمالیوں کی سزا دے دی .... ظاہر ہے آدمی اگر نشے میں دھت ہو کر رات کے پچھلے پہر سڑکوں پر گاڑی لہراتا پھرے گا' تو ٹریفک خواہ برائے نام ہی ہو' مگر حادثہ تو ہوگا۔"

"خیر .... میں اس کے بارے میں اتنی زیادہ پریشان نہیں ہوں۔" ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔ "میں تو ویسے ہی معلومات کے لئے پوچھ رہی تھی .... مجھے اس کی موت کا کوئی خاص افسوس نہیں ہے .... خس کم جہاں پاک .... لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شخص نے مجھے حیران پریشان کر دیا تھا۔" ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی امی کو اس کی موت کا علم نہیں .... اخبار میں تو وہ صرف موٹی موٹی سرخیاں ہی پڑھتی ہیں۔"

"تم انہیں بھی احسان اللہ کے اصلی کردار کے بارے میں بتا دینا تاکہ انہیں بھی کم افسوس ہو۔" عکس بولا۔

ساجدہ چند روز میں اس واقعے کو بھول بھال گئی۔

○---------☆---------○

آنے والے چند سال اس کی زندگی میں بہت ہنگامہ خیز رہے۔ دنیا کے میدان میں کامیابیوں کا سفر اس نے بہت ہی تیزی سے طے کیا ایس ٹی کنسٹرکشن کمپنی کو مزید کئی بڑے ٹھیکے اسی کی بدولت ملے اور بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اتفاق رائے سے ساجدہ کو ایگزیکیٹو ڈائریکٹر کا عہدہ دے دیا۔ اس کی تنخواہ چوبیس ہزار روپے ماہانہ ہو گئی بقول جیلانی صاحب کے' یہ اس کی خدمات کے اعتراف کا ایک معمولی سا طریقہ تھا۔

اسی دوران ہاجرہ بیگم کا بھی انتقال ہو گیا۔ ساجدہ کے دل کو ان کی موت سے خاصا شدید دھچکا سا لگا وہ ایک مہربان عورت تھیں اور انہوں نے ساجدہ کی زندگی کا رنگ ڈھنگ بدلنے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

لیکن وقت واقعی سب سے کارگر مرہم ہے رفتہ رفتہ یہ گہری خراش بھی مندمل ہو ہی گئی۔

ساجدہ کی ضروریات محدود تھیں ایک بار وہ حساب کتاب کرنے بیٹھی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ ایک خاصی دولت مند عورت بن چکی ہے .... ہر ماہ اس دولت میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس روپے پیسے کا کیا مصرف ہوگا اور اس سے اُسے کیا کرنا چاہئے۔

ویسے تو دولت جمع ہونا ایک مسئلہ تھا' اسے ٹھکانے لگانا یا خرچ کرنا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ چاہتی تو مزید مہنگے علاقے میں مزید بڑا بنگلہ خرید سکتی تھی' روزانہ گھر پر یا اونچے ہوٹلوں میں پرتکلف اور پرتعیش پارٹیاں دے سکتی تھی لیکن یہ اس کا مزاج نہیں تھا .... اسے معلوم تھا کہ اس قسم کے شوق پالے اور اس قسم کی سرگرمیاں شروع تو کرلی جاتی ہیں لیکن ان کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اکیلی اس کی جان تھی وہ اپنے آپ کو اتنے بکھیڑوں میں الجھانا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے لئے تو عکس کی رفاقت ہی کافی تھی وہ اسی میں مگن رہتی تھی مگر اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ عکس کی رفاقت میں ساجدہ کا حصہ دن بہ دن کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اب کئی کئی دن بعد اس کے پاس آتا تھا اور سال بہ سال اس کی آمد کے درمیان وقفہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ جوں جوں ساجدہ زیادہ سے زیادہ خود مختار ہوتی جا رہی تھی اور اس کی خود اعتمادی بڑھتی جا رہی تھی' توں توں عکس کی مجبوریوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ ایک بے بس اور بدحواس سی مخلوق دکھائی دینے لگا تھا۔

شروع شروع میں وہ جیسا مافوق الفطرت دکھائی دیتا تھا اور جس طرح بے شمار کاموں پر قادر نظر آتا تھا' اس کی ان صلاحیتوں میں دن بدن کمی آتی جا رہی تھی ایسا لگتا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے ایک آزاد اور طاقتور پنچھی کے پر کافی حد تک کتر دیئے ہیں۔

وہ کھل کر ساری بات بھی نہیں بتاتا تھا ساجدہ کے بارہا کریدنے پر اس نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کی دنیا کے بزرگ' جن کی حیثیت "پنچوں کی سی تھی' اس سے بہت ناخوش تھے......... اس کی بیوی اور سسرال والوں کے غیظ و غضب کا تو ظاہر ہے کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

وہ سب اس بات پر اس سے برہم و ناراض تھے کہ وہ ایک عام سی دنیا کی عام سی عورت کے عشق میں کیوں گرفتار تھا؟ وہ ساجدہ سے اس کا تعلق تڑوانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے رہتے تھے لیکن عکس کے جہاں تک بس میں تھا' وہ ان کا توڑ کرتا رہتا تھا۔

اس کے خیال میں یہی غنیمت تھا کہ اس کی دنیا کے لوگوں کی' ساجدہ کی دنیا میں زیادہ رسائی نہیں تھی' یہاں ان کا زیادہ اختیار نہیں چلتا تھا ورنہ وہ کب کے ساجدہ کو فنا کر چکے ہوتے۔

تاہم عکس کی بیوی نے کسی نہ کسی حد تک کچھ عرصے کے لئے دنیا میں رسائی حاصل کر لی تھی اور جس طرح بھی اس سے بن پڑا تھا' اس نے ساجدہ کو اذیتیں پہنچائی تھیں۔ وہ ساجدہ کو نظر نہیں آتی تھی مگر اس کی آمد کا ساجدہ کو پتا چل جاتا تھا اس کی آمد کا اندازہ وہی ہوتا تھا جو پہلے دن تھا۔ اسی طرح کھڑکی کے چھجے پر پائل کھنکتی تھی اور پھر ساجدہ کو کمرے میں کسی غیر مرئی وجود کا احساس ہونے لگتا تھا۔

کبھی وہ کمرے میں توڑ پھوڑ مچا جاتی' فرنیچر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اس کے میک اپ کا مہنگا اور امپورٹڈ' سامان تباہ ہو جاتا' کبھی دیواروں سے خون جیسا سیال ٹپکنے لگتا ایک بار اس کے قالین میں آگ لگ گئی۔

اس کی ملازمہ گھر کو آسیب زدہ سمجھ کر ملازمت چھوڑ کر بھاگ گئی اور ساجدہ کو بڑی مشکل سے اس جیسی دوسری کچھ مہذب اور کچھ پڑھی لکھی ملازمہ میسر آئی۔

ایک بار وہ آئی تو نہ جانے کیا کر گئی کہ ساجدہ کی ٹانگیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ اسے یہی محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں برف کی ہو گئی ہیں وہ بستر پر صرف اٹھ بیٹھ سکتی تھی لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتی تھی ٹانگوں کی یخ بستگی کی وجہ سے اس کے پورے جسم میں کپکپی سی دوڑ رہی تھی۔

تین دن میں نہ جانے کتنے ڈاکٹر اسے دیکھنے آئے بالآخر اسے اسپتال بھی لے جایا گیا.......... مگر کسی بھی علاج سے ذرہ برابر فائدہ نہ ہوا اس دوران عکس بھی نہ آیا ساجدہ اسی اندیشے سے دن رات بلک بلک کر روتی رہی کہ شاید وہ زندگی بھر کے لئے معذور ہو گئی ہے۔

چھٹے دن عکس آیا وہ پریشان نظر آ رہا تھا ساجدہ کی حالت دیکھ کر مزید پریشان ہو گیا.......... لیکن اس نے ساجدہ کو تسلی دی اور اس کے پیروں کے دونوں انگوٹھے مٹھی میں دبا کر آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو گیا اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔

ساجدہ کو یہی محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگوں سے کوئی انتہائی یخ بستہ سی چیز سمٹ سمٹ کر اس کی مٹھی میں جا رہی ہے چند لمحوں میں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی یہ دیکھ کر اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ اپنی ٹانگوں کو حرکت دے سکتی تھی' ان پر کھڑی ہو سکتی تھی' چل پھر سکتی تھی۔

مگر اس دوران عکس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے اور وہ تھر تھر کانپنے لگا وہ اپنی کیفیت کے بارے میں کچھ بتائے بغیر' معذرت کر کے فوراً" ہی غائب ہو گیا۔ ساجدہ اب اپنی پریشانی بھول کر اس کے بارے میں بہت پریشان رہی لیکن دوسرے روز وہ پھر آ گیا.......... اور ساجدہ نے یہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کہ وہ بالکل ٹھیک تھا۔

اس طرح ان تین برسوں میں ساجدہ نے خاصی پریشانیاں اٹھائیں مگر عکس کی خاطر وہ انہیں برداشت کرتی رہی.......... پریشانیاں اگر اس کی وجہ سے آئی تھیں تو راحتیں بھی اسی کی وجہ سے ملی تھیں' مسائل اگر اس کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے تو انہیں حل بھی وہی آ کر کرتا تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ اتنے برس گزرنے کے بعد بھی ساجدہ کے دل میں اس کی قربت کی طلب کم نہیں ہوئی تھی' اس کی کشش ذرا بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

ساجدہ کو یاد نہیں تھا کہ امنڈتی' مچلتی نوجوانی کے دن اس کی زندگی میں آئے تھے یا نہیں .... اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا لہو کبھی آتش سیال بنا تھا یا نہیں.......... مگر اسے یہ یاد تھا کہ جب عکس اس کی زندگی میں آیا تھا وہی اس کے لئے نوجوانی کا دور بن گیا تھا.......... اور یہ وہ دریا تھا جو ایک بار چڑھا تھا تو ابھی تک اترنے میں نہیں آ رہا تھا۔ عکس کی آمد و رفت بتدریج اس کے ہاں کم ہوتی جا رہی تھی اور وہ کسی نو گرفتار محبت کی طرح اس کے ہجر میں تڑپتی تھی..........

لیکن اس کی مجبوریوں کے سامنے وہ بھی مجبور تھی۔ وہ تو اس کی مجبوریوں کو صحیح طور پر تو سمجھتی بھی نہیں تھی۔ اس لئے ان کا حل تلاش کرنے کی فرمائش کیا کرتی؟ اس کا بس چلتا تو وہ عکس کو اس کی دنیا میں واپس جانے ہی نہ دیتی۔

کچھ دنوں سے وہ اپنے اندر کئی تبدیلیاں محسوس کر رہی تھی لیکن ان تبدیلیوں کا جو مطلب اس کی سمجھ میں آرہا تھا' اس کی تصدیق ضروری تھی وہ ایک شام وقت نکال کر ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی ہ خاصی معروف گائناکالوجسٹ تھی۔

معائنے کے بعد ڈاکٹر بولی۔ "میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ محض آپ کا وہم ہے آپ امید سے نہیں ہیں لیکن چند ٹیسٹ کرالیں ان کے بغیر میں کوئی حتمی رائے دینا نہیں چاہتی۔"

اس نے لسٹ لکھ دیئے ساجدہ نے ٹیسٹ کرا بھی لئے ان کی رپورٹیں منفی تھیں وہ رپورٹس لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچی وہ سرسری نظر سے انہیں دیکھتے ہی بولی۔ "دیکھا .... میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحبہ .... ! میں محسوس کرتی ہوں .... دیکھیں نا۔" ساجدہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ وہ کئی منٹ تک ڈاکٹر کو قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

ڈاکٹر نے بڑے تحمل سے اس کی باتیں سنیں جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کا دل رکھنے کے لئے اس کی معصومانہ دلیلیں سن رہا ہو .... پھر وہ ملائمت سے بولی۔ "دیکھئے بیگم صاحبہ! کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے .... یہ کوئی نئی' انوکھی' غیر معمولی بات نہیں ہے .... اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں .... میڈیکل سائنس کی روشنی میں ...." اور پھر وہ تفصیل سے ساجدہ کو سمجھانے لگی کہ میڈیکل سائنس کی رو سے اس کی کیا توجیہات ہو سکتی ہیں۔

ساجدہ اس کی بات توجہ سے نہیں سن رہی تھی۔ وہ بس بے دلی سے سرہلاتی رہی اس کا ذہن کہیں اور تھا اسے یقین تھا کہ اس کے محسوسات اسے دھوکا نہیں دے سکتے .... اور پھر بہت سی جسمانی تبدیلیاں بھی تو آچکی تھیں۔

وہ جب کلینک سے نکلی تو اس کے سر میں درد تھا گھر آکر اس نے سردرد کی گولیاں کھائیں اور خانساماں سے کافی کا ایک مگ منگوا کر پیا .... تب کچھ دیر بعد جا کر اس کی طبیعت بحال ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کیا۔

اسٹڈی میں وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ اسے عکس کی آمد کی امید نہیں تھی لیکن اس نے یونہی آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کے لئے اسے یاد کیا تو وہ آن موجود ہوا ....
آج کل وہ اس طرح غیر متوقع طور پر کبھی کبھار ہی آتا تھا۔ ساجدہ کا روؤاں روؤاں اس غیر متوقع مسرت سے سرشار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں عکس سے بھی اس مسئلہ کا تذکرہ کئے بغیر نہ رہ سکی وہ بہت الجھن میں تھی اسے اس کا صحیح جواب چاہئے تھا۔

"کیا واقعی تم ایسا محسوس کر رہی ہو؟" عکس نے بے یقینی سے پوچھا۔ اس کا تانبے جیسا چہرہ یکدم ہی دہکنے لگا تھا جیسے وہ کسی انجانی آگ میں تپ اٹھا ہو۔

"ہاں .... لیکن ان ٹسٹوں نے میرے خیال کی نفی کر دی ہے .... اور ڈاکٹر بھی میری بات نہیں مان رہی۔" اس نے پرس سے رپورٹیں نکال کر عکس کی طرف بڑھائیں۔ عکس نے ان پر نظر ڈالے بغیر بے پروائی سے انہیں ایک طرف ہٹا دیا۔

"انہیں دفع کرو .... میں ابھی تصدیق کر لیتا ہوں۔" عکس نے کہا اور خود ہی اس کی ڈریسنگ ٹیبل سے ایک ہیئر پن نکالی وہ پیئر پن اس نے اپنی ایک انگلی میں چبھوئی اور خون کا ایک قطرہ اپنی دوسری ہتھیلی پر ٹپکا لیا اس کے خون کا رنگ بھی تانبے جیسا تھا' گہرا سرخ نہیں تھا۔

"اب اسی طرح تم بھی اپنی انگلی سے لہو کا ایک قطرہ نکال کر میری اسی ہتھیلی پر ٹپکا دو۔" عکس نے ہدایت کی۔

ساجدہ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا .... اس کے سرخ لہو کا ایک قطرہ عکس کے لہو کے قطرے میں گڈمڈ ہو گیا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دونوں قطروں کے آمیزے کا رنگ سنہری ہو گیا .... بالکل پگھلے ہوئے سونے کی طرح .... !

عکس پر اس کا بہت ہی شدید ردعمل ہوا اس کے جسم میں زلزلہ سا آگیا وہ اپنی جگہ کھڑے کانپنے لگا اور اس کی آنکھوں میں نمی چھلک آئی لیکن یہ مسرت کا تلاطم تھا خوشی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

آخرکار وہ گھوم گھوم کر کمرے میں رقص کرنے لگا وہ ایک عجیب رقص تھا اس کے نیلے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور جسم یوں تھرتھرا رہا تھا جیسے اس کے ہر مسام جاں سے بجلیاں پھوٹ رہی ہوں۔ ساجدہ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی اس طرح بھی رقص کر سکتا ہے۔ اس کی تشریح بھی دشوار تھی۔

آخرکار اُس کا جوش و خروش کم ہوا اور وہ ساجدہ کے دونوں ہاتھ تھام کر ایک پجاری کی طرح والہانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سننے کو ملی ہے .... میں باپ بننے والا ہوں .... ہم والدین بننے والے ہیں .... میں نے تو اب امید ہی چھوڑ دی تھی .... میرا خیال تھا کہ میری زندگی میں یہ وقت کبھی نہیں آئے گا .... تم نے مجھے بالکل غیر متوقع طور پر یہ خوشی دی ہے۔"

اس کے ہاتھوں میں برقی رو دوڑ رہی تھی اور اس کے لمس سے دھیرے دھیرے ساجدہ

کے وجود میں منتقل ہو رہی تھی۔ وہ دم بخود سی بیٹھی تھی۔ کئی لمحے بعد وہ جیسے کسی سنسنی خیز خواب سے چونکی اور جھرجھری سی لیتے ہوئے بولی۔ "اس کا مطلب ہے میرے محسوسات درست تھے......؟ مجھے دھوکا نہیں ہوا تھا؟"

"نہیں ...... ہرگز نہیں۔" وہ مسرور لہجے میں بولا۔

بہت دیر تک اس موضوع پر جی بھر کے باتیں کرنے کے بعد جب ان کے اعصاب میں کچھ ٹھہراؤ آیا تو عکس کو یکدم جیسے کچھ یاد آیا اور وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "یہ خوشخبری سن کر میں تو ہربات ہی بھول گیا...... میں دراصل تم سے یہ کہنے آیا تھا کہ ایک ٹیکسٹائل مل دیوالیہ ہو گئی ہے...... بینک نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا ہے...... اور کل کے اخبار میں اس کے نیلام کا اشتہار آنے والا ہے...... میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی نیلامی میں حصہ لو۔"

"میں......؟" ساجدہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں...... اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میں اور ٹیکسٹائل مل......؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے تو کبھی کسی ٹیکسٹائل مل کو اندر سے دیکھا تک نہیں...... مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں مشینری کس قسم کی ہوتی ہے...... میں بھلا اس کا کیا کروں گی؟"

"یہ تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرو گی۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "اور مل کو خریدنے کے لئے تمہارا اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا قطعاً ضروری نہیں۔ تمہیں تو صرف اس کو خریدنا ہے۔ تمہیں اب صنعتکاری کے میدان میں قدم رکھنا ہے...... ملازمت صرف چند ماہ اور کرنی ہے...... ہمارے ننھے مہمان کی آمد تک......"

"چلو...... ٹھیک ہے کہ میں تمہارے مشوروں پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے کے لئے تیار رہتی ہوں...... اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ میرے پاس کچھ سرمایہ بھی جمع ہو گیا ہے لیکن یہ ٹیکسٹائل مل کی خریداری......؟" وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ تو خاصا بڑا کام نہیں ہے؟"

"نہیں ...... اتنا بڑا بھی نہیں ہے۔" عکس بولا۔ "تمہارے وسائل کے اندر رہتے ہوئے بڑی آسانی سے ہو جائے گا...... بینک کا روپیہ ڈوب رہا ہے۔ وہ اسے بچانے کی امید پر لون ٹرانسفر کرنے کے لئے تیار ہیں تمہیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ آنے والے چند دنوں کے اندر اندر اپنی ایک کاروباری کمپنی تشکیل دینی ہوگی اور اسے مختلف محکموں میں رجسٹر کرانا ہوگا...... یہ سب کام کس طرح ہوں گے، یہ مجھ پر چھوڑ دو...... بس جس طرح میں کہوں اس طرح کرتی جاؤ۔"

"لیکن تم بتا رہے ہو کہ وہ ایک دیوالیہ کارخانہ ہے۔ اسے چلانا اور بھی زیادہ مشکل نہیں

ہوگا؟" ساجدہ کی ہچکچاہٹ اب بھی برقرار تھی حقیقت یہ تھی کہ اسے نفع نقصان کے اندیشے زیادہ نہیں تھے۔ بس اس میں اس قسم کے کاموں میں ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

اسے تو ایس ٹی کنسٹرکشن کمپنی میں جو مقام مل گیا تھا وہی اس کے لئے بہت تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ محض کمپنی کو ٹھیکے دلانے کے سلسلے میں اپنی خدمات کا خراج وصول کرتی رہے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو ایگزیکٹو ڈائریکٹر کے عہدے کی اہل ثابت کرنے کے لئے سخت محنت کر رہی تھی۔ کمپنی والوں کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ وہ محض نام کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر نہیں تھی۔ اب وہ اتنی جلدی اس فیلڈ سے نکل کر اس سے زیادہ مشکل کام میں الجھنا نہیں چاہتی تھی۔

عکس ملائمت سے بولا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کارخانہ فی الحال بند پڑا ہے۔ تمام دفتری اور ٹیکنیکل اسٹاف، مزدور وغیرہ فارغ کر دیئے گئے تھے۔ کارخانہ جب تمہاری کمپنی کے نام ہو جائے گا تو پہلے تم اوپر کے اسٹاف کے لئے اخبار میں اشتہار دو گی۔ جنرل منیجر کی پوسٹ کے لئے تمہارے پاس بہت سے لوگ آئیں گے۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر آدمی ہوگا۔ فیروز علی، تم سب سے پہلے صرف اسے رکھ لینا۔"

"کیوں؟" ساجدہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اس شخص نے آج سے بیس سال پہلے لندن سے انڈسٹریل مینجمنٹ کا کورس کیا تھا۔ اس کے بعد امریکہ چلا گیا۔ بہت سال وہاں گزارے بہت اچھی ملازمت کر رہا تھا۔ بھاری تنخواہ لے رہا تھا۔ زندگی کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وطن سے دوری انسان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ ایک اجنبی معاشرے میں اتنے برس گزارنے کے بعد بھی اجنبیت کا احساس ختم نہیں ہوتا اور بالآخر انسان واپس آجاتا ہے۔"

"ہاں ...... ایسی تو بہت سی کہانیاں سننے میں آتی ہیں۔ بہت سے ایسے لوگوں سے میری ملاقات بھی ہوئی ہے۔" ساجدہ بولی۔

"فیروز علی بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہے۔ دو سال پہلے وہ امریکہ سے واپس آیا تھا دل میں یہ جذبہ بھی تھا کہ اپنی صلاحیتوں کے ذریعے وہ وطن کی خدمت کرے گا۔ اسے بیمار صنعتوں کا مسیحا سمجھا جاتا تھا۔ کئی فلاپ انڈسٹریز کو اس نے چلا کر دکھایا تھا۔ لیکن یہاں آکر وہ دو سال تک دھکے کھاتا رہا۔ کہیں سیٹ نہیں ہو سکا۔ کسی نے اسے گھاس نہیں ڈالی۔ اب وہ دل برداشتہ ہو کر کنبے سمیت واپس امریکہ جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ تمہارے اشتہار پڑھ کر وہ یونہی بے دلی اور ناامیدی کے عالم میں درخواست دے گا۔ تم اسے منہ مانگی تنخواہ پر رکھ لینا......"

"اور بس......؟" ساجدہ مسکرائی۔

"ہاں ...... واقعی...... اس کے بعد تمہیں برائے نام کام کرنا ہوگا۔" عکس سنجیدگی

سے بولا۔ "تم بس اپنے منیجنگ ڈائریکٹر والے کمرے میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھا کرو گی اور تماشا دیکھو گی۔ فیروز علی سب کچھ سنبھال لے گا اور جلد ہی تم دیکھو گی کہ کچھ لوگوں کی سازشوں سے دیوالیہ ہو جانے والا یہ کارخانہ کس طرح ایک منافع بخش یونٹ میں تبدیل ہو جائے گا۔"

"بہت خوب........" ساجدہ نے پلکیں جھپکائیں۔ اب تم بتا رہے ہو تو یہ سب کچھ اتنا مشکل نہیں لگ رہا........ کر کے دیکھ ہی لیتے ہیں۔"

پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا سر جھکاتے ہوئے وہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔ "تم دنیاداری کے معاملات میں اتنے اچھے مشورے دیتے ہو........ کچھ دوسرے مسئلے کے بارے میں بھی تم بتاؤ۔ میں کون سے میٹرنٹی کلینک یا اسپتال میں اپنا نام لکھواؤں؟ میرا تو کوئی اپنے ہاں اندراج ہی نہیں کرے گا........ کیونکہ ان کے حساب سے تو میں امید سے ہی نہیں ہوں۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔" عکس بے پروائی سے بولا۔ "تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ تم گھر پر ہی رہنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

○---------☆---------○

........یوں اس کی زندگی کے وہ چند سال بہت ہنگامہ خیز رہے۔ اس میں بیشتر عرصہ جدوجہد کا تھا لیکن اس جدوجہد میں لطف تھا۔ جب جدوجہد کا ثمر ملتا تھا تو دل خوش ہو جاتا تھا کیونکہ اب بازیاں بڑی لگتی تھی۔ کوئی بھی چیز چھوٹے چھوٹے پیمانے پر نہیں رہی تھی۔

عکس کی رہنمائی اور فیروز علی کی مدد سے اس نے دو بیمار' ٹیکسٹائل ملز اور خریدے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کی کمپنی کی ساکھ بہت اچھی تھی۔ بینک اسے کسی سفارش کے بغیر قرضے دینے پر تیار رہتے تھے۔ فلاپ اور بیمار صنعتوں کو منافع میں لے جا کر اس نے صنعت کے میدان میں سب کو چونکا دیا تھا۔

صنعت کے میدان میں ویسے بھی گنتی کی صرف چند ہی خواتین فعال تھیں۔ جلد ہی اس کا تذکرہ بہت سی جگہوں پر ہونے لگا تھا۔ اخباری نمائندے اور خصوصاً" جرنلزم میں داخل ہونے والی نئی نئی' نوعمر اور پرجوش لڑکیاں بڑے تواتر سے اس سے انٹرویو لینے کے لئے آنے لگیں۔ ان کے نزدیک وہ عورت کی ترقی کی بڑی روشن علامت تھی۔

ابتدا میں تو ساجدہ نے عکس کی رہنمائی اور فیروز کی کارکردگی پر ہی زیادہ انحصار کیا۔ اس کی اپنی حیثیت تقریباً" شو پیس ہی کی رہی لیکن پھر رفتہ رفتہ تمام معاملات' سارے کام اس کی سمجھ میں آنے لگے۔ پھر انہیں انجام دینے اور ہر چیز میں عملی طور پر حصہ لینے میں ساجدہ کو دلچسپی ہونے لگی۔ اسے احساس ہوا کہ بیشتر کام اتنے مشکل بھی نہیں تھے جتنے دور سے نظر آتے تھے۔

اس نے کہیں ایک مشہور افسانہ نگار کے افسانے میں پڑھا کہ دولت کی مثال برف کے

گولے کی سی ہوتی ہے۔ اگر آپ برفباری کے دوران پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر برف کا چھوٹا سا گولہ نیچے لڑھکائیں تو زمین پر پہنچنے تک وہ اتنا بڑا ہو جائے گا کہ آپ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا کیونکہ راستے میں نہ جانے کتنی برف اس پر لپٹتی چلی جائے گی۔ دولت بھی اس طرح ہوتی ہے' ایک بار اس کا گولہ بنا کر صحیح موسم میں بازار میں پھینکئے۔ پھر اس کے بڑے ہونے کا تماشا دیکھئے۔

ایک انگریز سرمایہ کار کی سوانح عمری میں ساجدہ نے پڑھا تھا کہ زندگی میں صرف پہلا ملین کمانا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اسے انسان خود کماتا ہے۔ اس کے بعد تو پیسہ پیسے کو کماتا ہے۔

کم از کم اپنے معاملے میں اسے یہ باتیں درست لگی تھیں۔ دولت نے ایک بار اس کے گھر کا راستہ دیکھا تھا تو پھر آتی ہی چلی گئی تھی۔ ملازمت وہ کب کی چھوڑ چکی تھی۔ اب صنعت اور کاروبار کا کھیل اسے دلچسپ لگنے لگا تھا اس کے ذرا سے جوڑ توڑ سے لاکھوں کی رقمیں ادھر سے ادھر ہو جاتی تھیں۔ اس کی ذرا سے حاضر دماغی یا غلطی سے لاکھوں روپیہ اوپر نیچے ہو جاتا تھا۔ اس سے انسان کو اپنی اہمیت اور طاقت کا احساس بھی ہوتا تھا۔

اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ لوگ ارب پتی ہونے کے باوجود مزید روپیہ کمانے کی فکر میں کیوں ہلکان ہوتے رہتے تھے۔ شاید یہ بھی ایک دلچسپ کھیل تھا۔ اس میں ایک عجیب طرح کا نشہ تھا۔ وہ اس دولت کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ عام طور پر تو ان کے سامنے کاغذوں اور کمپیوٹروں پر ہندسے ہی کم زیادہ ہوتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود کھیل کی کشش' اس کا خمار اپنی جگہ تھا۔

شاید اس میں قدرت کی یہ مصلحت بھی ہے کہ سرمایہ مختلف بہانوں سے زیادہ سے زیادہ پھیلتا رہے۔ لوگ مزید کمانے کے لئے مختلف شکلوں میں سرمایہ کرتے رہیں اور اس طرح زیادہ سے زیادہ ضرورت مندوں کو روزگار ملتا رہے۔

بہرحال........ پس منظر میں فلسفے خواہ کچھ بھی تھے لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ عملی طور پر بھی اور ذہنی اعتبار سے بھی صنعت کار بن چکی تھی۔ سماجی حلقوں میں اس کا نمایاں مقام تھا۔ تقریبات میں اسے بصد اشتیاق مدعو کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے لوگ اس سے نہایت احترام سے پیش آتے تھے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ عالیشان بنگلے میں رہائش پذیر تھی۔ ڈرائیو وے میں تین کاریں کھڑی رہتی تھیں۔ گھر میں پانچ نوکر تھے۔ زندگی کی تمام آسائشیں اسے حاصل تھیں۔

لیکن تشنگی تھی کہ لوٹ کر آ رہی تھی!

بالوں میں چاندی کے تار بڑھنے لگے تھے مگر اعلیٰ اور نفیس قسم کے امپورٹڈ ہیئر کلر میں چھپے رہتے تھے۔ سفاک لمحے اپنا نقش پا اس کے خدوخال پر چھوڑتے ہوئے بڑی تیزی سے

گزرتے جا رہے تھے۔ بہترین میک اپ، شاندار لباس، دولت کی چمک دمک اور رکھ رکھاؤ سے پیدا ہونے والی نفاست کے سہارے اپنی جگہ تھے مگر عمر کا عفریت بہرحال دھیرے دھیرے چہرے پر پنجے گاڑ رہا تھا۔ اب وہ زیادہ توجہ سے آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی تھی۔ زیادہ انہماک سے بناؤ سنگھار کرنے لگی تھی۔

عمر بڑھنے کا احساس جوں جوں گہرا ہو رہا تھا، توں توں تنہائی سے خوف بھی زیادہ ہونے لگا تھا۔ سہاروں کی طلب زیادہ ہونے لگی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ عکس اب زیادہ اس کے ساتھ رہے۔ زندگی کے سفر میں اسے ہروقت اپنے قریب عکس موجودگی کا احساس رہے۔

لیکن معاملہ دن بدن الٹ ہو رہا تھا۔ عکس اب تو مہینے میں دو ایک مرتبہ ہی آتا تھا۔ بات یہ نہیں تھی کہ اس کا ساجدہ سے دل بھرتا جا رہا تھا۔ ساجدہ کو یقین تھا کہ وجہ یہ نہیں تھی۔ اس کے جذبوں میں اس کی طلب میں آج بھی وہی شدتیں تھیں جو ساجدہ نے پہلے دن محسوس کی تھیں۔ خود ساجدہ میں وہ جذبے ابھی سرد نہیں پڑے تھے۔

مگر عکس واقعی مجبور تھا۔ اس پر اس کے قبیلے والوں کی طرف سے سختیاں حد سے بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایک بار تو اسے باقاعدہ اس کی دنیا کے زنداں میں ڈال دیا گیا تھا اور آتشیں کوڑوں سے پیٹا گیا تھا۔

اس دوران ساجدہ نے تو یہی سمجھ لیا تھا کہ شاید وہ ہمیشہ کے لئے چلا گیا ہے۔ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ مگر وہ تقریباً دو ماہ بعد آگیا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں گڑھوں میں اتر چکی تھیں۔ بال چھدرے ہو چلے تھے۔ چہرے پر وحشتیں نقش تھیں۔ مگر وہ مسکرا رہا تھا۔ ساجدہ کے پاس آنا اس کے لئے سب سے بڑی راحت، سب سے بڑی خوشی ہوتی تھی وہ اپنی تمام تکلیفیں بھول جاتا تھا۔

اس نے ساجدہ کو اپنے جسم پر آتشیں کوڑوں کے نشان دکھائے۔ اس کی تانبے جیسی کھال جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی تھی۔ ساجدہ بلک بلک کر رونے لگی لیکن وہ محبت سے اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ”ارے........! اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ یہ کوئی ایسا المیہ تو نہیں .... ایسا تو ہوتا رہتا ہے........ یہ میرے لئے کوئی تکلیف نہیں ہے۔“

”میری وجہ سے تمہیں یہ سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔“ ساجدہ سسکتے ہوئے بولی۔

”تمہاری وجہ سے نہیں۔ اپنے دل کی وجہ سے۔ اس دل میں تمہاری طلب کے سوا کچھ نہیں۔“ وہ اس کے بال سے کھیلتے ہوئے مسکرایا۔

”میں تو ابتدا میں یہ سمجھ کر بہت خوش تھی کہ تم مافوق الفطرت ہو۔ تمہیں کوئی ڈرا نہیں سکتا۔ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔“ ساجدہ تاسف سے بولی۔

”تمہاری دنیا کے لئے تو میں مافوق الفطرت ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ”یہاں تو کوئی

مجھے ڈرا نہیں سکتا۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن ظاہر ہے میری دنیا کی بات کچھ اور ہے۔ وہاں تو ہر چیز کے ہمارے اپنے طور طریقے اور علاج ہیں۔“

”اب تو مجھے بھی تمہاری دنیا کے لوگوں سے خوف آنے لگا ہے۔“ ساجدہ بولی۔

”تمہیں خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ عکس تیزی سے بولا۔ ”میں نے اپنی جان پر کھیل کر تمہاری حفاظت کی ہے۔ بارہا ایسے مواقع آئے جب ان کے ہاتھوں تمہیں نقصان پہنچ سکتا تھا لیکن میں بروقت پہنچ گیا۔ تمہیں ایسے اتفاقات کا علم بھی نہیں ہو سکا۔ جتنا بھی ممکن ہو سکا میں کم از کم ان ٹوگوں کی طرف سے تمہارے بارے میں خبردار رہا ہوں ورنہ معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی جان پر سب کچھ سہہ لیتا ہوں۔“

”لیکن یہ بھی تو میرے لئے ایک پریشانی ہے۔“ ساجدہ افسردگی سے بولی۔

”ایک نہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ امید بھرے لہجے میں بولا۔ ”میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔“

”تم مستقل طور پر اس دنیا میں کیوں نہیں آجاتے؟“ دفعتاً ساجدہ بولی۔ ”تم انسانی قالب کیوں اختیار نہیں کر لیتے؟ اب تو دنیا کو یہ جھوٹی کہانی سناتے سناتے مجھے شرم آنے لگی ہے کہ میرے شوہر ملک سے باہر ہیں۔“

”تمہاری دنیا میں مستقل طور پر آنا........ انسانی قالب اختیار کرنا........ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔“ وہ افسردگی سے بولا۔

”تو پھر مجھے اپنی دنیا میں لے چلو۔ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی........ اور اتنے اتنے دن تم سے دور رہ کر بھی زندگی نہیں گزار سکتی۔“

”تمہیں اپنی دنیا میں لے جانا بھی میرے لئے ممکن نہیں۔“ اس نے شکست خوردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ”ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ تم ہمارے قالب میں آسکو۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایسا کوئی طریقہ ممکن بھی ہوتا تو میری دنیا والے........ اور خصوصاً میرے قبیلے والے تمہیں ایک دن کے لئے بھی زندہ نہ چھوڑتے۔“

”میں تو تمہیں کسی بہت زیادہ ترقی یافتہ دنیا کا فرد سمجھتی تھی۔ لیکن تم تو اسی صدیوں پرانے قبائلی نظام میں جکڑے ہوئے ہو۔“ ساجدہ افسوس سے بولی۔

”تمہاری دنیا کے حساب سے تو ہم بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ یعنی ہم بے شمار ایسی چیزوں پر قادر ہیں جن کا تمہارے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بے شمار کاموں کے لئے ہم تمہاری طرح چھوٹی چھوٹی حقیر قسم کی سائنسی ایجادات کے محتاج نہیں ہیں۔ لیکن قبیلے........ سرداریاں........ حاکمیت........ محکومی........ یہ سلسلے بہرحال چل رہے ہیں۔ کسی بھی دنیا کا نظام چلانے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ تو اپنائے رکھنا پڑتا ہے۔ ہمیں انہی طریقوں میں عافیت

نظر آتی ہے جو لاکھوں سال سے ہمارے ہاں رائج چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں ان میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ کسی سے کوئی ناانصافی نہیں ہوتی۔ میں تو ایک طرح سے اپنی دنیا کا باغی ہوں نا۔ اس لئے خود بھی تکلیف اٹھاتا ہوں۔ تمہیں بھی مشکل میں ڈال رکھا ہے۔"

"کیا تم جن ہو؟" ساجدہ نے سادگی سے پوچھا۔ وہ پہلی بار عکس کو بہتر طور پر جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے پہلے عشق کی شدتوں نے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ اسے عکس کی اصلیت جاننا کبھی زیادہ اہم محسوس نہیں ہوا تھا۔

"نہیں.......... میں جن نہیں ہوں.........." وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"کسی اور سیارے سے آئی ہوئی مخلوق؟"

"نہیں.......... میرا تعلق اسی کرۂ ارض کے ایک گوشے سے ہے اور میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اسی کائنات میں آباد بہت سی مخلوقات میں سے ایک ہوں۔ بہت سی مخلوقات سے میری مراد وہ مخلوقات ہیں جن کا تم انسانوں کو علم نہیں ہے۔"

اس موڑ پر آ کر بات ختم ہو جاتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں بتاتا تھا اور اس کی ذات کے بارے میں کم علمی کا احساس اندر ہی اندر عفریت کی طرح ساجدہ کو نوچنے لگتا تھا اور بس اسی طرح شب و روز گزر رہے تھے۔

زندگی شاید اس کے لئے زیادہ بے کیف ہو جاتی لیکن بچے کی وجہ سے زندگی میں کشش سی محسوس ہونے لگی تھی۔ ان کا بچہ اب تین سال کا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا بھی مسئلہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ظاہری طور پر وہ بالکل باپ پر گیا تھا۔ اس کے بھی بال نیلے اور آنکھیں سنہری تھیں اور وہ عکس ہی کی طرح خوبرو تھا۔ اس کے معاملے میں کم از کم اتنا ضرور تھا کہ وہ ساجدہ کو آنکھیں بند کئے بغیر نظر آ جاتا تھا جبکہ عکس کو دیکھنے کے لئے اسے آنکھیں بند کرنا پڑتی تھیں۔

وہ اب ان دونوں کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ساجدہ اس کی وجہ سے اپنی مصروفیات بڑھنے نہیں دیتی تھی اور شام کو جلدی گھر آتی تھی۔ رات گئے تک وہ اس سے کھیلتی تھی' اس سے باتیں کرتی تھی' لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ تین سال کا ہو کر بھی کچھ نہیں بولتا تھا۔ قطعاً" کسی بھی قسم کی کوئی آواز ہی منہ سے نہیں نکالتا تھا' روتا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ جسامت میں کافی بڑا ہو چکا تھا لیکن بہت ہی چھوٹے بچوں کی طرح بستر پر پڑا ہاتھ پاؤں چلاتا رہتا تھا۔ یا پھر بس ساجدہ کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتا تھا۔ باپ کی طرح اس کی مسکراہٹ بہت دلکش تھی۔ اسے مسکراتے دیکھ کر ساجدہ کا اس پر قربان ہونے کو جی چاہتا تھا!

عکس نے ہی اس کا نام رکھا تھا۔ اپنے نام کی طرح اس نے بچے کے نام کا مطلب بھی عام

فہم زبان میں ساجدہ کو بتا دیا تھا.......... اس کے نام کا مطلب "خواب" تھا۔

ساجدہ کو بچے کا یہ نام پسند آیا تھا۔ باپ کے نام کی طرح اس میں بھی افسانویت اور انفرادیت تھی.......... باپ کا نام عکس.......... بیٹے کا نام خواب.......... عکس واقعی ساجدہ کی ان تمناؤں' ان تشنہ تکمیل خواہشوں کا عکس تھا جو برسوں پہلے اس کے دل کے صحرا میں سسک سسک کر دم توڑ گئی تھیں.......... اور جب اس نے ان تمناؤں' ان خواہشوں کا نوحہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا تھا تو عکس نہ جانے کہاں سے اس کی زندگی میں سارے بھولے بسرے رنگ بھرنے چلا آیا تھا۔

خواب بھی اس کی زندگی کا وہ خواب تھا جو شاید اس نے برسوں پہلے کبھی تنہائی کے کسی نا آسودہ لمحے میں اپنے آپ سے شرماتے ہوئے دیکھا ہو.......... مگر اس کی تعبیر پانے کی اسے کبھی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی.......... لیکن اب برسوں بعد تعبیر خود بخود اس کی زندگی میں چلی آئی تھی۔

ایک روز خواب بھی غائب ہو گیا تھا!

دنیا کی نظروں سے تو وہ پہلے ہی غائب تھا لیکن اس روز ساجدہ کی نظروں سے بھی غائب ہو گیا۔ ساجدہ نے اسے الگ بیڈ روم میں نہیں رکھا تھا۔ اس کا چھوٹا سا خوبصورت بیڈ اپنے کمرے میں ہی رکھا ہوا تھا۔ بیڈ کے گرد حفاظتی جنگلا بھی لگا ہوا تھا۔ وہ بچوں کی عام کاٹ سے ذرا مختلف اور بڑا تھا۔

ایک صبح ساجدہ سو کر اٹھی تو وہ اپنے بیڈ سے غائب تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ چند لمحے کے لئے تو وہ دیوانی سی ہو گئی۔ گھر کے ملازموں کو اس نے خواب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کے بیڈ اور کھلونوں وغیرہ کے بارے میں یہی بتایا تھا کہ ایک بار اس کی کوئی عزیزہ کچھ عرصے کے لئے قیام کرنے اس کے ہاں آئی تھی۔ اس کے ساتھ بچہ تھا۔ اس نے ہی اپنی ضرورت کے تحت چیزیں منگوائی تھیں.......... اور ساجدہ چونکہ اس بچے سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے نشانی کے طور پر ان چیزوں کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

یہ جواز سن کر کوئی بھی زیادہ متجسس نہیں ہوا تھا.......... لیکن اگر وہ انہیں ایک ایسے بچے کے بارے میں سمجھانے کی کوشش کرتی جو کسی کو نظر نہیں آتا تو وہ یقیناً" اس کی دماغی صحت کے بارے میں مشکوک ہو جاتے۔ اس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا افسانے ادھر ادھر پھیلاتے۔ ساجدہ محتاط بھی بہت رہتی تھی.......... کسی کے سامنے اپنے بچے سے نہیں کھیلتی تھی اور نہ ہی اس سے باتیں کرتی تھی۔

جب وہ غائب ہوا تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟ وہ تو اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پولیس تو آج کل انہیں برآمد نہیں کرا سکتی تھی جو

نظر آتے تھے.......... خواب تو پھر بھی ایک نظر نہ آنے والا تھا.......... پہلے تو پولیس کی نظر میں اس کا وجود ثابت کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔

وہ پورے مکان میں اِدھر اُدھر بولائی پھری.......... کہ شاید خواب نے اچانک ہی چلنا پھرنا شروع کر دیا ہو.......... کہیں ادھر ادھر نکل گیا ہو۔ مگر وہ کہیں نہیں تھا!

عکس کی بیوی اگر ساجدہ کو ستانے یا کوئی نئی ایذا دینے کے لئے آتی تھی تو اسے اس کی آمد کا احساس ہو جاتا تھا۔ وہ خواہ نیند میں بھی ہوتی تھی تب بھی خبردار ہو جاتی تھی.......... مگر گزشتہ رات تو اسے ایسا بھی کوئی احساس نہیں ہوا تھا..........

اس روز وہ آفس بھی نہیں گئی۔ شام تک شاید اس کے اعصاب پریشانی اور وحشت کے بوجھ سے چیخ جاتے.......... مگر پھر اچانک ہی عکس آ گیا۔ وہ خواب کو گود میں اٹھائے ہوئے تھا۔ ساجدہ اس وقت اپنے بیڈ روم میں ہی تھی اور اپنے آپ کو بیمار بیمار محسوس کر رہی تھی۔ چند لمحے پہلے ہی اس نے کشادہ بیڈ روم کے سونے پن سے گھبرا کر ایک بار پھر آنکھیں بند کی تھیں۔ عکس کو کمرے میں نمودار ہوتے دیکھ کر وہ یکدم اٹھ بیٹھی۔

"تو اسے تم لے گئے تھے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں ناگواری آ گئی.......... "کم از کم مجھے بتا تو دیا ہوتا.........."

"اسے میں نہیں، میری بیوی لے گئی تھی.........." وہ تھکے تھکے سے انداز میں مسکرایا.......... "اور اس نے اسے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں شاید میری بھی رسائی نہ ہوتی.......... وہ تو اتفاقاً مجھے پتا چل گیا اور کسی نہ کسی طرح میں نے وہاں تک رسائی کی تدبیر نکالی.........."

"اوہ.......... میرے خدا..........!" ساجدہ نے خواب کو اس کی گود سے لے کر سینے سے چمٹا لیا۔ خواب نے اپنے گول مٹول سے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے اور یوں اپنے مخصوص دلکش اور معصومانہ انداز میں مسکرانے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جیسے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ اس کی وجہ سے کوئی کتنا پریشان تھا، کس پر کیا گزری تھی۔

"کبھی کچھ بولا بھی کرو.......... بس یونہی خاموشی سے مسکراتے رہتے ہو۔" ساجدہ اسے زیادہ زور سے بھینچتے ہوئے بولی۔ وہ خواہ غیر مرئی بچہ تھا، خاموش رہتا تھا لیکن بہرحال ساجدہ کو اتنا ہی پیارا تھا جتنا کسی بھی ماں کو اپنا بچہ ہو سکتا ہے وہ اس کے وجود کا ایک حصہ، اس کے جگر کا ٹکڑا تھا۔

"یہ آٹھ دس سال کی عمر میں تھوڑا تھوڑا بولنا شروع کرے گا۔" عکس نے بھی والہانہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر سے..........!" ایک لمحے کے لئے ساجدہ کے دل میں مایوسی سی اتر آئی دفعتاً

اس کی نظر خواب کے گلے میں حمائل ایک عجیب سی چیز پر پڑی۔ وہ اتنی عجیب اور نمایاں چیز تھی کہ شاید پہلے ہی ساجدہ کی نظر میں آ جاتی لیکن وہ اپنی وحشت اور پریشانی کے باعث اس کی موجودگی کو محسوس نہیں کر پائی تھی۔

وہ یاقوت کی طرح سرخ، دمکتا ہوا ایک حلقہ سا تھا جو کسی زیور کی طرح اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ وہ محض گہری سرخ روشنی سے بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ ساجدہ نے بے اختیار اسے چھو کر دیکھا.......... مگر وہ اس کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ اس کا گویا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ بس اسے نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس حلقے کے قریب انگلیاں پہنچتے ہی اسے بے پناہ ٹھنڈک کا احساس ضرور ہوا تھا جیسے وہ چیز برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی کسی چیز سے بنی ہو.......... اور جب ساجدہ کا ہاتھ اس تک پہنچا تھا تو وہ ہلتی جلتی بھی نظر آئی تھی۔ وہ خواب کے گلے میں ایک خوبصورت اور باریک سے لاکٹ یا نیکلس کی طرح حمائل تھی۔

"یہ کیا ہے..........؟ اور کس نے اس کے گلے میں ڈالی ہے؟" ساجدہ نے تشویش سے پوچھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.........." عکس بولا۔ "تم اس حلقے کو اس کی گردن میں ہی رہنے دینا.......... کبھی مت اتارنا.......... اس کی موجودگی میں میری دنیا کا کوئی فرد اسے کبھی اٹھا کر نہیں لے جا سکے گا۔"

"اچھا..........!" ساجدہ نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ ویسے ہی خواب کے گلے میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اب اس کی افادیت معلوم ہو جانے کے بعد تو وہ اسے نکالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

خواب کو اس کے بیڈ پر لٹا کر تھپکتے ہوئے وہ بولی .... "تم اپنی بیوی کا کوئی بندوبست کیوں نہیں کرتے؟ وہ کب تک اس طرح ہمیں ستاتی رہے گی؟ کب تک ہماری زندگی اجیرن کئے رکھے گی؟"

"میں سوچ رہا ہوں.......... اس کا کوئی طریقہ سوچ رہا ہوں۔ میں خود کون سا اس صورت حال سے خوش ہوں؟" وہ سر ہلاتے ہوئے پرخیال لہجے میں بولا.......... "تم مطمئن رہو.......... میں جلد ہی اس کا کوئی حل نکالوں گا.......... کوئی نہ کوئی صورت تو نکل ہی آئے گی.......... مجھے صرف تھوڑی سی طاقت اور حاصل ہو جانے دو۔ مجھے صرف اسی کا انتظار ہے.......... فی الحال بعض معاملات ایسے ہیں جن میں ہاتھ ڈالنے کی مجھے طاقت حاصل نہیں.......... لیکن ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا۔ میں اپنی سی جدوجہد میں لگا ہوا ہوں.........."

اس کی باتوں سے ساجدہ کو اطمینان ہوا تھا.......... مگر اب ان باتوں کو بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا اور حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کبھی کبھی ساجدہ پر یاسیت سی طاری ہونے لگتی۔

وہ محسوس کرتی کہ شاید وہ اتنا زیادہ فائدے میں نہیں رہی ہے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

بے شک' رہنے کو شاندار بنگلہ میسر تھا۔ آمدورفت کے لئے کئی گاڑیاں تھیں۔ روپیہ پیسہ کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ شہر میں اس کا بڑا نام تھا۔ لیکن وہ خوش خیالی کی چھاؤں سے نکل کر دیکھتی تھی تو اسے اپنا دامن خالی نظر آتا تھا۔ سماجی اعتبار سے شوہر کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لئے برابر تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ کہیں نہیں لے جاسکتی تھی۔ خود اس کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتی تھی۔ اس کے بارے میں حقیقت کسی کو بتا نہیں سکتی تھی.......... اور افسانے بھلا کب تک ساتھ دے سکتے تھے؟

ایک بیٹا تھا اسے بھی وہ دنیا والوں کے سامنے نہیں لا سکتی تھی۔ اس پر فخر اور مان کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے ساتھ لے کر گھوم نہیں سکتی تھی۔ اسے کسی اسکول میں داخل کرانے نہیں لے جاسکتی تھی۔ کسی اور ماں کے پاس بیٹھ کر اپنے بچے کے بارے میں باتیں نہیں کر سکتی تھی۔ کسی اور بچے سے اس کا موازنہ نہیں کر سکتی تھی۔

یہ کوئی ایسی قابل رشک صورت حال تو نہیں تھی!

اس روز وہ اسی یاسیت کے سے عالم میں شام کو لان پر بیٹھی تھی کہ ملازم نے کسی کا وزیٹنگ کارڈ لا کر اسے دیا۔ اس نے بے دلی سے وزیٹنگ کارڈ پر نظر دوڑائی.......... "ڈاکٹر عامر.........." ایک لمحے کے لئے تو اسے یاد ہی نہ آیا کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی.......... "میں نے تو کسی ڈاکٹر کو نہیں بلایا تھا.........."

"بی بی جی..........! وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کے .... کوئی عزیز.......... رشتے دار ہیں۔" ملازم نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔ تب ساجدہ کے ذہن میں چھناکا سا ہوا.......... عامر اور عمارہ۔ ان دو بہن بھائیوں کے بھولے بسرے چہرے اس کے تصور میں ابھر آئے۔ وہ ایک خوشگوار جھونکے کی طرح اس کی زندگی میں آئے تھے۔ عامر کے بارے میں اس نے غیر ارادی طور پر کچھ خواب بھی آنکھوں میں سجالئے تھے.......... مگر شاید وہ ان سے بے خبر رہا تھا.......... یا پھر شاید جانتے بوجھتے انجان بن گیا تھا.......... اس وقت وہ بالکل تہی دست' بالکل عام سی' معمولی سی لڑکی تھی نا..........!

تیز رفتار زندگی کی ہماہمی میں وہ انہیں بہت پیچھے کہیں چھوڑ آئی تھی۔ ان سے آخری ملاقات بھی تبھی ہوئی تھی جب ان کی شادیاں ہوئی تھیں۔ دونوں بہن بھائی کی شادی تقریباً ساتھ ساتھ ہوئی تھی۔ جس روز عامر کا ولیمہ تھا' اس روز عمارہ کی رخصتی تھی۔

ساجدہ سر جھٹک کر بھولی بسری یادوں کے دھندلکوں سے باہر آئی اور ملازم سے بولی.......... "بلاؤ.......... بلاؤ.......... انہیں اندر بلاؤ.........."

ملازم واپس چلا گیا۔ اس نے جا کر چوکیدار سے کچھ کہا اور چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

پرانی سی ایک کار کھڑکھڑاتی ہوئی ڈرائیو وے میں آگئی اور ایک طرف کو گویا دبک کر کھڑی ہو گئی۔ تین قیمتی' بیش قیمت اور چم چم کرتی کاروں کے پیچھے کھڑی وہ کچھ اور بھی زیادہ پرانی لگنے لگی تھی۔

ساجدہ کافی دور لان پر بیٹھی اشتیاق سے اس طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن کار سے جو شخص اترا وہ اس پرچھائیں سے کافی مختلف تھا جو برسوں پہلے ساجدہ کے ذہن پر ثبت ہوئی تھی اور پھر دھیرے دھیرے نہ جانے' کب محو ہو گئی تھی۔

وہ اس وقت بھی پکی عمر کا تھا جب ساجدہ نے اسے دیکھا تھا لیکن اب تو وہ اچھا خاصا بڑی عمر کا آدمی لگ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ گزشتہ ماہ و سال کا فاصلہ اس نے کچھ زیادہ ہی تیز رفتاری سے طے کیا تھا.......... بال چھدرے ہو گئے تھے۔ کندھے جھک گئے تھے۔ ناک پر کافی موٹے موٹے عدسوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ کپڑے ڈھیلے ڈھالے اور پرانے فیشن کے تھے۔ عجیب مجہول سی چیز لگ رہا تھا۔

کیا یہی وہ شخص تھا جس کے بارے میں اس کی آنکھیں کبھی عجیب سے سپنے بننے لگی تھیں؟ وہ زمانے کی بے رحم دوڑ میں پیچھے رہ گیا تھا یا ساجدہ ہی کچھ زیادہ تیز رفتاری سے آگے نکل آئی تھی؟ شاید اس کی نظر کے زاویے بہت بدل گئے تھے۔ شاید اس نے دنیا میں اب بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ بہت سی چیزیں شاید اس کے لئے اتنی انوکھی' اتنی حسین نہیں رہی تھیں جتنی ماضی میں ہوا کرتی تھیں۔

عامر نے گاڑی سے اتر کر چاروں طرف دیکھا۔ اپنے سامنے کھڑی گاڑیوں کو دیکھا۔ خوبصورت بنگلے کے شیشوں اور ماربل سے سجے' چمکتے دمکتے در و دیوار کو دیکھا۔ روش کے دونوں طرف سجے ہوئے بڑے بڑے گملوں میں جھومتے' رنگا رنگ پھولوں سے لدے پودوں کو دیکھا' لان پر نکھرے نکھرے ہموار سبزے کی چادر کو دیکھا' ایک گوشے میں پودوں کو تراشتے ہوئے مالی کو دیکھا.......... اور پھر سب سے آخر میں اس نے رنگین چھتری تلے لان چیئر پر بیٹھی ساجدہ کو دیکھا۔ ساجدہ اتنی دور سے بھی اس کے چہرے پر مرعوبیت دیکھ سکتی تھی۔

وہ ایک ملکہ کی سی متانت سے بیٹھی تھی۔ عامر اس کی طرف بڑھا۔ لان پر قدم رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنے پرانے اور میلے سے جوتوں کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے ہچکچایا۔ گویا اسے اندیشہ ہو کہ اس کے جوتوں سے سبزے کا صاف ستھرا قالین خراب ہو جائے گا.......... پھر وہ گھاس کے درمیان بکھرے ہوئے ماربل کے قدمچوں پر پاؤں رکھتا ہوا ساجدہ کے قریب پہنچا۔ ساجدہ گویا از راہ مروت اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ایک لمحے مبہوت سا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ موٹے موٹے عدسوں کے عقب میں اس کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی پھیلی پھیلی نظر آرہی تھیں۔ شاید اس کے ذہن میں برسوں پہلے کی وہی

اجڑی پچڑی سی ساجدہ تھی۔ مگر اب تو اس کے سامنے کوئی اور ہی شخصیت کھڑی تھی۔

"کیسی ہو ساجدہ؟" وہ بمشکل بول پایا۔

"اچھی ہوں.......... آپ سنایئے.........." ساجدہ نے متانت سے جواب دیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ عامر کتنا چرب زبان اور باتونی ہوا کرتا تھا۔ مگر اب تو جیسے زبان ہی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

ساجدہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "اتنے برسوں بعد کیسے یاد آگئی ہماری؟"

"میں نے بہت کوشش کی تھی ملنے کی.......... لیکن تمہارا صحیح طور پر کچھ پتا ہی نہیں چلتا تھا.......... اب بھی بڑے دن کی تلاش کے بعد آخر کار تم تک رسائی ہوئی اور یہ بھی پتا چلا کہ تم تو بہت بڑی شخصیت بن گئی ہو.........." دھیرے دھیرے اس کے لہجے میں تناؤ کم ہو رہا تھا۔

ساجدہ نے اس کے خیال کی تردید نہیں کی۔ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ ٹھہرے ٹھہرے اور نپے تلے سے لہجے میں بولی.......... "بہت زحمت اٹھانا پڑی آپ کو میری تلاش میں.......... معذرت خواہ ہوں۔ اور سنایئے کیا حال چال ہیں؟ عمارہ کیسی ہے؟"

"اچھی ہے.......... گھر گرہستی اور بال بچوں میں الجھی ہوئی ہے.........." عامر کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ساجدہ نے ملازم کو چائے اور لوازمات لانے کی ہدایت کی اور دوبارہ عامر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی.......... "اور آپ کی مسز کے کیا حال ہیں؟ میں ان کا نام بھول گئی.......... صرف شادی کے روز ہی دیکھا تھا انہیں۔ اس کے بعد تو ملاقات ہی نہیں ہوئی.........."

عامر نے ایک لمحے کے لئے نظریں جھکالیں۔ ساجدہ نے محسوس کیا کہ اس کی انگلیوں میں خفیف سا ارتعاش تھا۔ وہ جب بولا تو اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ اس میں شکستگی بھی تھی، شرمساری بھی۔ ایک بے عنوان سا ملال بھی تھا اور خفیف سا غصہ بھی۔

"اس بندھن کو ٹوٹے تو کافی عرصہ ہو گیا.........." وہ آہستگی سے بولا۔

"اوہ.......... نو.......... ڈونٹ ٹیل می.........."! ساجدہ کی آواز بے اختیار اونچی ہو گئی۔ وہ شاید حیرت سے اچھل پڑتی لیکن اس نے بمشکل خود کو باز رکھا۔

"یہ سچ ہے.........." وہ افسردگی سے مسکرایا۔ ساجدہ چند لمحے کے لئے گویا حیرت کی زیادتی کے باعث خاموش رہی۔ برسوں پہلے عمارہ جب ساجدہ کو عامر کی شادی کی خبر سنانے آئی تھی تو اس نے اس عورت کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ کوئی لیڈی ڈاکٹر تھی۔ عامر اور وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے۔ لیکن حالات کچھ ایسے ہوئے کہ لڑکی کی شادی کہیں اور ہو گئی.......... مگر شادی کے کئی سال بعد اسے

طلاق ہو گئی۔ تین بچے بھی تھے اس کے.......... عامر نے اس دوران شادی نہیں کی تھی۔ ان کے درمیان تجدید مراسم ہوئی تھی.......... اس کی وجہ سے عامر ملتان سے اجڑ کر کراچی آیا تھا.......... بڑے چاؤ سے شادی ہوئی تھی۔ برسوں کے بچھڑے دلوں کا ملاپ ہوا تھا.......... اس ملاپ کی خوشی میں عامر کو تو شاید پتا بھی نہیں چلا تھا کہ اس کی راہ میں آنے والی ایک غریب سے گھرانے کی، ایک سادہ سی لڑکی ساجدہ کا شیشہ دل کتنی خاموشی سے ٹوٹ گیا تھا۔

.... اور آج وہ کہہ رہا تھا کہ اس عورت سے اس کا بندھن ٹوٹ چکا تھا!

کئی لمحے کے سکوت کے بعد ساجدہ سنبھل کر بولی.......... "آپ اسے ذاتیات میں دخل دینے کے مترادف نہ سمجھیں تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟"

"بہت تکلف سے بات کر رہی ہو۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا.......... "اتنے تکلف کی تو اس میں کوئی بات نہیں.........." وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ ساجدہ کہنا چاہتی تھی کہ بے تکلف تو وہ اس کے ساتھ پہلے بھی کبھی نہیں تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی اور منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

وہ مضطربانہ سے انداز میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولا.......... "ازدواجی زندگی کے اختلافات کا عام طور پر کوئی سر پیر نہیں ہوتا.......... لفظوں میں بتانے بیٹھو تو سمجھ میں نہیں آتے کہ اس میں کون سی خاص بات ہے.......... شاید یہ بس محسوس کرنے کی باتیں ہوتی ہیں.........."

"لیکن وہ تو پرانی محبت تھی.........." ساجدہ مسکرائی۔

"ہاں.......... لیکن محبت ایک افسانوی چیز ہے۔ اور شادی ایک نہایت ٹھوس، عملی اور حقیقی چیز.......... انہیں زیادہ عرصے تک ایک ہی عینک لگا کر نہیں دیکھا جا سکتا۔ سارے منظر دھندلانے لگتے ہیں.........."

"پھر بھی کوئی بنیاد تو ہو گی؟" ساجدہ کریدنے پر تلی ہوئی تھی۔

"بس.......... وہ پہلے سے شادی شدہ تھی۔ سرد و گرم چشیدہ تھی۔ اس کی پریکٹس مجھ سے زیادہ اچھی چل رہی تھی۔ مالی طور پر وہ مجھ سے زیادہ مضبوط تھی.......... جب عورت اس پوزیشن میں ہو تو میرا خیال ہے اس میں ایک غیر ضروری سی خود اعتمادی آجاتی ہے.......... فاضل قسم کی خود اعتمادی.......... جو رویے، گفتگو یا کسی نہ کسی اور شکل میں اکثر و بیشتر شوہر کو ہرٹ کرتی رہتی ہے۔ وہ جو پرانی محبتوں کے رکے ہوئے دریا تھے وہ تو جلدی ہی اتر گئے۔ ہمارے درمیان ہمیشہ ایک خلیج سی رہی۔ اس نے گھر میں کبھی ایک پرسکون یا محبت بھرا ماحول تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کی.........."

"یہ تو تم صرف اپنا موقف بیان کر رہے ہو نا.........." ساجدہ دھیمے لہجے میں بولی۔ باتوں کی روانی میں غیر ارادی طور پر "آپ" سے "تم" پر آگئی حالانکہ عامر عمر میں اس سے کافی بڑا

تھا۔ اور ساجدہ کسی سے جلد بے تکلف ہونے کی عادی بھی نہیں تھی۔

عامر کھوئے کھوئے سے انداز میں مسکرایا.......... "یقیناً" اس کا بھی کوئی موقف ہوگا.......... میں اس کی تردید نہیں کرتا.......... لیکن اس وقت چونکہ تمہارے سامنے صرف میں موجود ہوں اس لئے میں ہی اپنے محسوسات بیان کر سکتا ہوں.......... میں نے سمجھوتے کی بہت کوشش کی۔ لیکن سب سے زیادہ اس کی بدمزاجی میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ سابقہ شوہر سے اس کے تین بچے تھے۔ ان میں بڑے دو بچے۔ ایک لڑکا اور لڑکی.......... وہ خاصے سمجھدار ہو چکے تھے۔ میں نے انہیں اپنے بچوں کی طرح سمجھنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے کبھی مجھے باپ کے طور پر قبول نہیں کیا.......... اسی دوران میرے بھی اس سے دو بچے ہو گئے.......... جبکہ وہ اس کے بھی حق میں نہیں تھی.......... پھر خلیج کچھ اور بھی بڑھنے لگی.......... ایسا لگتا تھا جیسے ہم دو علیحدہ کنبے ہیں۔ جنہیں کوئی کمزور سا غیبی ہاتھ ایک جگہ رہنے پر مجبور کر رہا ہے.........."

وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو کر گلاب کے ایک پودے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر دھیمی آواز میں بولا.......... "ایک وقت آیا کہ میں محسوس کرنے لگا شاید اس کا سابق شوہر اسے طلاق دینے میں حق بجانب تھا۔ انہی پریشانیوں اور بے سکونی میں میں اپنے کیریئر.......... اپنی پریکٹس کی طرف بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں دے سکا۔ زیادہ محنت نہیں کر سکا.......... اور شاید اس معاملے میں میرا مقدر بھی کچھ زیادہ تیز نہیں تھا.......... میں جہاں تھا' وہیں رہا.......... اور ہوتے ہوتے یونہی بالآخر بندھن ٹوٹ گیا.........."

ایک لمحے کے لئے لان پر بوجھل سکوت رہا.......... اس دوران ملازم چائے اور لوازمات کی ٹرالی لے آیا۔ وہ چائے تیار کر کے جا چکا تو ساجدہ نے پوچھا۔ "اور بچے..........؟"

"سابق شوہر کے بچے وہ اپنے ساتھ لے گئی.......... ان پر وہ زیادہ مہربان تھی۔ میرے بچے بھی قانوناً اسی کے پاس رہنا تھے.......... لیکن ازراہ کرم وہ میرے پاس چھوڑ گئی.......... میں نے ان کے لئے آیا رکھی ہے.......... نزہت کبھی کبھی بچوں سے ملنے آتی ہے۔ آج کل ایک سرجن کے ساتھ اس کے کچھ افسانے سننے میں آتے ہیں۔ وہ رنڈوا ہے.......... نزہت ایک سدابہار عورت ہے۔ ماہ و سال اس پر کچھ خاص اثر انداز نہیں ہوئے.......... اس کے سراپا اور شگفتگی میں کوئی فرق نہیں پڑا.......... آثار کچھ ایسے ہیں کہ اب وہ اس سرجن سے شادی کر لے گی.......... شاید وہ شادیوں کا کوئی ریکارڈ قائم کرنا چاہتی ہو۔".......... وہ ساجدہ کی طرف دیکھ کر خود استہزائی کے سے انداز میں مسکرایا۔ مگر ساجدہ کے چہرے پر مسکراہٹ کی رمق تک نہ ابھری وہ حد سے زیادہ سنجیدہ رہی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ خود ہی بولا.......... "بعض معاملات میں تو انسان کے

اندازے بالکل ہی غلط ہو جاتے ہیں.......... میری بہن عمارہ کی شادی نزہت کی پسند سے ہوئی تھی۔ اسی نے زور دے کر کرائی تھی.......... اور میں نے بھی محض اس کی خوشنودی کے لئے ہاں کر دی تھی۔ عمارہ کچھ زیادہ خوش نہیں تھی۔ اور اس کا ہونے والا سسرال بھی مجھے یونہی فضول سا لگ رہا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ یہ شادی معلوم نہیں نبھے گی بھی یا نہیں۔ مگر وہ اچھی خاصی نبھ رہی ہے جبکہ میں اور نزہت.......... جو پرانی اور تشنہ محبتوں کے پشتارے کندھوں پر لاد کر بصد کوشش ایک دوسرے سے ملے تھے ان کی رفاقت..........!" اس نے ایک طویل سانس لے کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

چائے نوشی کے دوران وہ بولا.......... "تم سناؤ.......... کیسی گزر رہی ہے؟ کتنے بچے ہیں؟ میاں صاحب کیا کرتے ہیں؟"

"بہت کرم ہے اوپر والے کا.........." وہ ایک نظر نیلے آسمان کی طرف دیکھ کر بولی.......... "بہت اچھی گزر رہی ہے۔ بچہ صرف ایک ہی ہے۔ میاں صاحب مڈل ایسٹ میں ہوتے ہیں.........."

"انہیں مڈل ایسٹ میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟" عامر قدرے حیرت سے بولا..........

"یہاں تمہارا جو اتنا کاروبار پھیلا ہوا ہے.......... میں نے سنا ہے کئی ٹیکسٹائل ملز چل رہی ہیں۔ تمہارے؟ انہیں وہاں نوکری کی کیا ضرورت ہے؟"

ساجدہ بڑے رسان سے مسکراتے ہوئے بولی.......... "تم نے کیونکر فرض کر لیا کہ وہ مڈل ایسٹ میں نوکری کرتے ہوں گے؟"

"اوہ.........." عامر کچھ گڑبڑا سا گیا۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولا.......... "معلوم نہیں کیوں کسی پاکستانی کے مڈل ایسٹ میں ہونے کا سن کر ذہن میں پہلا خیال یہی آتا ہے کہ وہاں ڈانگری پہن کر' صحرائی دھوپ میں کوئی سخت سی نوکری کر رہا ہوگا۔" وہ معذرت خواہانہ سے انداز میں مسکرایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بردباری سے بولی۔ "وہ وہاں بزنس کرتے ہیں۔"

"میں بھی کیسا بے وقوف ہوں۔" عامر کھسیانے لہجے میں بولا.......... "مجھے پہلے ہی اندازہ کر لینا چاہئے تھا۔ ایک کروڑ پتی عورت کا شوہر وہاں کوئی دس بیس ہزار کی نوکری تو نہیں کر رہا ہوگا۔ کروڑوں کا بزنس ہی کر رہا ہوگا۔"

پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "بہرحال.......... تم اپنی زندگی سے خوش تو ہونا؟"

"ہاں.......... میں بہت خوش ہوں.........." وہ طمانیت سے بولی۔ لیکن اندر ہی اندر اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ وہ کچھ ایسی زیادہ خوش تو نہیں تھی۔ عکس پچھلے پچیس دنا میں

صرف ایک بار اس کے پاس آیا تھا۔ وہ بھی پانچ سات منٹ کے لئے........ اور ساجدہ کو نہ جانے کتنی ہزارویں بار اس کے لئے جھوٹ بولنا پڑا تھا۔

خواب اندر بیڈ روم میں لیٹا خاموشی سے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا........ لیکن ساجدہ عامر کو ساتھ لے جا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ممتا بھرے غرور سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی........ "یہ ہے میرا بیٹا........!"

عامر نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور اس کے لہجے میں چھپا ہوا رشک ساجدہ سے مخفی نہ رہ سکا۔ "تم نے بہت ترقی کی ہے ساجدہ! میں آج یہاں تمہیں سامنے بیٹھے دیکھ رہا ہوں تو مجھے یقین نہیں آرہا تم وہی اپنے آپ میں سمٹی سمٹائی سی' کم گو سی لڑکی ہو جو مجھے اور عمارہ کو خدا حافظ کہنے کے لئے اس پرانے سے کوارٹر کی چوکھٹ سے لگ کر کھڑی ہوتی تھی........"

ان وقتوں کی یاد کی طرف ذہن جاتا تو ساجدہ کے دل میں خراش سی ابھر آتی تھی۔ اس نے ان یادوں کو تیزی سے ذہن سے جھٹک دیا اور سپاٹ سے لہجے میں بولی........ "وقت بڑے عجیب عجیب معجزے دکھاتا ہے........"

کچھ دیر بعد آخر عامر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساجدہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ ساجدہ کے رویے میں اس کے لئے کوئی خاص گرمجوشی نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ جاتے جاتے گویا کسی موہوم امید کے سہارے بولا........

"اگر تم اجازت دو تو میں کبھی کبھار تمہاری طرف آجایا کروں؟ پرانے شناساؤں اور ساتھیوں سے گپ شپ کر کے دل کو ایک بے عنوان سی فرحت ملتی ہے........ روح کا بوجھل پن کچھ کم ہو جاتا ہے........"

"ان افسانوی عیاشیوں کے لئے اب وقت کہاں ہے میرے پاس۔" وہ نپی تلی مسکراہٹ کے ساتھ معذرت خواہانہ سے لہجے میں بولی........ "یہ تو آج اتفاق سے میں گھر پر موجود تھی ورنہ رات گئے تک کوئی نہ کوئی مصروفیت رہتی ہے۔ بہرحال تم کبھی کبھار فون کر کے معلوم کر لیا کرو۔"

عامر کا بجھا ہوا چہرہ کچھ اور بجھ گیا۔ ہلکی سی وہ خجالت بھی اس کے چہرے پر نظر آئی جو بات کہہ کر گنوانے سے پیدا ہوتی ہے........ لیکن ساجدہ کو اس کے لئے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ محسوس نہ ہوا۔ اسے وہ وقت نہیں بھولا تھا جب اس شخص کو اپنے رنگین خوابوں تک رسائی کی دوڑ میں یہ دیکھنے کی بھی فرصت نہیں تھی کہ کس چلمن کے عقب سے دو تھکی تھکی آنکھیں اس کی راہوں میں پھول بچھاتی ہیں........ اسے یہ محسوس کرنے کا بھی ہوش نہیں تھا کہ اس کی آمد کے ساتھ ہی ان آنکھوں میں گم گشتہ امیدوں کے ستارے جھلملا اٹھتے ہیں........ حتیٰ کہ دم رخصت اسے یہ بھی پتا نہیں چلا تھا کہ وہ کس کے ارمانوں کی کرچیوں پر

پاؤں رکھتا ہوا اپنی شب وصال کے پھول چننے جا رہا تھا۔

اب وہ شکست خوردہ تھا' دل گرفتہ تھا تو اسے سہاروں کی تلاش تھی۔ اسے کوئی دامن چاہئے تھا جس سے وہ اپنے آنسو پونچھ سکے' کوئی دیوار گریہ چاہئے تھی جس کے سائے میں بیٹھ کر دل کا غبار نکال سکے۔ ساجدہ کے پاس اس کے لئے یہ "خدمات" انجام دینے کا نہ تو اب حوصلہ تھا اور نہ ہی گنجائش........ اسے خود اپنے دل مجروح کے لئے مرہم کی ضرورت تھی۔ وہ کسی اور کے درد کا درماں کیا کرتی؟

عامر اتنا احمق نہیں تھا۔ اس کے مہذب اور شائستہ لہجے کی تہہ میں چھپے ہوئے حتمی انکار اور صاف معذرت کو سمجھنا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ساجدہ اس سے محض رسمی ملاقات کے لئے بھی کوئی ایسی پراشتیاق نہیں تھی........ چہ جائیکہ بیٹھ کر دکھ سکھ بانٹنے کی باتیں کرنا یا ماضی کے دفینوں سے گم شدہ خوشیوں کے موتی تلاش کرنا۔

وہ جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھنے لگا تو ساجدہ گویا اس کا دل رکھنے کے لئے بولی۔ "تم ایک تجربے کی ناکامی کے غم کو سینے سے مت لگاؤ۔ کوئی اچھی سی عورت تلاش کر کے دوسری شادی کر لو۔ زندگی تو گزارنی ہی ہوتی ہے نا........ جب کسی کو تمہارا غم نہیں تو تم کسی کے غم میں کیوں زندگی خراب کرتے ہو؟"

وہ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گیا اور دروازے پر کہنی ٹکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قدرے حیرت سے بولا........ "تم تو واقعی بہت بدل گئی ہو ساجدہ! جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تم زمانے بھر کے دکھوں کو سینے سے لگا کر جینے والی لڑکی لگتی تھیں۔ اب کیسے اطمینان سے مجھے سفاکانہ سے مشورے دے رہی ہو........"

"یہ سفاکانہ نہیں' ہمدردانہ اور دوستانہ مشورہ ہے........ اگر نہیں چاہئے تو تمہاری مرضی........ اسی طرح گزارہ کرتے رہو۔ دن میں آہیں بھرا کرو اور رات کو خواب آور گولیاں پھانک کر سو جایا کرو۔ مریضوں کو خوش رہنے کی تلقین کیا کرو اور خود غمگین رہا کرو۔" وہ اب قدرے خوشگوار لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس دنیا میں اندر سے ہر شخص افسردہ سا ہے........" عامر بولا........ "حتیٰ کہ تم بھی........ جو اتنے عیش و آرام اور شان و شوکت سے بیٹھی ہو........ مجھے لگتا ہے تم نے بھی چہرے پر خوشی کا نقاب چڑھایا ہوا ہے۔ تمہاری آنکھوں کی گہرائیوں میں تو مجھے اداسی کی دھند پھیلی نظر آرہی ہے۔"

"اوہو........!" ساجدہ استہزائیہ سے انداز میں ہنس دی۔ "یہ آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنا........ اور ان گہرائیوں کی کیفیات کو سمجھنا کب سے آگیا تمہیں؟"

"میرا خیال ہے مجھے ہمیشہ سے آتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید وہ اس وقت بھی ساجدہ کی آنکھوں میں جلتے بجھتے جگنوؤں کی موجودگی سے واقف تھا جب وہ لیڈی ڈاکٹر نزہت سے شادی کے جوڑ توڑ میں لگا ہوا تھا.......... اور شاید اب بھی وہ اسی خیال سے آیا ہو کہ لمحوں کی راکھ میں دبی ہوئی' اسی جذبۂ خفتہ کی کوئی چنگاری نظر آجائے۔

اگر یہ بات تھی تو وہ ایک خود غرض اور موقع پرست شخص تھا.......... لیکن ساجدہ کی نظر میں وہ اتنا برا نہیں تھا.......... اس کے خیال میں اصل بات یہ تھی کہ اسے خود شکست کا صدمہ اٹھانا پڑا تھا اور اس کے اپنے دل پر زخم لگا تھا تو اسے دوسروں کی آنکھوں میں جھانکنے اور دکھوں کی پرچھائیوں کو پہچاننے کا سلیقہ آگیا تھا۔

ساجدہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر سرد مہری جھلک آئی۔ وہ اسی استہزائیہ سے لہجے میں بولی.......... "ڈاکٹر صاحب! اتنے دعوؤں کو رہنے دیجئے ہو سکتا ہے آپ آنکھوں میں موتیا اترتا دیکھ سکتے ہوں.......... لیکن آنکھوں میں دکھوں کی شام اترتے نہیں دیکھ سکتے.......... کم از کم میری آنکھوں میں نہیں.......... خدا حافظ.........." وہ مڑی اور اندر چل دی۔

دوسرا دن اس کے لئے ایک اور حیرت کا پیغام لے کر آیا۔ وہ اپنے آفس میں تھی اور مالی معاملات کا جائزہ لیتے ہوئی ایک نہایت اہم اسٹیٹ منٹ دیکھ رہی تھی۔ اخراجات کی ایک مد ایسی تھی جو اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی.......... اس کے خیال میں یہ مد ایک دوسری اسٹیٹ منٹ میں ہونی چاہئے تھی۔

اس نے اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ کو فون کر کے چیف اکاؤنٹنٹ سے پوچھا۔ "یہ اسٹیٹ منٹ کس نے تیار کی ہے؟"

"جی ایم صاحب نے پچھلے ہفتے ایک نئے اکاؤنٹنٹ کو اپائنٹ کیا ہے میڈم! یہ اسٹیٹ منٹ اس نے تیار کی ہے۔ آدمی تو بہت پرانا اور تجربہ کار معلوم ہوتا ہے.......... کیا اسٹیٹمنٹ میں کوئی غلطی رہ گئی ہے؟"

"نہیں.......... غلطی تو نہیں ہے.........." ساجدہ بولی.......... "لیکن دو ایک چیزوں کی مجھے وضاحت چاہئے.......... تم ان اکاؤنٹنٹ صاحب کو میرے پاس بھیج دو.........." اس نے انٹر کام کا ریسیور رکھ دیا۔

وہ بہت ہی خاص خاص معاملات ہینڈل کرتی تھی۔ اوپر کے گریڈ کے چند ملازمین کو چھوڑ کر باقی کے بارے میں اسے علم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کسے کب رکھا گیا اور کب نکالا گیا۔

کچھ دیر بعد کوئی اجازت طلب کر کے اندر آیا۔ ساجدہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور اسے حیرت کا خاصا زوردار جھٹکا لگا.......... مگر اس کے انداز و اطوار اب بہت مضبوط اعصاب کی عورتوں والے ہوتے تھے۔ اس لئے وہ اس جھٹکے کو بھی برداشت کر گئی۔ ظاہری طور پر اس نے

اس شخص کو کچھ محسوس نہیں ہونے دیا جو مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھے نظر جھکائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس ہفتے میں نہ جانے کیوں اس کا ماضی کسی نہ کسی روپ میں اس کے دروازے پر دستک دینے آرہا تھا۔

اس کے سامنے کھڑا ہوا شخص اس کا سابق شوہر رفیق تھا! وہ چند لمحے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ بالکل بوڑھا دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے وگ لگانی چھوڑ دی تھی۔ چندیا کے گرد سفید بالوں کی بس ایک جھالر سی نظر آرہی تھی۔ چہرے پر جھریاں نمودار ہو چکی تھیں۔ زرد رنگت کچھ زیادہ زرد ہو چکی تھی۔

دوسری تبدیلیاں تو اپنی جگہ تھیں لیکن صرف وگ ہٹنے سے ہی اس کی شخصیت میں اتنی تبدیلی آگئی تھی کہ اسے پہچاننا بہت مشکل تھا.......... وہ تو رشتہ ہی کچھ ایسا رہا تھا کہ ساجدہ نے اسے پہچان لیا تھا۔

"اچھا.......... تو تم ہو ہمارے نئے اکاؤنٹنٹ؟" کئی لمحے کے سکوت کے بعد ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔

"یس.......... میڈم!" رفیق نے نیچی آواز میں جواب دیا۔

ساجدہ بھول ہی گئی تھی کہ اس نے کس کام کے لئے اکاؤنٹینٹ کو بلوایا تھا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اکاؤنٹینٹ کی حیثیت سے رفیق اس کے سامنے آن کھڑا ہوگا.......... تاہم اس کا انداز تکلم مودبانہ تھا اور وہ ایک ملازم ہی کی طرح سعادت مندی سے نظر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم یہاں کب سے ہو؟" ساجدہ نے حیرت کے جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ہفتے سے.........." اس نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیسے آئے تھے؟"

"اشتہار آیا تھا اس ویکنسی کے لئے.......... میں نے درخواست دی۔ امیدواروں میں سب سے زیادہ تجربہ میرا ہی تھا۔ عمر کی قید نہیں تھی۔ جی ایم صاحب نے ابتدائی تین ماہ کے لئے آزمائشی طور پر رکھ لیا.........." رفیق نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

"اچھا.......... تو ابھی پروبیشن پر ہو.........." ساجدہ نے ریوالونگ چیئر کے پشتے سے ٹیک لگاتے ہوئے گویا اطمینان کی سانس لی۔ رفیق ابھی تک کھڑا تھا۔ ساجدہ نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جی ہاں.......... تین سال پہلے ہی ریٹائرمنٹ لے لی تھی میں نے.........."

"کسی پلاننگ کے تحت ہی لی ہوگی؟" ساجدہ نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں .... بس .... پلاننگ ایسی کوئی خاص تو نہیں تھی .... ریٹائرمنٹ پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ مل گیا تھا۔ ایک جگہ کولڈ ڈرنکس وغیرہ کی دکان کھول لی ہے۔ وہاں صرف شام کو رونق ہوتی ہے اس لئے شام کو ہی جا کر دکان کھولتا ہوں۔ میں نے سوچا دن میں نوکری کر لینی چاہئے۔ یہاں سے چار بجے چھٹی ہو جاتی ہے۔"

ساجدہ افسردگی سے مسکرائی .... "تم کتنے نحیف اور کمزور آدمی ہو......... مگر پیسے کی محبت نے تمہیں کتنی طاقت دی ہوئی ہے۔ کتنی محنت کرتے ہو تم .... اور وہ بھی صرف اپنی ذات کے لئے .... تمہاری شخصیت کے اس پہلو پر مجھے رشک بھی آتا ہے......... اور غصہ بھی .... تمہاری صحت خواہ کیسی بھی ہے لیکن تم نے باقی عمر آرام سے بیٹھ کر کھانے کا فیصلہ نہیں کیا........."

"آرام سے بیٹھ کر کھانے میں تو قارون کے خزانے بھی ختم ہو جاتے ہیں........." وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"خیر......... چھوڑو اس بحث کو........." ساجدہ ہاتھ اٹھا کر بولی .... "یہ بتاؤ کہ جب تم نے یہاں ملازمت کے لئے درخواست دی تو کیا تمہیں معلوم تھا کہ یہ میرا ٹیکسٹائل مل ہے؟"

"نہیں ...." رفیق نے نفی میں سر ہلایا......... "لیکن پرسوں میں چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ گیٹ کے پاس کھڑا تھا تو تمہاری گاڑی اندر داخل ہوئی۔ سب نے ایک دوسرے کو کہنیاں مار کر بتایا کہ میڈم آرہی ہیں .... جب تم .... میرا مطلب ہے جب آپ گاڑی میں تھیں تو میں نے آپ کو نہیں پہچانا......... لیکن جب آپ آگے آکر گاڑی سے اتر کر دفاتر والے بلاک کی طرف بڑھیں تو میں نے پہچانا میں بہت حیران ہوا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا......... پھر میں نے سوچا شاید آپ اس ساجدہ کی ہم شکل ہیں جسے میں جانتا ہوں........."

"جسے تم نہیں جان سکے........." ساجدہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فوراً تصحیح کی۔

"چلئے اسی طرح سہی ...." وہ سعادت مندی سے بولا .... "بہرحال پھر میں نے نام وغیرہ معلوم کیا تو اندازہ ہوا کہ آپ وہی ہیں........." پھر جیسے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ آگے کیا کہے۔ "وہ اپنے استخوانی سے ہاتھ پھیلاتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولا........." یہ سب قسمتوں کے کھیل ہیں........."

"اور اب قسمت میرے کان میں کچھ اور ہی سرگوشیاں کر رہی ہے........." ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔

"کیا مطلب؟" رفیق نے قدرے الجھن سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں یہاں دیکھنا نہیں چاہتی رفیق!" ساجدہ کے لہجے میں یک لخت سختی و سرد مہری در آئی .... "ابھی تم پروبیشن پر ہی ہو اس لئے تمہیں استعفیٰ دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں برخاست کرتی ہوں۔"

رفیق کا زرد چہرہ کچھ اور زرد ہو گیا۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا......... "لیکن کیوں.........؟ میرا قصور کیا ہے؟"

"میں تمہیں کوئی سزا تو نہیں دے رہی جو قصور بتانا ضروری ہو........." ساجدہ سپاٹ سے لہجے میں بولی .... "میں بس تمہیں اس مل میں .... بلکہ اپنے گروپ آف کمپنیز کے کسی بھی دفتر میں دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"پھر بھی اس کی کوئی وجہ تو ہوگی؟" رفیق گویا ڈرتے ڈرتے بولا۔

"مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ تم تمام ملازمین کو فخریہ انداز میں بتاتے پھرو کہ ان کی مالکن تمہاری سابق بیوی ہے......... حالانکہ مجھے معلوم ہے سابق بیوی ہونا کوئی جرم نہیں ہے......... کوئی ایسی معیوب بات بھی نہیں ہے۔ ہماری قانونی اور شرعی شادی ہوئی تھی......... کیوں نبھ نہیں سکی، یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ بہرحال میرے ماتھے پر کوئی کلنک کا ٹیکہ نہیں ہے .... لیکن پھر بھی میں نہیں چاہتی کہ تم یہاں لوگوں کو بتاتے پھرو........."

رفیق گویا بڑی جرأت کر کے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا .... "میں نے پرسوں آپ کو دیکھا اور پہچانا تھا......... تب سے اب تک تو میں نے کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا......... اشارتاً بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ تھا......... اب جبکہ تم نے......... میرا مطلب ہے آپ نے اپنی ناپسندیدگی بھی اس سلسلے میں واضح کر دی ہے تو میں بالکل زبان نہیں کھولوں گا۔ مجھے یہ ذکر کر کے بھلا کیا مل جائے گا؟ اگر آپ کبھی کسی سے ذرا بھی سنیں کہ میں نے اس قسم کی کوئی بات کی تھی تو بے شک مجھے کھڑے کھڑے نکال دیں۔ لیکن پلیز......... ایک ایسے جرم میں مجھے مت نکالیں جو ابھی میں نے کیا ہی نہیں .... پلیز........." اس کے لہجے میں ان گنت التجائیں سمٹ آئیں۔

ساجدہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ نوکری کے لئے بالکل اسی طرح گڑگڑا رہا تھا جیسے انتہائی غریب، مفلوک الحال اور مدتوں کا بے روزگار ہو۔ گھر میں بیوی بچے بھوکے مر رہے ہیں۔

ساجدہ چند لمحے سرد نگاہوں سے اسے گھورتی رہی۔ پھر جیسے بادل نخواستہ بولی۔

"اچھا......... میں ایک بار پھر تم پر اعتبار کر لیتی ہوں......... لیکن یاد رکھنا جس دن میں نے یہاں اپنے اور تمہارے بھولے بسرے تعلق کے بارے میں ایک سرگوشی بھی سن لی وہ یہاں تمہاری ملازمت کا آخری دن ہوگا........."

"آپ بالکل مطمئن رہیں......... میڈم!" ابھی جیسے لفظ "میڈم" اس کی زبان پر مشکل

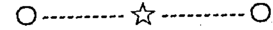
سے آتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو اس کا عادی بنا رہا تھا............ "میں اب غیر ضروری باتیں کرنے کا بالکل عادی نہیں رہا............"

"اب تم جا سکتے ہو............" ساجدہ تحکمانہ لہجے میں بولی۔

وہ جانے کے لئے مڑا لیکن پھر جیسے اسے کچھ یاد آگیا۔ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "آپ نے مجھے اسٹیٹ منٹ کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لئے بلایا تھا؟"

"بس............ ٹھیک ہے۔" ساجدہ قدرے بیزاری سے ہاتھ ہلا کر بولی............ "اگر وہ کام تم نے کیا ہے تو پھر ٹھیک ہی کیا ہوگا............ مجھے معلوم ہے حساب کتاب میں تم جیسا ماہر آدمی ملنا مشکل ہے۔"

رفیق کے چہرے پر ہلکی سی رونق آگئی۔ اس سے زیادہ رونق اس کے چہرے پر آنی شاید ممکن ہی نہیں تھی۔ وہ سلام کر کے رخصت ہوگیا۔ ساجدہ دیر تک کرسی کے پشتے سے ٹیک لگائے بے حس و حرکت بیٹھی چھت کو گھورتی رہی۔



ساجدہ پر اب بھی کبھار ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے تھے۔ اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے لئے اس نے اپنے گرد جو خول تعمیر کیا تھا وہ گویا جگہ جگہ سے چٹخنے لگا تھا۔ ہر وقت ذہن میں ایک بے عنوان سا احساس زیاں جاگزیں رہتا تھا............ دولت تھی کہ نہ جانے کہاں کہاں سے' کس کس طرح سمٹ کر اس کی طرف کھنچی چلی آرہی تھی............ مگر ساجدہ اپنے آپ کو اب بالکل تہی دامن محسوس کرتی تھی۔

اسی ڈپریشن کے عالم میں ایک رات عکس سے اس کا پہلا جھگڑا ہوا۔ اس رات وہ آیا اور پانچ سات منٹ ٹھہرنے کے بعد رخصت ہونے لگا۔ کافی عرصے سے اس کا یہی معمول تھا۔

"آج رات تم مت جاؤ............ آج میں اپنے آپ کو بہت تنہا تنہا محسوس کر رہی ہوں............" ساجدہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

عکس کے چہرے پر بے چارگی صاف دکھائی دینے لگی۔ وہ ہچکچاہٹ آمیز سے انداز میں بولا............ "آج تو میں چلتا ہوں............ کل میں آؤں گا............ تو ٹھہروں گا۔"

وہ پورے سات دن بعد آیا تھا اور ساجدہ کو کچھ زیادہ امید نہیں تھی کہ وہ وعدہ کرنے کے باوجود دوسرے دن آئے گا۔ اس کی کنپٹیاں تپنے لگیں۔ اسے خود بھی احساس تھا کہ بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی رگوں میں لہو کی گردش کچھ زیادہ ہی تیز ہو جاتی تھی۔ وہ زود رنج اور مشتعل مزاج ہوتی جا رہی تھی............ بالکل اسی طرح جیسے وہ کسی زمانے میں رفیق سے رفاقت کے آخری دنوں میں ہو جایا کرتی تھی۔

"آج کیوں نہیں رک سکتے؟" وہ جارحانہ لہجے میں بولی۔

"وہ............ وہ............ بس کچھ مجبوری ہے............" وہ ہکلایا۔ ساجدہ کی شعلہ بار نظروں کے سامنے تو وہ بھی کچھ بدحواس ہو جاتا تھا۔ وہی عکس جو کبھی اسے ہر بات پر قادر' ہر چیز پر حاوی نظر آتا تھا۔ اب اسے دیکھ کر کبھی کبھی تو ساجدہ کو ترس آتا تھا............ معلوم نہیں زیادہ تبدیلیاں عکس میں آئی تھیں یا خود ساجدہ ہی میں آگئی تھیں۔

وہ یکدم ہی پھٹ پڑی............ "کیا مجبوری ہے تمہیں؟ میں تنگ آگئی ہوں تمہاری زبان سے یہ لفظ سنتے سنتے............ اتنا مجبور تو شاید میری اپنی اس دنیا کا کوئی عام سا آدمی بھی نہ ہوتا............"

"لیکن تمہاری دنیا کا کوئی عام سا آدمی شاید تمہارے لئے یہ کچھ نہ کر پاتا۔" عکس نے چاروں طرف ہاتھ گھمایا۔ اس کا اشارہ یقیناً اس دولت اور ان آسائشوں کی طرف تھا جو ساجدہ کو میسر تھیں۔

"نہیں چاہئیں مجھے یہ سب چیزیں............" وہ جنونی سے انداز میں مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی............ "ایک اسٹیج آتی ہے کہ یہ سب بہلاوے بھی بے معنی ہو جاتے ہیں............ کوئی کشش نہیں رہتی ان میں............ کوئی اہمیت نہیں رہتی ان کی۔"

عکس نے مضطرب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بغیر کوئی جواب دیئے دروازے کی طرف بڑھا۔ ساجدہ کے ضبط کا بندھن جیسے بالکل ہی ٹوٹ گیا۔

اس نے بستر سے فرنچ بیڈ اسپریڈ کھینچ کر دور پھینک دی۔ ڈریسنگ ٹیبل سے کاسمیٹکس کا تمام امپورٹیڈ سامان اٹھا کر ادھر ادھر بکھیر دیا۔ ایک گلدان اٹھا کر فانوس پر دے مارا اور چلائی............ "لے جاؤ اپنی یہ سب چیزیں............ آگ لگا دوں گی میں ٹیکسٹائل ملوں کو............ اس گھر کو............ صبح سارا روپیہ بینک سے نکلوا کر سڑکوں پر پھینک دوں گی............ نہیں چاہئیں مجھے یہ تعیشات............ مت کرو مجھ پر یہ نوازشیں............"

وہ شاید کمرے میں اور بھی توڑ پھوڑ مچاتی مگر عکس نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور ملائمت سے بولا............ "کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ آخر تم اتنی غصہ ور کیوں ہوتی جا رہی ہو؟"

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟" وہ قہر آلود نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر اتنے معصوم بن ہی رہے ہو تو سنو............ میں تمہیں بتاتی ہوں............ ہر لفظ پر وہ جیسے خون جگر کا گھونٹ بھر رہی تھی............ "تمہاری افسانوی محبت میں گرفتار ہو کر میں سب کچھ گنوا بیٹھی ہوں۔ میں اس مقام پر آکر پھنس گئی ہوں جہاں سے نہ آگے جا سکتی ہوں اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہوں۔ میں تمہاری بیوی ہوں لیکن دنیا کے سامنے ثابت نہیں کر سکتی............ تم میرے شوہر ہو لیکن نہ میرے ساتھ اس دنیا میں رہ سکتے ہو نہ مجھے اپنی دنیا میں لے جا سکتے ہو............"

اس کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔ پھر اس نے چھوٹے بیڈ پر لیٹے ہوئے خواب کی طرف اشارہ کیا.......... "وہ بچہ ہے میرا.......... میں کیسے دنیا کو بتاؤں کہ میں ایک اتنے خوبصورت اور غیر معمولی بچے کی ماں ہوں؟ کون مانے گا میری بات؟ دیوانہ سمجھیں گے لوگ مجھے.......... یہ حاصل ہے میری اور تمہاری اتنے برسوں کی رفاقت کا؟ پھر تم پوچھتے ہو کہ میں اتنی غصہ ور کیوں ہوتی جا رہی ہوں؟ ایک وہ تمہاری چڑیلوں جیسی عادتوں والی بیوی ہے جس نے تمہیں معلوم نہیں کیا سے کیا بنا دیا ہے.......... مجھے تو ترس آنے لگا ہے تمہیں دیکھ کر۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ میں جسے کسی انوکھی دنیا کا ایک مافوق الفطرت مرد سمجھ کر پرستش کی حد تک چاہنے لگی ہوں وہ اتنا قابل رحم نظر آئے گا۔ اپنی دانست میں تم نے مجھے بہت بڑی چیز بنا دیا ہے لیکن مجھے ڈر ہے آگے چل کر تم مجھے تماشہ نہ بنا دو.......... خدا کے لئے تم مجھے میرا ماضی لوٹا دو۔ میرا ان سب چیزوں سے دل بھر گیا ہے.........." وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اصل بات یہی ہے.........." عکس ملائمت سے بولا.......... "انسان بڑا ناشکرا ہے۔ بڑی سے بڑی نعمتیں بھی اسے مسلسل حاصل رہیں تو ان سے اس کا دل بھر جاتا ہے۔ تم اس وقت زندگی کی یکسانیت سے اکتائی ہوئی ہو اور کچھ پریشان بھی ہو.......... میں تمہیں مزید چڑانا نہیں چاہتا.......... تمہارا غصہ بڑھانا نہیں چاہتا.......... بس تمہیں اتنا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انسان جب کسی کو چاہتا ہے تو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت چاہتا ہے.......... اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو تمہیں میری مجبوریوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے.......... جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جو میری بیوی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں تو ان کا حل تلاش کرنے کی میں پوری پوری کوشش کر رہا ہوں۔ جلد ہی تم اس سلسلے میں کوئی خوشخبری سن لوگی.......... باقی رہا مسئلہ میرا تمہاری دنیا میں آنے کا.......... یا تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا.......... تو اس سلسلے میں' میں بالکل ہی مجبور ہوں.......... بارہا یہ بات میں تمہیں بتا چکا ہوں.......... یہ میرے بس کی بات نہیں ہے.........."

"جس مسئلے کو حل کرنے کی تم بات کر رہے ہو اس کے بارے میں سنتے ہوئے بھی مجھے ایک مدت ہو گئی ہے.......... مجھے اب یقین نہیں رہا کہ اس سلسلے میں بھی تم کچھ کر سکو گے.........." ساجدہ برہمی اور مایوسی سے بولی۔

"اس وقت تم غصے میں ہو.......... ہم کل بات کریں گے۔" عکس نے گویا بات ختم کر دی اور پھر وہ دروازے کی طرف بھی نہیں بڑھا۔ وہیں کھڑے کھڑے غائب ہو گیا۔

اس کے بعد وہ تین دن تک انتظار کرتی رہی مگر وہ نہیں آیا۔ اس روز وہ بہت اداس تھی۔ وہ آفس بھی نہیں گئی تھی.......... کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اتنے بڑے گھر میں' اتنے کشادہ لان پر بھی اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ بار بار اسے یوں لگتا تھا جیسے چاروں طرف سے در و دیوار اسے دبوچنے کے لئے بڑھ رہے ہوں۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بالکل کھلی فضاؤں میں جا کر بیٹھ جائے۔ تیز ہوائیں چل رہی ہوں۔ سامنے بے کراں سمندر ہو.......... تاحد نظر نیلگوں آسمان کی وسعتیں ہوں۔ اس کے علاوہ چاروں طرف کچھ بھی نہ ہو۔ کوئی اونچی عمارت نہ ہو۔ کوئی دیوار و در نہ ہو۔ کہیں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ دور تک کوئی صورت نظر نہ آئے.......... شاید ایسی جگہ اس کا دم نہ گھٹے۔

وہ اپنی اس خواہش کو دل میں دباتی رہی.......... لیکن سہ پہر کے بعد تو جیسے اسے سانس لینا ہی دشوار ہو گیا۔ اسے بے پناہ گھبراہٹ ہونے لگی۔ پہلے تو اس نے ڈاکٹر کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ کہیں اس کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو گیا ہو.......... لیکن پھر اس نے خود ہی اپنے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ اس کی صحت آج تک قابل رشک رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب بھی اس کی کیفیت کا تعلق اس کے جسم سے نہیں' ذہن سے تھا۔ گڑبڑ جسمانی نظام میں نہیں' اس کے محسوسات میں تھی۔

اس نے گاڑی نکالی اور کسی کو کچھ بتائے بغیر' خود ہی ڈرائیو کرتی تنہا گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ کلفٹن پہنچ کر وہ سمندر کے متوازی جانے والی سڑک پر ہولی۔ اس سڑک کے ایک طرف' سمندر کے رخ اب تو چند بلند و بالا عمارتیں سر اٹھا چکی تھیں اور دو چار زیر تعمیر تھیں ورنہ پہلے تو ساری ہی جگہ خالی پڑی تھی۔

لیکن ان عمارتوں کا سلسلہ بھی بہرحال جلد ہی ختم ہو گیا۔ چند فرلانگ کے بعد وہ علاقہ ویرانے کا سا سماں پیش کرنے لگا۔

ایک جگہ بالکل ہی ویرانی دیکھ کر ساجدہ نے گاڑی ریت کی طرف موڑ دی اور چند لمحے بعد وہ عین سمندر کے کنارے جا رکی۔ نیچے اتر کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ نگاہوں کے سامنے رکاوٹ بننے والے اس کے سامنے وہاں صرف چند اونچے اونچے پتھر ہی تھے ورنہ تاحد نظر بیکراں سمندر اور آسمان کی نیلگوں وسعتیں رہی تھیں۔

وہ ایک بے پروا اور نو عمر لڑکی کی طرح دھپ سے ریت پر بیٹھ گئی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ کچھ عرصہ پہلے اگر وہ کسی ایسی جگہ تنہا آنے کا تصور بھی کرتی تو اسے خوف محسوس ہوتا.......... لیکن آج اسے سکون ہی یہاں آکر ملا تھا۔

فضا میں عجیب سی دھندلاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ دور کا منظر خوابوں کے دھندلکوں میں لپٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ساجدہ نہ جانے کب تک گرد و پیش سے بے خبر افق کی طرف تکتی رہی اور لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے مدتوں بعد وہ کسی قفس سے نکلی ہے۔

دفعتاً وہ چونکی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے ایک اونچے پتھر کی آڑ میں کوئی موجود ہے۔

ساجدہ کا اندیشہ درست تھا.......... چار پانچ فٹ اونچے اس پتھر کے عقب سے کسی کا سر نمودار ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ساجدہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

اس کا پرس اس کے قریب ہی رکھا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ گاڑی سے اترتے وقت پرس ہاتھ میں لے لیتی تھی۔ خواہ اسے گاڑی کے قریب ہی کھڑے ہو کر کسی سے بات کرنا ہوتی۔

اس نے جلدی سے پرس کو ہاتھ میں دبوچ لیا.......... اس لئے نہیں کہ اسے نقدی وغیرہ چھن جانے کا خوف تھا بلکہ اس لئے کہ اس کے پرس میں لائسنس یافتہ ایک چھوٹا سا پستول موجود تھا.......... اس پستول سے اس نے تھوڑی بہت نشانہ بازی کی مشق بھی کی ہوئی تھی .... لیکن آج تک اسے کسی جاندار پر گولی چلانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا.......... اور اسے اپنے بارے میں یقین بھی نہیں تھا کہ وہ کسی پر گولی چلا سکتی ہے۔ تاہم پستول کا ہاتھ میں ہونا بھی کافی اعتماد بخشتا تھا۔

پتھر کے عقب سے نمودار ہونے والا سر اونچا ہوتا چلا گیا۔ پھر کندھے اور پشت نظر آئی۔ بالآخر ایک شخص اچک کر اسی پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت ساجدہ کی طرف تھی۔ اس نے مڑ کر ساجدہ کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ ساجدہ نے قدرے اطمینان کی سانس لی۔

وہ گاڑی سے کچھ اور قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ شخص بھی تنہا ہی تھا اور ساجدہ ہی کی طرح افق کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس کے اوپری دھڑ پر قمیض وغیرہ نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیراکی کر کے نکلا تھا۔ اس کی سرخ سفید جلد پر پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ بال خاصے لمبے تھے جیسے عرصے سے ترشوائے نہ گئے ہوں..........اور وہ بھی گیلے تھے۔ موٹی موٹی لٹیں اس کی گدی پر پھیلی ہوئی تھیں اور ان سے پانی نچڑ رہا تھا۔ پانی کے ان قطروں پر جہاں جہاں ڈوبتے سورج کی کندنی کرنیں پڑ رہی تھیں' وہاں وہ پگھلے ہوئے سونے کی بوندوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ اس شخص کے کندھے کافی چوڑے اور کمر پتلی تھی۔ وہ باڈی بلڈروں کی طرح کسرتی جسم کا مالک معلوم ہوتا تھا۔

ساجدہ خفیف سی بدمزگی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے ایک نہایت پرسکون گوشہ تنہائی تلاش کر لیا ہے جہاں کوئی اس کی تنہائی میں مخل نہیں ہوگا اور وہ زمین و آسمان کی وسعتوں سے بھی محظوظ ہو سکے گی۔ آبادی کے آثار وہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی.......... لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جگہ لوگوں کی دسترس سے دور نہیں تھی' کہیں بھی انسان کے اعصاب کو تھپکیاں دینے والی تنہائی میسر نہیں تھی۔

وہ شخص بدستور افق کی طرف دیکھتا رہا.......... اور دھیرے دھیرے جیسے ساجدہ کا خوف اور اضطراب دور ہونے لگا۔ وہ شخص جس کی صورت ساجدہ ابھی تک نہیں دیکھ سکی تھی' نہ جانے کیوں اسے خطرناک محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے کا احساس نہیں دلا رہی تھی۔ چند لمحے پہلے وہ گاڑی میں بیٹھ کر چپکے سے وہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ

کر رہی تھی لیکن اب اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ ابھی تو وہ سکون کے چند منٹ بھی گزارنے نہیں پائی تھی۔

اچانک ساجدہ کو چھینک آ گئی۔ ناک پر ٹشو پیپر رکھتے وقت اسے فوری طور پر ہلکی سی خجالت کا احساس ہوا.......... کہیں وہ شخص یہ تو نہیں سوچے گا کہ اس نے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے جان بوجھ کر چھینک ماری تھی؟

اس شخص نے نہایت آہستگی سے گردن گھما کر ساجدہ کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں ساجدہ کو احساس ہوا کہ وہ اس کی موجودگی سے پہلے ہی سے واقف تھا لیکن ظاہر یہی کر رہا تھا کہ چھینک کی آواز سن کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا ہے۔

ساجدہ نے بے نیازی ظاہر کرنے کے لئے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ صحیح طور پر اس کی صورت دیکھنے کے تجسس کو دبا نہیں سکی۔ اس نے بظاہر سپاٹ اور سرسری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ پختہ عمر کا ایک نہایت وجیہہ آدمی تھا.......... اس کی شخصیت کچھ اس قسم کی تھی جسے دیکھ کر کرکٹ کے خوش شکل کھلاڑیوں یا مقبول اداکاروں کا خیال آتا تھا جو اپنا عروج کا زمانہ گزار چکے ہوں اور اب دھیرے دھیرے زیادہ پختگی اور کم مقبولیت کے دور میں داخل ہو رہے ہوں۔

اس کا سرخ و سفید کسرتی جسم زرد دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی اس کے بڑے بڑے سیاہ اور گھنگھریالے بالوں کی طرح چمکیلی اور پرکشش تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ساحرانہ شخصیت کا مالک تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ چہرہ ساجدہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ فوری طور پر تو اسے یاد نہیں آیا کہ اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا تھا.......... لیکن پھر جیسے بہت ہی تیزی سے کتاب ماضی کے ورق پھڑپھڑاتے چلے گئے۔ تیز ہوائیں گویا گزرے لمحوں کی دھول اڑاتی چلی گئیں اور اس کی دبیز تہوں تلے سے یادوں کے موتی جھلملا اٹھے۔ اس کے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔

"وجاہت.......... تم .... یہاں .... ؟" وہ غیر ارادی طور پر تقریباً چلا اٹھی حیرت کے باعث وہ اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکی تھی حالانکہ دوسرے ہی لمحے اسے یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ اس میں ایسی حیرت کی بھی کوئی بات نہیں تھی.......... زندگی کے سفر میں لوگ ملتے اور بچھڑتے تو رہتے ہیں .... کبھی جلدی اور کبھی برسوں بعد.......... کبھی کسی موڑ پر اور کبھی کسی موڑ پر۔

وہ گہری نظروں سے ایک ٹک ساجدہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا اور ساجدہ جیسے مسحور ہو کر رہ گئی تھی۔ ان نظروں کی قیدی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی کشش تھی۔ ان آنکھوں میں خفیف سی حیرانی بھی تھی۔

پھر وہ پتھر سے نیچے کود گیا اور دھیرے دھیرے ساجدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ساجدہ کو اب اس سے قطعاً کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ برسوں پہلے جب وہ اسے دور دور سے دیکھا کرتی تھی، اس وقت اگر وہ اس طرح کسی سنسان مقام پر ساجدہ کو نظر آجاتا تو شاید خوف سے اس کی چیخیں نکل جاتیں۔ اس کی شہرت ہی کچھ ایسی تھی۔

وہ پتھر کی اوٹ سے نکلا۔ تب ساجدہ نے دیکھا کہ وہ ایک عجیب سے کپڑے کا پاجامہ پہنے ہوئے تھا جس کا رنگ اس کی جلد کی رنگت سے بہت ملتا تھا۔ ساجدہ اب ٹیکسٹائل کی صنعت میں تھی۔ اسے کپڑے کی بہت پہچان تھی۔ دور سے دیکھ کر بتا سکتی تھی کہ کپڑا کس میٹریل کا بنا ہوا تھا۔ اس کی ویونگ اور اسپنگ کی کوالٹی کیا ہے.......... اور اس طرز کا کپڑا کس ملک میں زیادہ بنتا تھا۔

لیکن وجاہت کے جسم پر موجودہ کپڑا بہت ہی عجیب تھا۔ وہ شاید سرے سے کپڑا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کے جسم کی کھال ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا لیکن وہ کھال بھی نہیں تھی۔ انسانی یا غیر انسانی، کسی بھی قسم کی کھال نہیں تھی۔ اس بات کا بھی ساجدہ کو یقین تھا۔

ساجدہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگالی۔ وجاہت پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے چلا آرہا تھا۔ وہ بھی گویا سے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ہر قدم کے ساتھ اس کے کسرتی جسم کے عضلات یوں حرکت کر رہے تھے جیسے کسی پرسکون جھیل کی سطح پر دھیمی ہوا سے لہریں پیدا ہو رہی ہوں۔

ساجدہ سے دو قدم کے فاصلے پر آکر وہ رک گیا۔ وہ اس کا سرتاپا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی.......... ستائش تھی۔ محویت تھی۔ ساجدہ جسے چند لمحے پہلے ہوا میں خنکی کے احساس سے چھینک آگئی تھی۔ اپنے رخسار تپتے ہوئے محسوس کرنے لگی۔ اس کے اردگرد یک بیک ہی گویا ہوا میں حدت آگئی تھی۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا نام وجاہت ہے؟" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ گلابی ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی آواز بھی اس کی شخصیت کی طرح دلکش تھی۔ کچھ کھنکتی ہوئی اور کچھ بھاری سی۔

"ایک کالج میں.......... ایک ہی کلاس میں پڑھنے والے کچھ لوگوں کے نام اور صورتیں تو یاد رہ ہی جاتی ہیں.......... خواہ برسوں گزر جائیں.........." ساجدہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل قدرے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"ایک کالج میں.......... ایک ہی کلاس میں..........؟" وجاہت نے خود کلامی کے سے انداز میں دہرایا۔ اس کی کشادہ اور روشن پیشانی پر ہلکی سی شکنیں ابھر آئیں۔ اس کی نظر ساجدہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً ذہن پر زور دے رہا تھا.......... ذہن کے دھندلکوں میں

بکھرے ہوئے ان گنت چہروں میں اس کا چہرہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ساجدہ کو ایک لمحے کے لئے ہلکی سی خفت بھی محسوس ہوئی۔ اس زمانے میں اس کا چہرہ، اس کی شخصیت ایسی تھی بھی کہاں، کہ اسے یاد رکھا جا سکتا۔

اسے اپنے تعلیمی کیریئر کے دوران صرف دو سال کے لئے ایک کو ایجوکیشن کالج میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا.......... اور وہ عرصہ بھی اس کی زندگی کا کوئی یادگار یا سنسنی خیز عرصہ نہیں تھا.......... ان دو برسوں میں بھی ایسا کچھ نہیں ہوا تھا کہ جس کی یاد آج ایک جگنو کی طرح دل کے اندھیرے میں جھلملا اٹھتی اور رگ و پے میں ایک بے نام سی لذت کی لہر دوڑا دیتی۔

وہ اس کا نوخیزی کا دور تھا مگر گھر کے حالات کی وجہ سے اس کے محسوسات پر گویا بڑھاپے کی سی یخ بستگی طاری رہتی تھی۔ ذہن میں بس ایک ہی خیال جاگزیں رہتا تھا کہ کھینچ تان کر وہ کسی طرح تعلیم مکمل کر لے اور اسے کوئی ڈھنگ کی نوکری مل جائے۔

اس کی ہم عمر دوسری لڑکیوں کے انداز و اطوار بہت مختلف تھے۔ ایک تو وہ عمر ہی کچھ ایسی تھی۔ رگوں میں لہو گویا آتشیں سیال بن کر دوڑتا تھا.......... اور کچھ کو ایجوکیشن ہونے کی وجہ سے بھی گویا ماحول میں حرارت کی لہریں سی دوڑتی رہتی تھیں.......... مگر اس کی روح میں یخ بستگی تھی۔

تیکھے فقروں کے تبادلے.......... چلبلی نظروں کا سفر.......... شوخیاں، شرارتیں، مسابقت، دوستیاں.......... معنی خیز سرگوشیاں.......... ڈھکا چھپا تعلق خاطر.......... اور کبھی کبھار کوئی چھوٹا موٹا اسکینڈل.......... ساجدہ کے اردگرد سب کچھ چلتا رہتا تھا۔ مگر وہ جیسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق تھی۔

وہ گویا اپنے وجود میں کہیں بہت اندر، بہت گہرائی میں سلگتی ہوئی چنگاریوں کو دنیا کی نظروں سے ہی نہیں بلکہ خود اپنی نظر سے بھی چھپائے رکھنے کے لئے اپنے آپ کو بڑی سی سفید چادر میں سمیٹے، نظریں جھکائے کالج آتی.......... اور اسی طرح خاموشی سے لوٹ جاتی۔ وہ کالج میں ایک منٹ بھی فالتو نہ گزارتی.......... اور پڑھنے لکھنے کے سوا وہاں اس کی کوئی مصروفیت نہ ہوتی۔

شروع شروع میں اس کا مذاق بھی اڑایا گیا۔ اس کے دل پر خراش سی بھی آئی.......... لیکن پھر جیسے اس نے اپنی سماعتوں پر دبیز پردے ڈال لئے۔ اپنی ذات میں وہ کچھ اور سکڑ سمٹ گئی۔ غیر متعلقہ باتوں پر توجہ دینی اس نے بالکل چھوڑ دی۔

دوسروں نے بھی رفتہ رفتہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ان کے لئے گویا ساجدہ کا وجود اور عدم وجود برابر ہو گیا۔ ایک شوخ و شریر اور کھاتے پیتے گھر کی لڑکی نے ایک بار ساجدہ کا ذکر آنے پر اپنی دوستوں کے حلقے میں منہ بنا کر کہا تھا۔ "شی از اے نوباڈی.........."

وہ "نو باڈی" تھی .... کسی شمار قطار میں نہیں تھی۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں ہوتی تھی.......... حتیٰ کہ آس پاس کہیں اس کی موجودگی میں تو لڑکیاں ایک دوسری کو اپنے نہایت نجی قسم کے افسانے سناتے ہوئے بھی نہیں جھجکتی تھیں۔ وہ گویا ایک بے ضرر یا شاید بے جان سی چیز تھی۔

اس انداز سے اس نے دو سال گزارے تھے .... اور دو سال کے دوران اس نے شاید دو چار مرتبہ ہی کن انکھیوں سے وجاہت کی طرف دیکھا تھا۔ ایک کلاس میں ہونے کے باوجود ان کے درمیان گویا کوسوں کا فاصلہ تھا.......... اور کیوں نہ ہوتا؟

وہ ایک "نو باڈی" تھی .... اور وجاہت 'کلاس کا.......... بلکہ شاید پورے کالج کا ہیرو تھا۔ سب کا مرکز نگاہ.......... ہر خوبصورت نظر اس کا طواف کرتی تھی.......... اور وہ بھی سب کی عنایتوں' نوازشوں کو دامن میں سمیٹنے کے معاملے میں خوب مستعد تھا۔

حالانکہ وہ بھی نوعمر ہی تھا.......... مگر بلا کا شاطر اور تیز و طرار.......... ہر لڑکی پر مہربان.......... ہر ایک کے لئے دیدہ دل فرش راہ کئے رہتا۔ کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ اس کے افسانے بنے .... مگر اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کے ساتھ سنجیدہ ہے.......... اور سنجیدہ ہے بھی یا نہیں؟

وہ پڑھا کو قسم کا طالب علم نہیں تھا۔ اسے کبھی پڑھائی کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی تو وہ روزمرہ کی دو چار کتابیں اور نوٹس کی فائل بھی ساتھ لانے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔ خالی ہاتھ ہی چلا آتا تھا۔

اس کے باوجود پڑھائی میں وہ تمام محنتی لڑکے لڑکیوں سے آگے نظر آتا تھا۔ بعض اوقات تو اپنی تشریحات' نظریات اور فلسفوں سے لیکچررز اور پروفیسرز کو لاجواب کر دیتا تھا۔ کوئی ایسا سوال نہیں تھا جس کا جواب اسے نہ آتا ہو۔

ویسے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ اصل دلچسپی تو اسے کھیلوں سے تھی۔ پڑھائی تو وہ محض دل بہلانے کے لئے کر رہا تھا۔ یعنی دوسروں کے مقابلے میں اس کا معاملہ بالکل الٹ تھا۔

اسے سبھی کھیلوں سے دلچسپی تھی۔ کسی بھی کھیل میں کالجوں کی سطح پر ہونے والے مقابلوں میں جیتنا تو اس کے لئے گویا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اس قسم کے مقابلے تو اس کے لئے بچوں کا کھیل ہوتے تھے۔

سب سے زیادہ دلچسپی اسے تیراکی سے تھی اور اس میں تو وہ غیر معمولی طور پر ماہر معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کالج وغیرہ کی سطح پر تو سوئمنگ کے کوئی خاص مقابلے وغیرہ منعقد نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر مختلف کلبوں وغیرہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مقابلوں میں بالر حصہ لیتا تھا۔ ہوٹلوں کے سوئمنگ پولز پر ہونے والے کئی مقابلوں میں وہ ٹرافیاں جیت کر لایا

تھا۔ دو ایک مرتبہ اخبارات میں اس کی تصویر بھی چھپی تھی اور کالج کا ذکر بھی آیا تھا۔ کالج کا اسٹاف بھی اس کی عزت کرتا تھا اور اسے اہمیت دیتا تھا.......... کیونکہ اس کی وجہ سے کالج کا نام روشن ہوتا تھا۔

اس وقت تو کالج والوں کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی جب وہ اپنے طور پر انتظامات کر کے تیراکی کے ایک بین الاقوامی مقابلے میں شرکت کے لئے چلا گیا تھا اور گولڈ میڈ جیت لایا تھا۔ غیر ملکی رسالوں میں بھی اس کی تصویریں چھپی تھیں اور کالج کا نام بھی آیا تھا۔ اس خوشی میں کالج کی طرف سے اس کے اعزاز میں ایک تقریب بھی منعقد کی گئی تھی۔

ان سب یادوں کی فلم گویا ایک لمحے کے اندر اندر ساجدہ کے ذہن کے پردے پر گزرتی چلی گئی.......... وجاہت اپنے زمانے کا ایسا مقبول' ایسا معروف طالب علم تھا اسے بھلا کیسے یاد رہ سکتا تھا کہ اس کی کلاس میں' اپنے آپ میں سمٹی رہنے والی ایک سیدھی سادی سی لڑکی بھی ہوا کرتی تھی جس کا نام ساجدہ تھا!

اب وہ پختہ العمر مرد کے روپ میں اس کے سامنے کھڑا اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ساجدہ ہی کا ہم عمر تھا لیکن عمر کی پختگی سے اس کی شخصیت کی دلکشی میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی.......... بلکہ اگر وہ پہلے کچھ ادھورا ادھورا سا تھا تو اب مکمل نظر آنے لگا تھا۔

ساجدہ جب بولی تو اس کے لہجے میں غیر ارادی طور پر پرانے کلاس فیلوز والی اپنائیت اور قدرے بے تکلفی آگئی حالانکہ کالج کے زمانے میں اس کی وجاہت سے کبھی بات تک نہیں ہوئی تھی۔

"تم خواہ مخواہ اپنے ذہن پر زور مت دو.........." وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں یاد نہیں آؤں گی.......... میں بہت غیر نمایاں سی لڑکی تھی.......... ساجدہ نام ہے میرا.........."

دفعتاً وجاہت کی سیاہ آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے پرجوش لہجے میں بولا.......... "اب تم میری یادداشت کو اتنا معمولی بھی نہ سمجھو.......... میرا حافظہ قیامت کا ہے.......... گو کہ کلاس میں کبھی ہمارے درمیان بات بھی نہیں ہوئی.......... اور اس وقت کی ساجدہ اور آج کی ساجدہ میں زمین و آسمان کا فرق بھی ہے.......... اس کے باوجود میں نے تمہیں پہچان لیا ہے ساجدہ ربانی۔"

ساجدہ کی رگ وپے میں ایک بے عنوان سی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے وجاہت حسین کا اسے پہچان لینا اس کے لئے کوئی اعزاز ہو۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی اور ستائش کے تاثرات زیادہ گہرے ہوگئے تھے.......... بلکہ چند لمحے کے لئے تو وہ گویا مبہوت سا ہوگیا تھا۔

"یہ میں رسماً نہیں کہہ رہا.........." وہ ایک قدم اور آگے آگیا اور گاڑی کے بڑے

ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے جسم سے ایک عجیب سی مہک پھوٹ رہی تھی.......... ساجدہ کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کسی کلون یا باڈی اسپرے کی خوشبو نہیں تھی.......... وہ کوئی بہت ہی عجیب فطری سی خوشبو تھی۔

ایک لمحے کے توقف سے وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا.......... ”یقین کرو.......... میں رسماً نہیں کہہ رہا.......... واقعی اتنے برسوں بعد تمہیں دیکھ کر دلی خوشی ہوئی ہے.......... میں منہ پھٹ اور بے تکلف انسان ہوں.......... لیکن اس وقت گویا الفاظ میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا کن لفظوں میں خوشی کا اظہار کروں.......... دوسرے کلاس فیلوز بھی.......... لڑکے بھی، لڑکیاں بھی.......... زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ٹکراتے رہے ہیں۔ ان سے مل کر بھی خوشی ہوئی ہے.......... لیکن جتنی خوشی آج تمہیں دیکھ کر ہو رہی ہے اتنی کبھی نہیں ہوئی..........“

وہ بلا کا لفاظ تھا۔ ساجدہ کو شبہ تھا کہ اس نے یہ الفاظ پہلے بھی نہ جانے کتنی لڑکیوں سے کہے ہوں.......... لیکن اس کے باوجود اس کا یقین کرلینے کو جی چاہ رہا تھا۔ اسے اس کے لہجے میں خلوص کی مٹھاس اور صداقت کی دلکشی محسوس ہو رہی تھی۔

تاہم وہ اپنے شبہے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکی۔ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”اس سے پہلے بھی ہر کلاس فیلو لڑکی سے تم نے یہی کہا ہوگا..........“

”ہرگز نہیں..........“ وہ تیزی سے بولا.......... ”اس میں شک نہیں کہ تم جیسی لڑکیوں کی نظر میں میری ریپوٹیشن کالج کے زمانے میں کچھ اچھی نہیں رہی ہوگی.......... لیکن یہ مت بھولو کہ وہ نوعمری کا زمانہ تھا.......... ایک چلبلاپن تھا مجھ میں.......... سیماب صفت تھا میں.......... میری بیشتر باتوں میں کچھ زیادہ صداقت نہیں ہوتی تھی.......... لیکن اب میں ایک پختہ العمر' میچور مرد ہوں۔ میری بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے..........“

”عمر خواہ کچھ بھی ہو جائے، فطرت تو نہیں بدلتی نا.......... بلکہ بعض عادتیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتی جاتی ہیں..........“ ساجدہ بولی۔

”عادات کی بات کچھ اور ہوتی ہے.......... میں معیارات کی بات کر رہا ہوں.......... معیار اور نقطۂ نظر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا چلا جاتا ہے۔ عمر کا کوئی دور ہوتا ہے کہ چرب زبانی سے کام لینا اور ہر کسی کے دل میں جلد گھر کرلینا بہت اچھا عمل محسوس ہوتا ہے.......... بہت لطف آتا ہے اس میں.......... لیکن پھر کوئی دور آتا ہے جب یہ ساری باتیں فضول لگتی ہیں.......... خواہ مخواہ کی بک بک.......... نہ کچھ حاصل نہ وصول.......... انسان سمجھتا ہے میں بہت فائدے میں ہوں.......... لیکن درحقیقت وہ خسارے میں ہوتا ہے۔ کلی کلی منڈلانے والے بھونرے کے حصے میں صرف رسوائی آتی ہے.......... کسی کا خلوص نہیں.......... وقت گزرنے کے ساتھ

ساتھ انسان کو خود ہی سمجھ آتی چلی جاتی ہے.......... معیار اور نقطۂ نظر بدلتے چلے جاتے ہیں.......... تم نے لڑکیوں کو نہیں دیکھا؟ سولہ سال کی عمر میں رونے دھونے والے شعر جمع کرتی ہیں.......... لچکتا مٹکتا' اور ایک جھٹکے سے بالوں کو پیشانی پر لانے والا فلمی ہیرو ان کے خوابوں کا شہزادہ ہوتا ہے.......... لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ.......... دو چار بچے پالنے کے بعد یہ باتیں یاد نہیں رہتیں.......... معیار بدل جاتے ہیں.......... پسند ناپسند بدل جاتی ہے..........“

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی زبان اب بھی پہلے ہی جیسی' بلکہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ روانی سے چلتی تھی ایک لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے.......... غیرارادی طور پر مسکراتے رہے۔

پھر وہ دھیمے اور بدلے بدلے سے لہجے میں بولا.......... ”مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ساجدہ۔“

”لو.......... بھلا میرا تم کو پہچان لینا کون سی انوکھی بات تھی..........“ ساجدہ استہزائیہ سے لہجے میں بولی.......... ”تم تو اتنے مشہور تھے.......... سب کے مرکز نگاہ تھے.......... میں نے تمہیں پہچان لیا تو کیا کمال کیا.......... اصل حیرت کی بات تو یہ ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا.......... میں جو ”نوباڈی“ تھی..........“

”کون کہتا ہے تم نوباڈی تھیں؟“ وہ جیسے حیرت سے چونک کر بولا۔

”پوری کلاس ہی کہتی تھی.......... یا کم از کم دل میں تو ضرور سمجھتی تھی۔“ ساجدہ قدرے تلخ سے انداز میں ہنس کر بولی۔

”لوگ بہت کم نظر.......... بہت کوتاہ بین ہوتے ہیں.......... اور پھر کچھ وہ عمر بھی ایسی ہوتی ہے.......... لیکن میں تمہیں سچ سچ بتاؤں.......... تم یقین کرو یا نہ کرو..........“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرایا.......... ”تم مجھے اس وقت بھی بہت اچھی لگتی تھیں.......... سب سے الگ.......... سب سے مختلف.......... سفید چادر کے حلقے میں گھرا ہو تمہارا وہ ملیح چہرہ.......... کسی انجانی سوچ میں ڈوبی ہوئی وہ گہری گہری آنکھیں جو کسی کی طرف بھی توجہ سے نہیں دیکھتی تھیں.......... بس کتابوں اور کالج فائل میں الجھی رہتی تھیں.......... بہت افسانوی سی لگتی تھی تمہاری شخصیت.......... ان دنوں زنانہ افسانوں کی ہیروئن عموماً اسی طرح کی ہوا کرتی تھی..........“

”میں..........؟ افسانوی سی شخصیت؟“ وہ خود استہزائی کے سے انداز میں ہنس دی اور کئی لمحے تک ہنستی ہی رہی.......... مگر یہ ہنسی دل پر کچھ خراشیں سی ڈال رہی تھی۔ ہنسی تھمی تو وہ حلق میں پھیلتی ہوئی کڑواہٹ سی نگلتے ہوئے بولی۔ ”یہ میرے لئے ایک انکشاف ہے کہ میں اس وقت کسی کو افسانوی شخصیت بھی نظر آسکتی تھی.......... میں تو غربت اور احساس کمتری کی

ماری ہوئی لڑکی تھی.......... گھریلو مسائل کے احساس سے پژمردہ.......... ہروقت ایک انجانے بوجھ تلے دبی ہوئی.......... اور شاید غلطی سے داخلہ مجھے ایسے کالج میں مل گیا تھا جہاں اکثریت کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے لڑکیوں کی تھی.......... اس لئے میں کچھ اور سکڑ سمٹ کر رہ گئی تھی.......... میں بہت دور سے.......... بس میں آتی تھی۔ رش میں جوتے کچلتے جاتے تھے' مٹی میں لتھڑ جاتے تھے۔ یونیفارم شکن آلود ہو جاتا تھا.......... میں بڑی سی چادر میں جسم کے نشیب وفراز ہی نہیں' یونیفارم کی شکنیں اور میلی انگلیوں کے نشانات بھی چھپاتی تھیں.......... تم تو اس وقت بھی سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار میں آیا کرتے تھے.........."

"شاید.........." وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولا.......... "میری نظر میں ان چیزوں کی اس وقت بھی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی.......... میں بے شک نوعمر تھا۔ ناپختہ ذہن کا مالک تھا لیکن اس چیز پر میں اس وقت بھی کوئی توجہ نہیں دیتا تھا کہ کس کا سوشل اسٹیٹس کیا ہے.......... تمہیں شاید یاد ہو میں کبھی کسی کی ان باتوں سے متاثر نہیں ہوتا تھا کہ اس کے پاس کون سی کار ہے' وہ کہاں رہتا ہے یا اس کا باپ کیا کرتا ہے.......... اور نہ ہی میں نے کبھی اپنی ان باتوں سے کسی دوسرے کو متاثر کرنے کی کوشش کی تھی.........."

ساجدہ نے ذہن پر زور دیا.......... وجاہت کا واقعی کوئی اس قسم کا چھچھورہ پن اسے یاد نہیں آیا.......... اس نے اب بھی ساجدہ کی بیش قیمت کار' اس کے جدید اور فیشن ایبل لباس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی تھی۔ وہ تو بس جیسے اس کی شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا.......... "بلکہ میں دوسروں کی نظر میں اہمیت حاصل کرنے کے لئے محنت کرتا تھا.......... اسپورٹس میں حصہ لیتا تھا.......... پڑھائی میں بھی آگے رہتا تھا.......... میرے نزدیک یہ قطعاً کوئی کوالیفیکیشن نہیں تھی کہ میں ایک کھاتے پیتے باپ کا بیٹا تھا.........."

"مجھے تمہاری بات کا یقین آگیا.........." ساجدہ بولی.......... "شاید اسی لئے میں تمہیں یاد رہ گئی ہوں.......... ورنہ کئی بار ایسا اتفاق ہوا ہے کہ میری کوئی کلاس فیلو لڑکی یا لڑکا کہیں اچھی طرح مجھے دیکھتا ہوا گزرا.......... لیکن کبھی کسی نے مجھے نہیں پہچانا.........."

"میں تمہیں سچی بات بتاؤں.........." وجاہت حسین کے لہجے میں ہلکا سا شرمیلا پن آگیا جو ساجدہ کے لئے ایک نئی اور غیر متوقع سی چیز تھی.......... "بالکل سچی بات.......... تم یقین کرو یا نہ کرو.......... میں اس زمانے میں تم سے بہت امپریس تھا.......... میرا دل چاہتا تھا تم سے بات کرنے کروں.......... چوری چوری تمہاری طرف دیکھتا بھی تھا.......... لیکن بات کرنے کی تو کیا' سیدھی طرح دیکھنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی تھی.......... تم کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگتی تھیں.......... ایسا لگتا تھا کہ میں نے ذرا تم سے کچھ کہا' اور تم فوراً میری شکایت لے کر کسی

پروفیسر یا پرنسپل کے پاس چلی جاؤگی.......... اور وہ کم از کم تمہاری بات پر سخت ایکشن لیں گے۔ کھڑے پیروں مجھے کالج سے نکال دیں گے.......... صرف تمہارے معاملے میں ایسا محسوس ہوتا تھا.........."

وہ دھیمے' ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بات کر رہا تھا.......... اور ساجدہ کا دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا.......... دھڑکنیں تو تیز ہوتی ہی جارہی تھیں لیکن دل میں ایک عجیب سا گداز بھی جاگ اٹھا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ بدن کے ریشے ریشے میں ایک عجیب ارتعاش تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی گوشہ تنہائی میں جاکر' دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر پھوٹ کر رونے لگے۔

کیا خوش قسمتی کبھی کبھی یوں بھی دبے پاؤں انسان کے قریب سے گزر جاتی ہے اور اسے گماں تک نہیں ہوتا ہے؟ وہ بس آنکھیں بند کئے تہی دست کا تہی دست آگے بڑھتا چلا جاتا ہے؟ یہ تو بڑی ہی ستم ظریفی تھی.......... خون کے آنسو رلادینے والی!

بظاہر وہ جھیل کی طرح پرسکون رہی.......... جس کی اسے بہت مہارت ہوچکی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔

جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ بولے گی تو اس کی آواز میں ارتعاش یا لرزش نہیں ہوگی' تب اس نے مسکراتے ہوئے کہا.......... "چھوڑو ان باتوں کو.........." ماضی کے کھنڈروں کو کریدنے..........یادوں کے مزاروں پر سر پھوڑنے سے کیا فائدہ.........."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا.........."ماضی کے کھنڈروں میں ہی تو سارے قیمتی دفینے ہوتے ہیں.......... کیا تمہیں ماضی اچھا نہیں لگتا؟"

ماضی میں خواہ کوئی کشش نہ ہو لیکن ایک میٹھی سی کشش ضرور ہوتی ہے جو دل کو اچھی لگتی ہے.......... ساجدہ کو بھی وہ اچھی محسوس ہوتی تھی.......... لیکن جب وہ ماضی کی ناہمواریوں' ناگواریوں اور محرومیوں کے بارے میں سوچتی تھی تو ان کا پلڑا بھاری محسوس ہوتا تھا۔

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی.......... "نہیں.......... میرے ماضی میں کوئی ایسی کشش نہیں.......... تم حال کی بات کرو.......... کہاں رہ رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ شادی تو کرلی ہوگی؟"

وہ مربیانہ سے انداز میں مسکرایا اور جس پتھر سے اتر کر آیا تھا' اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا.......... "وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں.......... وہاں سے سمندر کا نظارہ بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ میں تو روزانہ اسی وقت بڑی باقاعدگی سے کچھ دیر کے لئے اسی پتھر پر آکر بیٹھتا ہوں.......... تم بھی شہر سے اتنی دور یقیناً سکون اور تنہائی کی تلاش میں آئی ہوگی.......... سمندر کا نظارہ کرنے کے لئے آئی ہوگی.......... شہر کے ہنگاموں سے کبھی کبھی ضرور دل گھبرانے لگتا ہے.........."

ساجدہ ایک لمحے کے لئے ہچکچائی پھر بے پروا سی ہو کر اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے بولی......... "ہاں......... کبھی کبھی شہر بس انسانوں کا ایک جنگل محسوس ہوتا ہے......... اردگرد جتنے زیادہ انسان' اتنی ہی زیادہ تنہائی........." اس نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے چاروں طرف اشارہ کیا......... "پھر ایسے ویرانے میں آ کر تنہائی دور ہوتی ہے......... کیونکہ ایسے پرسکون ماحول میں آکر اپنے اندر جھانکنے کا موقع ملتا ہے......... اپنے آپ سے ملاقات ہوتی ہے........."

"اور کبھی کبھی پرانے ساتھیوں سے بھی........." وجاہت نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

"ہاں......... اگر قسمت بہت اچھی ہو........." ساجدہ بولی۔

پتھروں کے قریب پہنچ کر ساجدہ کو معلوم ہوا کہ سب سے بڑے پتھر کو جس زاویے سے وہ دیکھ رہی تھی وہاں سے اس کی ساخت کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو درحقیقت کئی گز لمبی دیوار کی طرح تھا۔ دونوں طرف سے کھردرا اور ناہموار تھا لیکن اوپر سے اس کی سطح اتنی ہموار اور صاف تھی جیسے اسے باقاعدہ تراشا اور پالش کیا گیا ہو۔ اوپر سے دیکھنے پر وہ ایک بہت بڑی ڈائننگ ٹیبل سے مشابہ معلوم ہو رہا تھا۔ شام کے سورج کی دھوپ اس پر یوں پڑ رہی تھی جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اس پر کمال مہارت سے سونے کا سا رنگ چڑھا دیا ہو۔

پتھر کی وہ دیوار خاصی اونچی تھی لیکن وجاہت یوں اچک کر اس پر بیٹھ گیا جیسے اس کا وجود ہوا کے جھونکے کی طرح سبک ہو......... ساجدہ ایک دوسرے پتھر پر کھڑی اس کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسے گویا ساجدہ کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔

بیٹھنے کے بعد اس نے ساجدہ کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ہلکی سی ندامت کے آثار نمودار ہوئے......... "ارے......... میں تو بھول ہی گیا تھا کہ یہ اونچائی تمہارے لئے خاصی زیادہ ہے......... آہ بے چاری صنف نازک!؟"

اس نے سہارا دینے کے لئے بلا جھجک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ساجدہ ایک لمحے کے لئے ہچکچائی......... کیا وہ اس کا ہاتھ تھام لے؟ آخر اس نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا......... اب ایسی بھی کیا بات تھی......... کون سی قیامت ٹوٹ رہی تھی.........

اس نے ہاتھ تھام لیا۔ اس کا خیال تھا کہ ہاتھ کا سہارا لینے کے باوجود اسے کھردری دیوار پر کہیں پاؤں جمانا پڑے گا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس کے پیروں میں ہانگ کانگ کے ہلکے پھلکے جوتے تھے......... لیکن دیوار پر پاؤں ٹکانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

چشم زدن میں اس نے اپنے آپ کو ہموار سطح پر بیٹھے پایا۔ وجاہت کے مضبوط ہاتھ میں جیسے کوئی عجیب سی طاقت پنہاں تھی جس نے اس کے وجود کو بھی کسی پرندے کے پر کی طرح ہلکا بنا دیا تھا اور نہایت آسانی سے اٹھا کر پتھر کی دیوار پر ٹکا دیا تھا۔ ہاتھوں کے اس ایک لمحے کے اتصال سے اس کی رگ وپے میں بجلی سی دوڑ گئی تھی۔ اس نے اپنے کانوں کی لویں تپتی

محسوس کیں۔

اس کی دھڑکنیں اعتدال پر آئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ جگہ بیٹھنے اور سمندر کا نظارہ کرنے کے لئے واقعی لاجواب تھی......... تاحد نظر سمندر......... اور دور......... بہت دور نمودار ہوتی ہوئی شفق کی سرخی......... وہ گویا کسی اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ دیوار کے دوسری طرف پانی تھا۔

ساجدہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دیوار کے دوسری طرف پانی تھا......... اور یہاں کنارے پر ہی پانی بہت گہرا تھا......... لیکن تھا اتنا شفاف کہ تہہ میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بھی تیرتی ہوئی بالکل صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ یہاں کافی دور تک سمندر' سمندر کے بجائے ایک گہری شفاف جھیل معلوم ہو رہا تھا۔

"حیرت ہے.........! یہاں کنارے پر ہی پانی اتنا گہرا ہے........." ساجدہ حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک لمحے کے لئے تو اسے خوف بھی محسوس ہوا تھا کیونکہ وہ پانی کے عین اوپر ہی ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی......... لیکن پھر وجاہت کی موجودگی کے احساس سے اس کا خوف دور ہو گیا تھا۔ اور وہ بچوں کی طرح ٹانگیں ہلانے لگی تھی۔

"دراصل یہ چھوٹی سی جگہ ایک طرح سے سمندر کا روایتی کنارہ نہیں ہے........." وجاہت بولا "یہ ایک لمبی سی کھائی ہے۔ جس میں سمندر کا پانی آکر بھر گیا ہے......... یوں یہ سمندر سے جڑ گئی ہے......... کہیں کہیں ایسی کھائیاں قدرتی طور پر بن جاتی ہیں......... اور کہیں کہیں پرانے وقتوں میں انسان بھی مختلف مقاصد کے لئے کھدائی کر کے اس طرح کی کھائیاں تیار کر لیتے تھے........." اس کے لہجے میں یوں یکدم سنجیدگی اور متانت آگئی تھی جیسے بحری علوم کا کوئی پروفیسر اپنے شاگرد کے سامنے لیکچر شروع کرنے لگا ہو۔

لیکن پھر جیسے اس نے اس موضوع کو وہیں چھوڑ دیا اور گرد و پیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا......... "خوبصورت جگہ ہے نا یہ؟"

ساجدہ نے نہایت آہستگی سے گردن گھماتے ہوئے چاروں طرف دیکھا پھر ایک طویل سانس لے کر خنک اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں جذب کی......... اس کی رگوں میں جیسے نشہ سا بھر گیا۔

"بے شک......... بہت خوبصورت جگہ ہے........." وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ ایک بار پھر اس نے جھک کر پانی میں دیکھا......... پانی کی تہہ میں چھوٹی چھوٹی عام مچھلیاں ہی نہیں' بہت سی رنگین مچھلیاں بھی تھیں جیسی عموماً ایکیوریم وغیرہ میں نظر آتی ہیں۔

دفعتہً اسے یاد آیا کہ اس نے وجاہت سے اس کے حالات کے بارے میں کچھ پوچھا تھا......... مگر وہ جواب دینے کے بجائے اسے یہاں لے آیا تھا۔ وہ اپنا سوال دہرانے کا ارادہ ہی

کر رہی تھی کہ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وجاہت اچانک ہی اپنی جگہ سے اچھلا تھا اور ہوا ہی میں ایک لمبی چھلانگ لگاتے ہوئے اس نے گہرے پانی میں چھلانگ لگا دی تھی..........!!

ساجدہ حیران پریشان سی بیٹھی رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وجاہت کو یوں بیٹھے بٹھائے سمندر میں چھلانگ لگانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ پانی میں اتنی ہلچل پیدا ہو چکی تھی کہ وہ فی الحال اسے دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی۔

آخر پانی میں کچھ سکون ہوا تو ساجدہ نے دیکھا وہ زیرِ آب ہی لہراتا ہوا واپس آرہا تھا۔ وہ سطح آب سے نیچے تیر رہا تھا مگر تیرنے کے لئے اسے ہاتھ پاؤں ہلانے تک نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ بس لہراتا ہوا چلا آرہا تھا۔ لہرانے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس کے جسم میں ہڈیاں برائے نام ہوں.......... اور شفاف پانی میں اس کی سرخ وسفید رنگت بھی گویا بدل کر رہ گئی تھی۔ وہ صرف سفید ہی سفید لگ رہا تھا۔

ساجدہ کو اس کے لئے فوری طور پر جو تشبیہ سوجھی وہ ہاتھی دانت کے مجسمے کی تھی۔ ایک ایسا مجسمہ جس میں قدرت نے ربڑ جیسی لچک پیدا کردی تھی۔ ساجدہ نے یہی سمجھا کہ شاید پانی کی وجہ سے رنگت کا تاثر کچھ بدل کر رہ گیا تھا۔

وہ پتھر کی دیوار سے چند فٹ کے فاصلے پر رہ گیا تو پانی ہی میں سیدھا کھڑا ہوا اور یکدم جیسے کسی غیبی قوت نے اسے اچھال کر دیوار پر پہنچا دیا۔ پانی سے اس انداز میں اتنی لمبی چھلانگ لگا کر اور ہوا ہی میں گھوم کر پتھر کی دیوار پر اس طرح اطمینان سے آبیٹھنا ساجدہ کے خیال میں تقریباً ناممکن تھا.......... وہ دم بخود سی ہو کر رہ گئی تھی۔

مانا کہ وجاہت بہت اچھا تیراک تھا۔ ساجدہ کو یاد تھا کہ کالج کے زمانے میں اس کی تیراکی کے قصے مشہور تھے.......... مگر یہ تو تیراکی سے بڑھ کر کوئی چیز تھی۔ ساجدہ کو یقین تھا کہ بڑے سے بڑا تیراک بھی یہ طور طریقے اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا چھلانگ لگانے‘ تیرنے اور پھر پانی سے باہر آنے کا یہ انداز نہیں ہوسکتا تھا.......... اور نہ ہی پانی میں جانے کے بعد کسی کی رنگت اتنی مختلف نظر آتی تھی۔ پانی سے باہر آتے ہی وجاہت کی رنگت بالکل پہلے ہی کی طرح سرخ وسفید دکھائی دینے لگی تھی.......... اور اس کے جسم کو دیکھ کر بھی شبہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ پانی میں اس طرح لہریئے کھا سکتا ہوگا جس طرح ساجدہ نے چند لمحے پہلے اسے کھاتے دیکھا تھا۔ درحقیقت کچھ دیر کے لئے وہ ساجدہ کو بالکل کوئی سمندری مخلوق دکھائی دیا تھا۔

دفعتاً اس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے کیا اور ساجدہ کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ پتھر کی چکنی سطح پر تیزی سے کچھ پیچھے کھسک گئی۔

دراصل وجاہت کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا کیکڑا لٹکا ہوا تھا۔ وہ کم از کم ڈیڑھ فٹ لمبا اور

ایک فٹ چوڑا تھا۔ ساجدہ نے زندگی میں اتنا بڑا کیکڑا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت مکروہ سا لگ رہا تھا لیکن وجاہت نہایت اطمینان سے اسے ایک ٹانگ سے پکڑے جھولا جھلا رہا تھا۔

کیکڑا دھیرے دھیرے اپنا خوفناک سا منہ کھول رہا تھا اور بند کر رہا تھا۔ باقی ٹانگوں کو بھی وہ کبھی موڑتا اور کبھی سیدھی کرتا تھا۔ شاید وہ اپنا نوکیلا سا منہ وجاہت کے ہاتھ تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وجاہت اسے اس مشاقی ومہارت سے جھولے دے رہا تھا کہ کیکڑا اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ وجاہت قدرے فاتحانہ سے انداز میں ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”تم نے اسے پکڑنے کے لئے اتنی پریشانی کے عالم میں سمندر میں چھلانگ لگائی تھی؟“ ساجدہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

”ہاں..........“ وجاہت نے بڑے اطمینان سے تسلیم کیا۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت نظر آرہی تھی.......... ”یہ بڑا بدمعاش جانور ہے.......... پانی کے بہت سے جانور ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے تم لوگوں کی فلموں میں ولن.......... اور یہ ان میں سے ایک ہے..........“

ساجدہ دل ہی دل میں قدرے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وجاہت کے جملے پر اس کی توجہ چلی گئی تھی۔ اس نے کہا تھا.......... ”تم لوگوں کی فلموں میں..........“ انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ اپنے آپ کو اس سوسائٹی کا حصہ نہ سمجھتا ہو جس میں ساجدہ رہ رہی تھی۔ تاہم اس نے اپنے اس تاثر کا اظہار نہیں کیا اور وجاہت کی طرف متوجہ رہی۔

وہ کہہ رہا تھا.......... ”یہ شیطان صفت کیکڑا کافی گہرے پانی میں ریت کے نیچے چھپا ہوا تھا..........“ اس نے خالی ہاتھ سے دور ایک طرف اشارہ کیا۔ ”اس نے ابھی ریت کے نیچے سے سر نکالا ہی تھا کہ میں نے اسے دیکھ لیا۔“

ساجدہ ایک بار پھر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جس طرف وہ اشارہ کر رہا تھا ادھر تو پانی اور بھی زیادہ گہرا تھا اور شاید اتنا شفاف بھی نہیں تھا۔ کم از کم اتنے فاصلے سے تو پانی صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا.......... چہ جائیکہ اس کی تہہ میں کسی چیز کا نظر آنا..........

”تم نے اتنی دور سے اسے پانی کی تہہ میں‘ ریت سے سر نکالتے دیکھ لیا..........؟“ ساجدہ کہے بغیر نہ رہ سکی.......... ”جبکہ مجھے تو یہاں سے پانی کی تہہ ہی نظر نہیں آرہی..........؟“

”اب تمہاری اور میری نظر کا مقابلہ تو نہیں ہوسکتا نا..........“ وجاہت نے گویا ازراہ مذاق کہا اور قہقہہ لگایا.......... لیکن نہ جانے کیوں ساجدہ کو یہی محسوس ہوا کہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی.......... اس کی نظر سے ساجدہ کی نظر کا واقعی کوئی مقابلہ نہیں تھا..........

حالانکہ ساجدہ کی نظر ذرا بھی کمزور نہیں تھی۔ ابھی پچھلے دنوں ہی اسے ذرا سے سر درد کی شکایت رہنے لگی تو اس نے ڈاکٹر کے مشورے پر آئی اسپیشلسٹ سے نظر چیک کرائی تھی۔ اس

کی نظر بالکل ٹھیک تھی۔ سر درد ان دنوں کام کی زیادتی اور نیند کی کمی کی وجہ سے تھا۔

وجاہت حسین بدستور کیکڑے کو جھولا دیتے ہوئے کہہ رہا تھا........ "یہ ابھی ریت سے باہر آکر ننھی ننھی رنگیں مچھلیوں کو کھاتا........ یا یونہی بے مقصد چبا چبا کر پھینکنا شروع کر دیتا........ اسے جب بھوک نہیں ہوتی تب بھی اس کا یہی مشغلہ ہوتا ہے........ جب کوئی جاندار شکم سیر ہو تو اسے کسی بھی دوسرے جاندار یا بے جان چیز کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے........"

"مجھے نہیں معلوم تھا تم کیکڑوں کی اخلاقیات کے بارے میں اتنے حساس ہو........" ساجدہ استہزائیہ سے لہجے میں بولی........ "مجھے کیکڑوں........ بلکہ شاید کسی بھی قسم کے جانوروں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں........ انسان کی ساری زندگی تو انسانوں ہی کو سمجھنے میں گزر جاتی ہے۔ اور پھر بھی وہ کچھ نہیں جان پاتا........ انسانوں سے فرصت ملے تو انسان، جانوروں کی طرف کچھ توجہ دے........"

"مذاق اڑا رہی ہو........ اور پرانا فلسفہ بول رہی ہو........" وجاہت مسکراتے ہوئے بڑے تحمل سے بولا........ "لیکن میں صرف کیکڑوں کی بات نہیں کر رہا تھا........ یہ تو ایک مثال تھی........ میں تو ایک آفاقی اصول کی بات کر رہا تھا........ بقائے باہمی کے کچھ آفاقی اصول ہونے چاہئیں........ اور ان پر عملدر آمد کا کوئی بندوبست ہونا چاہئے........"

"اوہ........ فارگاڈسیک........" ساجدہ نے اشارے کی حد تک دونوں کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا........ "اتنی اونچی باتیں مت کرو........ کہیں میرے سر میں درد نہ شروع ہو جائے........ تم آفاقی اصولوں کی بات کرتے ہو۔ یہاں محلے کی سطح تک کوئی اصول نہیں چلتا........ مثال کے طور پر محلے میں ایک جگہ بنائی جاتی ہے کہ کوڑا یہاں پھینکا جائے، جگہ جگہ نہیں بکھیرا جائے گا........ لیکن کوئی اس اصول کی پابندی نہیں کرتا........ اب بتاؤ کون سی ایسی طاقت ہے جو آکر ان سے اس اصول کی پابندی کرائے؟ اس طرح بین الاقوامی سطح اور بین الاقوامی مسئلوں کی بات ہے۔ بڑے ملک چھوٹے ملکوں کو نگل جاتے ہیں........ مختلف انداز کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں........ اور یو این او میں قراردادیں ادھر سے ادھر ہوتی رہتی ہیں........ لاکھوں انسان تہ تیغ ہو جاتے ہیں........ لاکھوں انسان زندانوں اور عقوبت خانوں میں سسکتے ہیں........ ہم ان کے لئے کاغذ کے انبار سیاہ کرنے کے سوا کیا کرتے ہیں؟ یا دنیا کیا کرتی ہے؟ بین الاقوامی ٹھیکیدار کیا کرتے ہیں؟ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا........ یا شاید کرنا نہیں چاہتا........ اور تم آفاقی اصولوں کی بات کر رہے ہو........" وہ استہزائیہ سے انداز میں گردن کو جھٹکا دے کر خاموش ہوگئی۔

"ہاں........ میں انہی حوالوں سے تو بات کر رہا تھا........" وہ یکدم پرجوش سے لہجے

میں بولا........ "یہی سب کچھ تو ہو رہا ہے تمہاری دنیا میں........ میں تمہیں یہی تو بتانا چاہ رہا تھا........" پھر وہ یکدم ہی خاموش ہوگیا۔ جیسے اسے احساس ہوگیا ہو کہ بحث لمبی ہو جائے گی........ یا پھر شاید اس کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا ہو جو نہیں نکلنا چاہئے تھا۔

ساجدہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ اس نے ایک بار پھر "تمہاری دنیا" کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ اسے اپنے دل میں کھٹکا محسوس ہوا........ کہیں وہ بھی تو کسی اور ہی دنیا کا نمائندہ تو نہیں تھا؟ کہیں اس کا تعلق بھی عکس ہی کی دنیا سے تو نہیں تھا؟

لیکن پھر اس نے خود ہی اپنے اس خیال کو مسترد کردیا۔ ایک تو اس کی ظاہری شباہت بالکل انسانوں جیسی تھی۔ ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ صرف پانی میں تیرتے وقت اس کی رنگت ذرا مختلف دکھائی دی تھی........ لیکن شاید وہ اس کی نظر کا دھوکا تھا........ اس کے علاوہ وہ ساجدہ کے ساتھ کالج میں پڑھا تھا........ وہ ممتاز، نمایاں اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ضرور تھا لیکن اس میں کوئی ایسی بات ہرگز نہیں تھی جو انسانوں میں نظر نہ آتی۔

تاہم دل ہی دل میں اپنے اس استدلال کے باوجود ساجدہ نے پوچھ ہی لیا........ "تم نے دو مرتبہ الزام کے سے انداز میں "تمہاری دنیا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں........ مانا کہ آج کی اس دنیا کی حالت کچھ ایسی قابل رشک نہیں ہے........ اور گو کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے لیکن پھر بھی میں اس پر شرمندہ ہوں........ مگر کیا یہ تمہاری دنیا نہیں ہے؟"

"ہاں........ ہاں........ کیوں نہیں........ یہ میری بھی دنیا ہے........" وہ گویا سنبھل کر کھسیانے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولا........ "میں تو یونہی مذاق کے طور پر کہہ رہا تھا........ تمہیں چڑا رہا تھا........ اور تم واقعی چڑ گئیں........" تاہم ساجدہ کو اپنے ذہن سے کوئی نامعلوم سا بوجھ ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔

ایک لمحے کی کشیدہ سی خاموشی کے بعد وہ بولا........ "میں تو دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ہمارا زور تو اس کیکڑے پر ہی چل سکتا ہے........ اس لئے ہم اسے ہی ان آفاقی اصولوں کے مطابق سزا دینے کی کوشش کریں جو ابھی دنیا میں رائج نہیں ہیں........"

یہ کہہ کر اس نے اتنی تیزی سے کیکڑے کو ہوا میں گھمانا شروع کردیا کہ ساجدہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے یقین تھا کہ اتنی تیزی سے شاید کوئی مشین بھی کسی چیز کو نہیں گھما سکتی تھی۔ اسے کیکڑا بس ایک بڑے سے گلابی دائرے کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا۔

پھر یکدم ہی وجاہت کے ہاتھ کی حرکت رک گئی۔ یہ بھی ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔ اتنی تیزی سے حرکت ہوئی کوئی مشین اس طرح رک بھی نہیں سکتی تھی........ اور اس کے ساتھ ہی کیکڑے کی ٹانگیں اور گردن الگ ہوگئی۔ درمیان کا موٹا سا گول حصہ الگ ہوگیا۔ کیکڑا یوں ہوا میں بکھر گیا جیسے مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ٹکڑے دور دور جاگرے۔

وجاہت کے ہاتھ میں صرف ایک ٹانگ رہ گئی۔ وہ اتنا بڑا اور طاقتور کیکڑا تھا کہ ساجدہ کا اس کے بارے میں اندازہ تھا کہ اگر وہ اس کی ایک ٹانگ بھی کھینچ کر توڑنے کی کوشش کرتی تو شاید نہ توڑ پاتی.......... لیکن وجاہت نے ایک عجیب ہی ٹیکنیک سے گویا کھیل ہی کھیل میں اس کے ٹکڑے کردیئے تھے۔

وہ ایک لمحے اپنی گرفت میں موجود کیکڑے کی ٹانگ کو دیکھتا رہا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس نے اسے بھی دور پانی میں پھینک دیا اور ساجدہ کی طرف دیکھ کر طمانیت بھرے لہجے میں بولا.......... ”اب چھوٹی مچھلیاں اسے کھائیں گی۔ چھوٹی مچھلیوں کا بھی حق بنتا ہے کہ وہ کبھی بڑی مچھلیوں کو یا دوسرے بڑے جانوروں کو کھائیں.......... یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے کہ بڑی مچھلی ہی چھوٹی مچھلیوں کو کھاتی رہے..........“

”بڑی مچھلی کا چھوٹی مچھلی کو کھا جانا قانون فطرت ہے..........“ ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی.......... ”اور اس قسم کے فطری قوانین میں ٹانگیں اڑانے والے تم جیسے لوگ اس دنیا میں بہت آئے لیکن ایک ذرہ برابر تبدیلی لائے بغیر چلے گئے..........“

وجاہت اب گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ بدلے بدلے اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا.......... ”ساجدہ! میرے اور تمہارے نقطۂ نظر میں فرق سہی.......... لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک ذہین عورت ہو اور میں ذہانت کا بہت بڑا قدرداں ہوں..........“

”شکریہ قدردانی کا..........“ ساجدہ آداب بجالاتے ہوئے بولی.......... ”لیکن چند لمحے پہلے میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا.......... اگر تم اس بارے میں کچھ بتانے کی زحمت کر لیتے تو میں زیادہ شکرگزار ہوتی..........“

”کیا پوچھا تھا تم نے؟“ وہ سادگی سے بولا۔

”یہی کہ آج کل کہاں رہ رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ شادی کی یا نہیں؟“ ساجدہ نے اپنے سوال دہرائے۔

”اوہو.......... تم نے تو ایک دم ہی سوالوں کی بوچھاڑ کردی..........“ وہ سر کھجاتے ہوئے بولا.......... ”بہرحال میں تمہارے سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں.......... رہائش یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے..........“ اس نے واضح طور پر نہیں بتایا کہ وہ کس علاقے میں رہ رہا تھا.......... ”تمہارا دوسرا سوال اگر کاروبار‘ پیشے یا ملازمت وغیرہ کے بارے میں ہے.......... تو سچی بات یہ ہے کہ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا ہوں.......... بس ایک ادارے کے لئے تھوڑا سا سائنسی تحقیق کا کام کر رہا ہوں..........“

”اوہو.......... تو سائنس دان ہوگئے ہو تم؟“ ساجدہ کی آنکھیں قدرے پھیل گئیں۔

”کوئی ایسا باقاعدہ سائنس دان تو نہیں..........“ وہ قدرے شرمیلے سے لہجے میں بولا.......... ”بس یونہی چھوٹے موٹے کام کر رہا ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ دو تین نہایت قابل سائنس دانوں کو اسسٹ کر رہا ہوں..........“

”مگر تم تو آرٹس کے اسٹوڈنٹ تھے..........“ ساجدہ کو یاد آیا۔

”ارے.......... وہ تعلیم وغیرہ کا سلسلہ تو محض شغل کے طور پر تھا.......... درحقیقت تو مجھے ہمیشہ سائنس میں ہی دلچسپی رہی ہے۔ اس کالج سے نکلنے کے بعد میں نے ایک طویل عرصے تک سائنسی موضوعات پر تعلیم حاصل کی تھی.......... بلکہ کچھ عرصے کے لئے میں باہر بھی چلا گیا تھا..........“ اس نے بتایا.......... مگر اس کا لہجہ کچھ مبہم سا تھا۔ انداز کچھ گول مول سی بات کرنے کا تھا۔

وہ ایک لمحے خاموش رہا تو ساجدہ بولی.......... ”سب سے اہم سوال تو رہ ہی گیا.......... شادی کے متعلق..........؟“

”شادی میں نے نہیں کی.......... یا یوں سمجھ لو کہ ہو نہیں سکی..........“ وہ سر جھکائے ہوئے بولا.......... یہ بات تو ساجدہ کے لئے تقریباً ناقابل یقین ہی تھی.......... ایک کھاتے پیتے گھر کے وجیہہ تعلیم یافتہ اور ذہین لڑکے کی شادی میں بھلا کیا رکاوٹ ہوسکتی تھی؟

وہ خود ہی وضاحت کرتے ہوئے بولا.......... ”جس کالج میں تم میرے ساتھ تھیں‘ اسی میں اپنے سے ایک کلاس سینئر ایک لڑکی مجھے اچھی لگی تھی.......... اس کے گھر رشتے کا پیغام بھجوایا.......... لیکن لڑکی نے انکار کردیا..........“

”اوہ.......... کیا بہت اونچی چیز تھی وہ؟“ ساجدہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

”یہی سمجھ لو.......... میرا مطلب ہے وہ کسی بہت بڑے باپ کی بیٹی تو نہیں تھی لیکن اس کی اپنی ایک شخصیت تھی.......... کوئی نظریۂ حیات تھا اور وہ اپنے نقطۂ نظر کے لئے لڑنا جانتی تھی.......... وہ محض ایک سماجی ذمے داری پوری کرنے کے لئے شادی برائے شادی کرنا نہیں چاہتی تھی..........“ وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

”لیکن تم سے شادی کی حسرت میں تو بہت سی اچھی اچھی لڑکیاں مری جا رہی تھیں.......... میں اس زمانے میں ایک لڑکی ہونے کے ناتے ان کے دل کا حال کافی اچھی طرح جانتی تھی..........“ ساجدہ بولی۔

”درست ہے.......... لیکن وہ لڑکی ان سے بہت مختلف تھی.......... میں نے کہا نا کہ جو لوگ زندگی کے کسی بھی معاملے میں کوئی نظریہ رکھتے ہیں.......... جو کسی بھی اعتبار سے نظریاتی ہوتے ہیں وہ ذرا ٹیڑھے سے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ہر سانچے میں ڈھل جانے والے‘ ہر قدم پر سمجھوتا کر لینے والے لوگ نہیں ہوتے۔ وہ کبھی عام یا سپاٹ لوگوں جیسے نہیں بن جاتے خواہ

انہیں کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے..........''

''آخر اسے اعتراض کیا تھا؟'' ساجدہ نے پوچھا۔

''واضح طور پر تو نہیں.......... لیکن میں نے اڑتی اڑتی سی بات سنی تھی.......... اس سے براہ راست میری کبھی بات نہیں ہو سکی۔ اس کا کہنا تھا کہ لڑکا کچھ ہرجائی سا ہے.......... تھالی کے بینگن کی طرح ہے.......... اس کا کوئی معیار' کوئی پسند ہی نہیں.......... جہاں بھی ذرا سی خوش شکل اور شوخ لڑکی دیکھتا ہے اسی طرف کو لپک پڑتا ہے۔ ایسے لوگ زندگی بھر ناقابل اعتبار رہتے ہیں۔ میں ایسے لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی۔

ایک لمحے بوجھل سا سکوت طاری رہا۔ سمندر کی لہروں کا شور اور ساحلی پرندوں کی آوازیں بھی گویا اسی سکوت کا ایک حصہ لگتی تھیں۔ ساجدہ نے ہی یہ سکوت توڑا اور پوچھا.......... ''تمہیں دکھ تو بہت ہوا ہوگا؟''

''نہیں.......... نہیں.......... ایسی کوئی بات نہیں..........'' وہ جلدی سے بولا.......... ''جو تم سمجھ رہی ہو ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے صدمہ نہیں ہوا تھا البتہ حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ جیسے کسی ہموار سڑک پر تیز رفتاری سے جاتی ہوئی گاڑی کے سامنے اچانک کوئی اسپیڈ بریکر آجائے۔ میں پہلی بار اپنے طرز عمل کے بارے میں غور کرنے پر مجبور ہوا۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ مجھے بھی ٹھکرایا جا سکتا ہے..........''

وہ عجیب سے انداز میں ہنسا.......... ''اس کے بعد ہی تو میرے رویے میں تبدیلی آئی۔ میں یکدم ہی سنجیدہ ہو گیا.......... تم تو چلی گئی تھیں.......... میں بھی دوسرے کالج میں چلا گیا تھا اور ہماری دوبارہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی.......... لیکن اگر تم کچھ عرصے بعد مجھے دیکھتیں تو حیران رہ جاتیں.......... مجھ جیسا سیریس اسٹوڈنٹ تمہیں شاید پورے کالج میں نہ ملتا..........''

''اور اس کے بعد تم نے آج تک شادی ہی نہیں کی..........'' ساجدہ مسکرائی۔ ''اس کا مطلب ہے چوٹ دل پر لگی تھی.......... اور گہری لگی تھی۔ بھول نہیں پائے۔ بہت ہی شدید رد عمل ہوا۔''

''نہیں.......... نہیں..........'' وجاہت نے ایک بار پھر پرزور لہجے میں تردید کی.......... ''شادی تو بس ادھر ادھر بے کار چکروں میں الجھے رہنے کی وجہ سے نہیں کر سکا۔ اس واقعہ نے تو مجھے کوئی چوٹ وغیرہ نہیں لگائی تھی۔ میں تو اسے بھول بھی گیا تھا۔ یہ تو تم نے موضوع چھیڑا تو مجھے یاد آگیا.......... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس طرح کے مدوجزر تو زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں.......... تم میرے بخیے ادھیڑنا چھوڑو۔ کچھ اپنی سناؤ.......... تمہارے حالات پہلے سے کافی بہتر لگتے ہیں۔ شادی بھی یقیناً ہو چکی ہوگی.......... کیا کرتے ہیں میاں صاحب؟ بچے کتنے ہیں؟''

اب گیند ساجدہ کے کورٹ میں آگئی تھی۔ اسے ایک بار پھر اپنی زندگی کی جھوٹی سچی سی کہانی دہرانی پڑی۔ وجاہت نے اس سے گھربار' بال بچوں اور کاروباری کامیابیوں کے بارے میں بہت سے سوالات کئے۔ ساجدہ ایسے سوالوں کے جواب دینے میں بہت ماہر ہو چکی تھی۔ اس نے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا۔

دفعتہً اسے احساس ہوا کہ کندنی دھوپ دھیرے دھیرے غائب ہوتی جا رہی تھی۔ سورج ڈوب رہا تھا۔ وہ چونک کر جھرجھری سی لیتے ہوئے بولی.......... ''اب مجھے چلنا چاہئے..........''

وجاہت نے سہارا دے کر اسے اتارا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ ساجدہ کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ ساجدہ چاروں طرف دیکھ چکی تھی مگر اسے کہیں وجاہت کی گاڑی وغیرہ نظر نہیں آئی تھی اور کوئی پبلک ٹرانسپورٹ بھی اس مقام تک نہیں آتی تھی۔ وہ قدرے حیران تھی کہ وجاہت ہاں کیسے پہنچا تھا اور اسے واپس کیسے جانا تھا۔

وہ بولی.......... ''کیا تمہیں واپس جانا ہے؟ اگر تمہارے پاس گاڑی نہیں ہے تو میں تمہیں شہر چھوڑ دوں گی..........''

''میں دراصل اپنی گاڑی میں ایک دوست کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے بعد گاڑی دوست مانگ کر لے گیا.......... اب میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔'' وجاہت نے بتایا۔

''اور غالباً تمہارے کپڑے وغیرہ بھی گاڑی میں ہی رہ گئے ہیں؟'' ساجدہ بولی.......... اسے ساحل پر کہیں دور دور تک وجاہت کے کپڑے یا جوتے رکھے دکھائی نہیں دیئے تھے۔

''وہ.......... ہاں..........'' وجاہت نے چونک کر اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ اسے گویا احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے جسم پر ایک عجیب سے پاجامے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ بالکل ایزی تھا۔ اسے خنکی کا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کوئی تھری پیس سوٹ پہنے اپنے آفس کے کمروں کے درمیان ادھر ادھر آجا رہا ہو۔

پھر وہ جلدی سے سرہلاتے ہوئے بولا.......... ''ہاں.......... میرے کپڑے جوتے وغیرہ بھی گاڑی میں ہیں۔ اس لئے تو میرا یہاں ٹھہرنا اور بھی ضروری ہے..........''

''اور اگر دوست رات گئے تک نہ آیا.......... کسی طرف نکل گیا تو کیا تم یہیں بیٹھے رہو گے؟'' ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں..........'' وہ مسکراتے ہوئے بولا.......... ''میں تیرتا ہوا شہر کے کسی ساحلی علاقے تک آجاؤں گا اور وہاں سے ٹیکسی یا رکشے میں بیٹھ کر گھر چلا جاؤں گا..........''

دفعتہً اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ چونکتے ہوئے بولا.......... ''ارے ہاں.......... تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اگلی ملاقات کب اور کہاں ہوگی؟''

ساجدہ پرس سے وزیٹنگ کارڈ نکالتے ہوئے بولی.......... ''یہ رکھ لو.......... کسی بھی وقت

آسکتے ہو......... فون کرکے یہ معلوم کرلو تو بہتر رہے گا کہ میں آفس میں ہوں یا گھر.........''

وجاہت کارڈ پر نظر دوڑاتے ہوئے بولا......... ''اگر کسی وجہ سے مجھے آنے میں تاخیر ہو جائے......... تو تم اسے انا کا مسئلہ نہ بنانا اور کسی بھی روز یہاں آکر میری خیروعافیت معلوم کر جانا......... میں روزانہ شام پانچ بجے سے اندھیرا گہرا ہونے تک یہیں پایا جاتا ہوں......... ویسے بھی یہ سکون کے کچھ لمحے گزارنے کے لئے بہترین مقام ہے......... تم اس غرض سے بھی آسکتی ہو......... اگر تم چند دن تک باقاعدگی سے یہاں آؤ تو اپنے آپ کو بہت تروتازہ محسوس کروگی......... اور پھر کسی پرانے ساتھی کے ساتھ بیٹھ کر بھولے بسرے دنوں کی یادیں تازہ کرنے کا تو لطف ہی کچھ اور ہے جو میرے یا تمہارے روایتی ڈرائنگ روم میں مہمانوں کی طرح پرتکلف انداز میں بیٹھ کر باتیں کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا.........''

''میں تمہاری تقریر سے متفق ہوں......... لیکن میں وعدہ نہیں کر رہی۔ موقع ملا تو ضرور آؤں گی.........'' ساجدہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی......... یہ الفاظ محض وضعداری کی پیداوار تھے......... ورنہ سچی بات تو یہ تھی کہ اس کا وہاں سے جانے کو ہی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

ساجدہ کی گاڑی نیم دائرے میں گھومی اور ریت اڑاتی ہوئی نیم پختہ سی سڑک کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ سڑک پر پہنچنے سے پہلے ساجدہ نے مڑ کر دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ اس کے پس منظر میں ڈوبتا سورج اور جھلملاتا سمندر تھا......... ریت پر وہ کسی یونانی مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کا ہاتھ حرکت کر رہا تھا۔

گھر آکر بھی ساجدہ دیر تک اس ملاقات کے بارے میں سوچتی رہی۔ وجاہت سے ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی لیکن اس سے ملاقات نہ جانے کیوں ساجدہ کو اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی رگ وپے میں ابھی تک ایک ارتعاش سا تھا۔ بڑی شدت سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج عکس اس کے پاس ہوتا......... کئی بار اس نے آنکھیں بند کرکے عکس کو یاد کیا مگر وہ نہ آیا۔ ساجدہ کے لئے اب یہ کوئی نئی بات نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے دل میں تاسف کی ایک لہر ابھری اور معدوم ہوگئی۔ کوئی زمانہ وہ بھی تھا کہ وہ دن میں کئی بار اسے یاد کرتی تھی اور وہ سراپا اشتیاق بنا آن موجود ہوتا تھا۔

اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اس نے ایک سادہ ڈائری اٹھائی اور وجاہت سے آج کی اپنی ملاقات کا احوال لکھنے بیٹھ گئی۔ اس نے کئی ماہرین نفسیات کی تحریروں میں پڑھا تھا کہ جب انسان کو اپنی باتیں سنانے کے لئے کوئی ساتھی میسر نہ ہو اور اس کے پاس وقت ہو تو ڈائری لکھنا ایک اچھا مشغلہ ہے۔ انسان کا کتھارسس ہو جاتا ہے' دل کا غبار نکل جاتا ہے۔

ابھی اس نے چند سطریں ہی لکھی تھیں کہ اسے خیال آیا کہ اس کی تو پوری زندگی ہی کسی کہانی سے کم نہیں تھی۔ اسے لکھنا بھی اس کے لئے ایک دلچسپ مشغلہ ہوسکتا تھا.........

کیا نہیں تھا اس کی زندگی میں؟ غربت کے عذاب' نوعمری کے شکستہ خواب......... محبت کی جنون خیزیاں' دل کے نگر کی بربادیوں کے قصے' چاہے جانے کی بے تابیاں' نہ چاہے جانے کی اذیت......... مہروفا اور دلداری کی میٹھی یادیں' زمانے کی بے اعتنائی کی خراشیں۔ اندر ہی اندر دل کو جھلساتے ہوئے آنسوؤں کے انگارے اور رگ وپے میں اٹھتی ہوئی لذت وصال کی گدگدی' کامیابیوں اور امارت کا خمار' معاشرے میں ڈرامائی سے انداز میں اہمیت حاصل کر جانے کی سنسنی......... غرضیکہ سبھی کچھ تو تھا اس کی زندگی میں......... اتار چڑھاؤ اور دلچسپیوں سے معمور ایک کہانی کے سبھی عوامل تو موجود تھے۔

اس نے وہ سطریں کاٹ دیں اور اپنی یادوں کو اختصار کے ساتھ' مگر ابتداء سے قلمبند کرنا شروع کیا۔ دو صفحے لکھنے کے بعد اس نے پڑھے......... اور مسکرادی......... وہ تو اچھا خاصا لکھ لیتی تھی۔ اس کی تحریر کوئی ایسی بری نہیں تھی......... اس نے زیادہ کاٹ پیٹ نہیں کی تھی۔ اسے لفظوں کو برتنے کا تھوڑا بہت سلیقہ تھا۔

مطمئن ہو کر وہ آگے لکھنے لگی......... اور پھر رات گئے تک لکھتی رہی۔ وہ اپنی زمانہ حال تک کی مکمل کہانی تو نہ لکھ پائی لیکن کئی برسوں کے واقعات اس نے قلمبند کرلئے۔ اتنی دیر تک لکھنے سے وہ تھک گئی تھی لیکن پھر بھی اسے ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے برسوں کی تنہائی کے بعد اسے کوئی ہمدم' کوئی ساتھی' کوئی غمگسار مل گیا ہو جس سے اس نے دل کی باتیں دیر تک کی ہوں۔ ایک بے عنوان سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔

دوسرے روز وہ دفتر سے آکر ذرا تازہ دم ہونے اور کچھ دیر خواب کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی اور شام کے اخبارات دیکھ رہی تھی کہ وجاہت کا فون آگیا۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ وجاہت اتنی جلدی فون کرے گا......... ملازمہ نے بغیر تار کا ٹیلیفون سیٹ اسے لان پر ہی لادیا تھا۔

''کیا آج ساحل پر نہیں آؤگی؟'' وجاہت نے گنگنانے کے سے انداز میں پوچھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں آج ساحل پر آؤں گی.........'' ساجدہ مسکرا رہی تھی مگر اپنے لہجے میں اس نے متانت برقرار رکھی تھی۔

''وہ تو مجھے بھی معلوم ہے.........'' وجاہت دھیرے سے ہنس کر بولا......... ''میں وعدے کی بات تو نہیں کر رہا......... میں تو آس کی بات کر رہا ہوں......... یہ تو انسان کا پیدائشی حق ہے کہ جو آس' جو امید چاہے' دل میں پال لے۔ اور تم جیسے انسانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے دل میں پیدا ہونے والی آس امیدوں کا خاص خیال رکھیں......... آخر مروت اور وضعداری بھی کوئی چیز ہے.........''

"مروت اور وضعداری کوئی چیز ہوا کرتی تھی.........." ساجدہ نے تصحیح کی.......... "یہ زمانہ ماضی کی چیزیں ہیں۔ اب نایاب ہو چکی ہیں.........."

"لیکن میں تو سمجھا تھا کہ ہم ماضی میں زندہ رہنے والے لوگ ہیں.........." وجاہت بولا۔

"یہ بھی ماضی کی بات ہے.........." ساجدہ سنجیدگی سے بولی.......... "کوئی زمانہ تھا جب ہمیں گزرے ہوئے زمانے بہت اچھے لگا کرتے تھے.........."

"مجھے تو اب بھی لگتے ہیں.........." وجاہت بولا.......... "خیر.......... اگر تم ان باتوں سے قائل نہیں ہو سکتیں تو کم از کم یہی خیال کرو کہ اس وقت ساحل پر منظر اتنا خوبصورت ہے کہ اگر میں شاعر ہوتا تو کوئی شاہکار نظم لکھ دیتا۔ افسانہ نگار ہوتا تو منظر کشی میں بیسیوں صفحات بھر دیتا.........."

ساجدہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی.......... "جب تک تم سچی بات نہیں بتاؤ گے' میں اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گی.........."

"سچی بات سننا چاہتی ہو؟" اس کے لہجے میں حقیقی سنجیدگی آ گئی۔

"ہاں.......... سوفیصد سچی بات.........." ساجدہ زور دے کر بولی۔

"برا تو نہیں مناؤ گی؟"

"نہیں.........."

"تمہارے شوہر نامدار نے سن لیا تو بُرا منائیں گے.........."

"شوہر نامدار.......... بلکہ یوں کہو کہ شوہر گمنام بُرا منائیں گے یا نہیں' اس کے بارے میں فیصلہ بعد میں ہو گا.........."

"تو سنو.......... سچی بات یہ ہے کہ تم سے ملنے کو بڑی شدت سے دل چاہ رہا ہے.........."

وجاہت کے لہجے میں بے ساختگی تھی۔

ساجدہ ایک لمحے کے لئے بالکل خاموش رہی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"خاموش کیوں ہو گئیں؟" وجاہت نے پوچھا۔

"شکر کرو میں تو صرف خاموش ہوئی ہوں.......... ورنہ کسی شادی شدہ عورت کی طرف سے تمہاری اس بات کے جواب میں جوتا بھی آ سکتا تھا.........." ساجدہ بولی۔

"ٹیلیفون کا یہی تو فائدہ ہے.........." وجاہت بدستور خوش مزاجی سے بولا۔ "کہ اس پر کسی کو جوتا پھینک کر نہیں مارا جا سکتا.........."

"بعض لوگوں کے لئے الفاظ بھی جوتے سے کم نہیں ہوتے۔" ساجدہ بولی۔

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو لفظوں کی دھمک کھوپڑی میں محسوس کرتے ہیں.......... اور نہ ہی تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے منہ سے نکلنے والے الفاظ جوتے محسوس

ہوں.......... خواہ لفظوں کی نوعیت کچھ بھی ہو.........." وہ بولا۔

"تم سے باتوں میں جیتنا آج بھی مشکل ہے.........." بالآخر ساجدہ اپنے لہجے کی شگفتگی چھپا نہ سکی۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ بات تمہیں پہلے ہی سے معلوم تھی۔ اس لئے تمہیں بحث شروع ہی نہیں کرنی چاہئے تھی.......... اور فوراً گھر سے نکل کھڑے ہونا چاہئے تھا۔ یہاں آ کر تمہاری روح ہلکی پھلکی ہو جائے گی.......... کیا خوبصورت منظر ہے.......... ڈھلتے سورج کا اس وقت جو رنگ ہے اسے کوئی مصور کینوس پر منتقل نہیں کر سکتا.......... پانی میں اس کا جھلملاتا ہوا عکس تو فطرت کی ایک بے مثل تصویر ہے.......... اور یہاں کی ہوا کا تو کیا ہی کہنا.......... دن بھر شہر میں گاڑیوں کا دھواں پھانکنے اور ڈھیروں کاربن مونو آکسائیڈ پھیپھڑوں میں اتارنے کے بعد کچھ دیر کے لئے انسان کو ادھر ضرور آنا چاہئے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ ہوا دراصل کسے کہتے ہیں.........."

دفعتہً ساجدہ قدرے چونکتے ہوئے بولی.......... "یہ جو تم اس جگہ کا آنکھوں دیکھا حال نشر کر رہے ہو.......... تو کیا وہاں ٹیلیفون موجود ہے؟ مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ وہاں دور دور تک کوئی عمارت یا ایسی جگہ نہیں تھی جہاں ٹیلیفون کی موجودگی کا امکان ہوتا.........."

وہ گویا اس کی سادگی پر ہنسا.......... "اتنی بڑی صنعتکار ہو گئی ہو تم.......... مگر وہ پرانی سادگی نہیں گئی.......... ارے بھئی زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ میری گاڑی میں بغیر تار کا ٹیلیفون موجود ہے.........."

"اوہ.........." ساجدہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

"تو پھر آ رہی ہو نا تم؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں.......... میں پندرہ بیس منٹ میں پہنچ رہی ہوں.........." ساجدہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے گاڑی نکالی اور تیز رفتاری سے روانہ ہو گئی۔

وہ جب ساحل کے اس دورافتادہ مقام پر پہنچی تو وجاہت اسی پتھر پر اسی انداز میں' اسی عجیب وغریب سے کپڑے کے ٹراؤزر میں بیٹھا تھا جس طرح وہ کل اسے دیکھ چکی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے جسم پر پانی کی بوندیں بھی اسی طرح پھسل رہی تھیں جس طرح ساجدہ نے گزشتہ روز دیکھی تھی۔

ایک بات اس نے بطور خاص نوٹ کی.......... اور وہ یہ کہ اس کی گاڑی آج بھی دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی جس کا اس نے ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ اس میں کارڈلیس ٹیلیفون بھی موجود ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ پیدل کہیں سے فون کر کے ساجدہ سے پہلے واپس پہنچ جاتا.......... کسی سے لفٹ لے کر بھی کہیں جانے اور واپس آنے کا اتنے کم وقت

میں امکان نہیں تھا.......... تو پھر وہ فون کہاں سے کر رہا تھا؟

ساجدہ کے ذہن میں اس سوال کی خلش ضرور رہی لیکن اس نے اس سلسلے میں کچھ پوچھا نہیں.......... اسے یقین تھا کہ وجاہت پھر اسی قسم کی کوئی بات کردے گا کہ گاڑی دوست لے گیا ہے.......... یا کوئی اور جواز پیش کردے گا۔ ہاں البتہ آج اتنا ضرور تھا کہ اس کے کپڑے اور جوتے ریت پر پڑے ہوئے تھے۔

ساجدہ کو دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے استقبالیہ سے انداز میں ایک عجیب ناقابل فہم سا نعرہ لگایا۔ پھر گویا خوشی سے بے قابو ہو کر پتھر سے ہی قلابازی کھا کر پانی میں جا کودا۔ پھر دوسرے ہی لمحے پانی میں سے اچھل کر نکلا اور واپس پتھر پر آبیٹھا۔ ساجدہ کو یقین تھا کہ ایسی فطری مہارت سے پانی میں چھلانگ لگا کر اور پھر پانی سے اچھل کر کوئی ڈولفن مچھلی بھی واپس نہیں آسکتی تھی۔

وجاہت حسین میں کوئی عجیب سی بات ضرور تھی مگر ساجدہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے اپنے اس احساس کو دباتے ہوئے صرف اتنا پوچھنے پر اکتفا کیا.......... "کسی خاتون کے استقبال کا یہ کون سا طریقہ ہے؟"

"تمہیں پسند نہیں آیا یہ طریقہ؟" وہ سادگی سے بولا.......... "کتنی بے ساختی تھی اس میں.......... میرے خیال میں تو وہ طور طریقے اچھے ہوتے ہیں جن میں بے ساختگی ہوتی ہے.........."

"بے ساختگی تو اس میں واقعی بہت تھی اور انداز نہایت فطری بھی تھا.......... میرا خیال ہے کہ کوئی ڈولفن مچھلی بھی اس مشاقی و مہارت کا مظاہرہ نہیں کرسکتی تھی.........."

"ہاں.......... اس میں تو کوئی شک نہیں.........." وہ سنجیدگی سے بولا.......... "کیونکہ انسان ڈولفن سے زیادہ اچھی مخلوق ہے۔ وہ کسی سے کچھ سیکھ کر بھی اس کام میں درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ جس سے سیکھتا ہے اسے بھی بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ مچھلیاں میری دوست ہیں.......... میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے.........."

"تم جب پانی میں چھلانگ لگاتے ہو تو خود بھی انسان کے بجائے مچھلے ہی معلوم ہونے لگتے ہوں.......... ساجدہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

وہ ہولے سے ہنسا" مچھلی کا مذکر.......... نہیں ہوتا.......... وہ خود ہی مذکر ہوتی ہے اور خود ہی مونث بھی ٹو ان ون.........."

"میرا مقصد مذکر یا مونث نر مادہ کے امتیاز پر بات کرنا نہیں تھا.........." ساجدہ جلدی سے بولی.......... "میں تو یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ سمندر میں تم سمندر ہی کی مخلوق لگتے ہو.........."

"کیا واقعی.........؟" وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ لہجے میں شرارت بھی

تھی اور پراسراریت بھی۔

"غوطہ خور اور تیراک تو دنیا میں بہت پڑے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی کا انداز تم جیسا نہیں ہوتا ہوگا.........." ساجدہ بولی۔

"شاید تمہارا خیال صحیح ہو.........." وجاہت بولا.......... "اور اگر میں یہ کہوں کہ میں تو رہتا ہی سمندر میں ہوں.......... تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں.........." ساجدہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی.......... "میں تمہیں مبارک باد دوں گی کہ رہائش کے لئے تم نے واقعی بہت اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔ شہر تو اب رہنے کے قابل نہیں رہے.......... مجھے تو اگر ڈوب کر مرنے کا ڈر نہ ہو تو میں خود سمندر کی تہہ میں بستر لگا کر لیٹ جاؤں اور کم از کم دو چار مہینے ضرور سکون سے گزاروں.........."

پھر وہ گویا اس تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی.......... "واہ.......... کتنا مزا آئے.......... نہ چیختا چنگھاڑتا اور انسانوں کو روندتا ہوا ٹریفک.......... نہ ڈراؤنی خبروں اور جھوٹے و منافق لیڈروں کے بیانات سے بھرے ہوئے اخبارات نہ فائلوں کے انبار.......... نہ روپے پیسے کی دوڑ.......... نہ گردن کاٹ قسم کے سیاسی مقابلے.......... نہ ایکسائز کی فکر.......... نہ ٹیکسوں کے چکر.......... سکون ہی سکون.........."

"مسائل تو خیر سمندر میں بھی ہیں.........." وجاہت اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا.......... "تم دنیا والوں نے سمندروں کو بھی غلاظتوں سے بھر دیا ہے کارخانوں کے لاکھوں ٹن کیمیکلز اور ناکارہ مادے.......... جہازوں سے بہہ جانے والا تیل.......... شہروں کی گندگی اور کوڑا کرکٹ.......... بارودی سرنگیں.......... اوپر سے نہ جانے کیسے کیسے احمقانہ قسم کے سائنسی تجربات بھی سمندروں میں ہی کئے جاتے ہیں۔ غرضیکہ تم لوگوں نے سمندری مخلوقات کا بھی جینا دوبھر کر دیا ہے۔ ان چیزوں سے ظاہر ہے مچھلیاں بھی متاثر ہوتی ہیں جنہیں تم لوگ کھاتے ہو۔ اس طرح نت نئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جو اس دنیا کے ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آتیں.......... کیونکہ وہ بے چارے ویسے ہی بہت پسماندہ ہیں.........."

"تم تو واقعی اس طرح بات کرنے لگے جیسے خود کسی اور ہی دنیا کے باشندے ہو؟" ساجدہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا.......... "مجھے اب کسی اور دنیا کی کہانی مت سنانے بیٹھ جانا.......... میں اس قسم کی کوئی کہانی سننا نہیں چاہتی۔ مجھے یہ مت بتانا کہ تمہارا تعلق کسی اور دنیا سے ہے۔ میں تمہیں اسی دنیا کا انسان سمجھ کر ملی ہوں.......... اور تمہیں اسی دنیا کا انسان دیکھنا چاہتی ہوں.........." اس کے لہجے میں ایک عجیب سا خوف' ایک عجیب سی افسردگی جھلک آئی تھی اسے عکس یاد آگیا تھا.......... کیسی کیسی تمنائیں اور کیسے کیسے خواب اس نے عکس سے وابستہ کر لئے تھے لیکن اس کی رفاقت نے اسے گویا ایک بند گلی میں پہنچا دیا تھا.......... آگے

جانے کا کہیں راستہ نہیں تھا......... اور پیچھے جانا اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا.........

"نہیں......... میں اسی دنیا کا باشندہ ہوں........." وہ ملائمت سے بولا......... "صرف ہمارا سماج' ہمارے اندازواطوار' ہمارا رہن سہن اور ہمارا رہائش کا ماحول تم لوگوں سے کافی مختلف ہے......... اور دوسری بات یہ کہ ہم لوگ بہت ترقی یافتہ ہیں......... سطح زمین پر رہنے والے لوگوں سے ہزاروں سال آگے........."

"دیکھو......... میں مذاق کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں......... کم از کم ایسے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں جو دوسرے کو بے وقوف بنانے کی غرض سے کیا جائے۔ مجھے معلوم ہے کالج کے زمانے میں تم لڑکے لڑکیوں کو عجیب عجیب باتیں سنا کر بے وقوف بنایا کرتے تھے........." ساجدہ بولی۔

"لیکن اس وقت میں مذاق ہرگز نہیں کر رہا ہوں......... جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا........." وجاہت ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا......... "میں تمہیں اتنی جلدی اس حقیقت سے آگاہ نہ کرتا......... لیکن نہ جانے کیوں تم سے ایک دن کی ملاقات میں ہی یوں محسوس ہونے لگا جیسے برسوں کی شناسائی ہے......... وہی کالج کے زمانے کے محسوسات لوٹ آئے ہیں......... دل چاہتا ہے تمہیں ہر بات بتادی جائے......... گزرے برسوں میں بہت سے لوگوں سے دوستیاں رہی ہیں لیکن اس راز سے میں نے کسی کو آگاہ نہیں کیا........."

ساجدہ کو اب بھی یہی شبہ تھا کہ وہ اس سے مذاق کر رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی......... اور پھر ساجدہ کو اس سے ملنے کے بعد سے اب تک جو ایک عجیب سا شک' ایک بے نام سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ وجاہت میں کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی جو دوسرے عام انسانوں سے مختلف تھی۔

وہ جب بولی تو اسے اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی......... "تو......... کیا تم......... واقعی سمندر میں رہتے ہو؟"

"نہیں......... خدا کا شکر ہے ہم سمندر کی تہہ سے ذرا نیچے رہتے ہیں......... پانی میں نہیں رہتے......... پانی ہمارے لئے اسی طرح ہے جس طرح تم لوگوں کے لئے ہوا......... پانی میں بھی ہم اسی طرح آسانی سے رہتے اور حرکت کرتے ہیں جس طرح دوسرے سمندری جانور......... لیکن اچھا ہی ہے کہ ہم نے اپنی دنیا اس سے بھی ذرا نیچے زمین میں اتر کر آباد کر تھی......... ورنہ جس طرح تم لوگوں نے سمندر کو آلودہ کر دیا تھا اس سے شاید ہمارے لئے بھی مسائل پیدا ہو جاتے........."

"تمہارا مطلب ہے کہ سمندر کی تہہ سے بھی نیچے کوئی دنیا آباد ہے؟" ساجدہ کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی۔

"ہاں......... ایک چھوٹی سی دنیا......... لیکن وہ اسی دنیا کا اسی کرہ ارض کا ایک حصہ ہے........." وجاہت بولا......... "اور لاکھوں سال سے چلا آرہا ہے........."

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" ساجدہ بولی......... "سائنس دان ہر وقت زمین و آسمان کی وسعتوں کو کھنگالنے میں لگے رہتے ہیں......... اگر سمندر کے نیچے کوئی دنیا آباد ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان لوگوں کی نظر سے بچ جاتی.........؟ کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تو اس کا سراغ پا ہی لیتا......... اور ان لوگوں کو اگر اس قسم کی کسی چیز کا ذرا سا بھی سراغ مل جائے تو وہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں......... ہمارے ہاں کے سائنس دان نہ سہی' دوسرے ملکوں کے سائنس دان ہی ایسی کسی بات کی بھنک پالیں تو وہ بھی اس جگہ یلغار کر دیتے ہیں........."

وہ یوں ہنسا گویا اس نے کوئی نہایت ہی بچگانہ سی بات سن لی ہو لیکن وہ خود ہی مربیانہ انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا......... "تمہارا بھی کوئی قصور نہیں......... تمہاری جگہ تمہاری دنیا کا کوئی بھی انسان ہوتا وہ یہی بات کرتا......... کیونکہ تم لوگوں کو اندازہ ہی نہیں کہ تم اور تمہارے سائنس دان کتنے پسماندہ ہیں۔ وہ بے چارے تو اپنی ناک سے آگے دیکھ ہی نہیں سکتے........."

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ساجدہ کو اس کے ذہنی توازن پر شبہ ہونے لگا......... "میں صرف اپنے ملک کی بات نہیں کر رہی......... دنیا کی بات کر رہی ہوں' ترقی یافتہ ملکوں کی بات کر رہی ہوں......... ان کی سائنسی ترقی کی رفتار تو اتنی تیز ہے کہ اب خود ترقی ہی ان کے لئے ایک مسئلہ بن گئی ہے........."

"میں بھی انہی کی بات کر رہا ہوں۔ تم لوگ تو کسی شمار قطار میں ہی نہیں ہو......... تم لوگ تو ہمارے حساب سے زمانۂ غار میں ہی ہو......... جانوروں سے بھی پیچھے ہو کیونکہ ان باتوں پر تمہارے ہاں لڑائیاں ہوتی ہیں اور ان اختلافات پر تمہارے ہاں لوگ ایک دوسرے پر انسانیت سوز تشدد کرتے ہیں جن پر جانور بھی نہیں لڑتے اور درندے بھی ایک دوسرے کو نہیں بھنبھوڑتے......... میں انہی ملکوں کی بات کر رہا ہوں جنہیں تم لوگ ترقی یافتہ سمجھتے ہو۔ وہ بھی کولہو کے بیل ہیں ایک دائرے میں گھوم رہے ہیں........."

"مگر وہ تو چاند تک پہنچ چکے ہیں........." ساجدہ کو سائنسی ترقی کی کوئی اور مثال فوری طور پر یاد نہ آئی۔

"اسی بات پر تو ہمیں اور بھی ہنسی آتی ہے........." وجاہت مسکراتے ہوئے بولا.........

"کہ ان لوگوں کو اپنی اس دنیا اس کرۂ ارض کے بارے میں کچھ نہیں معلوم......... اس کو اچھی طرح کھنگال نہیں سکے۔ اس کے بے شمار گوشوں تک ان کی رسائی نہیں ہے۔ مگر سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اس کے ذرے ذرے کے بارے میں ہر بات معلوم کر لی ہے اور اب دوسرے

سیارے کو محض چھو کر آنے کی کوششوں میں ہلکان ہو رہے ہیں.......... کروڑوں فاقہ کشوں کے منہ سے نوالے چھین کر بے مقصد تجربات پر ایندھن کی صورت میں ایک ایک سیکنڈ میں پھونک دیتے ہیں۔ ان کا علم کس قدر محدود ہے' اس کی ایک مثال سنو میں ہی تمہارے سامنے بیٹھا ہوں.......... تمہارے سائنس دانوں کو معلوم ہی نہیں کہ ہماری بھی کوئی دنیا ہے.......... حالانکہ اپنی دانست میں انہوں نے سمندروں کی تہوں کو کھنگال لیا ہے..........''

''ہمارے ہاں تو بحری علوم پر بہت کم کام ہوا ہے..........'' ساجدہ نے گویا عذر پیش کیا۔

''میں صرف یہاں کی بات نہیں کر رہا بلکہ ان سمندروں کی بھی بات کر رہا ہوں جن کے کناروں پر بڑے بڑے ترقی یافتہ ملک آباد ہیں.......... وہاں بھی سمندر کے نیچے ہماری نسل کے لوگوں کے شہر آباد ہیں مگر کسی کو ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم.......... یہ تو خیر بڑی بڑی باتیں ہیں.......... تمہیں' تمہارے سائنس دانوں کو تو بعض بالکل چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں بھی نہیں معلوم..........''

''مثلاً..........'' ؟ ساجدہ نے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مثلاً.......... یہی دیکھ لو کہ بیسیوں سال کی کوششوں کے بعد تمہارے سائنس دانوں نے جراثیم دریافت کرلیا تو آج تک اس پر پھولے نہیں سما رہے.......... لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ جراثیم بھی قدرت کے لاتعداد شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ جراثیم محض ایک نقصان دہ کیڑا نہیں' اپنی جگہ ایک مکمل مخلوق بھی ہے۔ اس کا دماغ بھی ہوتا ہے ایک مکمل نظام دوران خون بھی ہوتا ہے.......... نظام تنفس بھی ہوتا ہے.......... اس کے اعصاب بھی ہوتے ہیں.......... مگر ظاہر ہے تمہاری خوردبین ان چیزوں کو دیکھ ہی نہیں سکتیں.......... ان کا مطالعاتی مشاہدہ تو دور کی بات ہے تمہارے سائنس دانوں کے نزدیک تو یہی بڑی بات ہے کہ انہوں نے جراثیم کو دیکھ لیا ہے.......... یہ تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ جراثیم کی اپنی ایک زبان بھی ہے جس طرح دیگر تمام مخلوقات کی ہوتی ہے.......... حتیٰ کہ جراثیم سوچتا ہے..........''

ساجدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی.......... وہ شگفتہ لہجے میں بولی.......... ''پھر تو جراثیم شاعری بھی کرتے ہوں گے.......... ممکن ہے افسانے بھی لکھتے ہوں۔ کیسا عجیب منظر ہوتا ہوگا.......... کہ کوئی تپ دق کا جراثیم کسی مریض کے پھیپھڑے میں بیٹھا کوئی المیہ قسم کا افسانہ لکھ رہا ہے.......... خون کی انفیکشن کا کوئی جراثیم کسی کے زخم میں بیٹھا مزاحیہ نظم پڑھ رہا ہے جبکہ مریض درد سے چیخیں مار رہا ہے..........''

ساجدہ جملہ ادھورا چھوڑ کر پھر ہنسنے لگی لیکن وجاہت کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی رمق تک نہیں تھی۔ وہ اس طرح ایک ٹک ساجدہ کی طرف دیکھ رہا

تھا کہ وہ بے اختیار ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

وجاہت جب بولا تو اس کے لہجے میں ہلکے سے ترحم کی جھلک تھی.......... ''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے.......... انسانوں کے سامنے جب بھی قبل از وقت کوئی بات کی جاتی ہے تو وہ اسی طرح ہنستے ہیں.......... یہ باتیں تمہارے لئے قبل از وقت ہیں۔ نہ جانے تمہارے سائنس دان کتنی صدیوں میں انہیں دریافت کرپائیں اور کب تمہیں ان کا یقین دلا پائیں.......... یہ تو ایک معمولی سی مثال تھی۔ اس پر ہی تمہیں اتنی ہنسی آرہی ہے تو بڑی بڑی باتوں پر تمہارا کیا حال ہوگا۔ میں تو تمہیں اپنی دنیا' اپنی تہذیب اور اپنی ترقی کے بارے میں بہت کچھ بتانا چاہتا تھا..........''

ساجدہ سچ مچ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی.......... ''میں غیر سنجیدہ نہیں ہوں.......... بس یونہی ہنسی آگئی تھی.......... دراصل انسان کا تصور اسے عجیب عجیب تماشے دکھاتا ہے۔''

''قصور دراصل تمہارا نہیں..........'' وجاہت بولا۔ ''فرض کرو تم آج سے پچاس سال پہلے اس دنیا میں موجود ہوتیں اور تمہیں بتایا جاتا کہ ایک کمپیوٹر ایجاد ہوچکا ہے جو تمہارے پرس میں آسکتا ہے اور وہ تمہاری ساری ٹیکسٹائل انڈسٹری کے مکمل حسابات رکھ سکتا ہے اس کی باقاعدہ میموری یعنی یاداشت بھی ہے اور وہ چند سیکنڈ میں تمہارے دس سال پرانے حسابات بھی پرنٹ کرکے تمہارے ہاتھ میں تھما سکتا ہے.......... وہ تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہے کہ دو سو سال پہلے چاند کی فلاں تاریخ کو عیسوی تاریخ کیا تھا.......... تو تمہاری کیا حالت ہوتی؟ تم یقیناً اسی طرح ہنستیں جس طرح چند لمحے پہلے ہنس رہی تھیں..........''

ساجدہ نے ایک لمحے سوچا پھر اثبات میں سرہلاتے ہوئے تسلیم کیا.......... ''ہاں یہ بات تو ہے.......... میں کیا میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی طرح ہنستا..........''

''لیکن میں محض باتیں نہیں کر رہا.......... میں تمہیں سمندر کے نیچے اپنی دنیا دکھانے کے لئے لے جاؤں گا تو تمہیں ہر بات کا یقین آجائے گا..........'' وجاہت بولا..........

''میں..........؟'' ساجدہ گویا چونک کر بولی.......... ''میں سمندر کے نیچے کیسے جاؤں گی؟ مجھے تو غوطہ خوری' تیراکی' کچھ بھی نہیں آتا.......... میرے گھر میں چھوٹا سا سوئمنگ پول موجود ہے لیکن میں اس میں کبھی نہیں نہائی.......... بس سوچتی ہی رہتی ہوں کہ جلد تیراکی سیکھنا شروع کروں گی..........''

''میرے ساتھ چلنے کے لئے تمہیں تیراکی یا غوطہ غوری آنا ضروری نہیں..........''

وجاہت اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا.......... ''میرے ساتھ تم یوں جاؤگی اور یوں واپس آجاؤگی گویا کوئی اپنے معمولات سے اکتا کر باغ کی سیر کو نکل گیا ہو اور کچھ دیر گھوم پھر کر واپس آگیا ہو..........''

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ساجدہ بولی.......... "لیکن کیا تمہیں میری طرف سے یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوگا کہ میں تمہاری دنیا کا راز فاش کر سکتی ہوں! کسی کو اس کے بارے میں بتا سکتی ہوں؟"

"نہیں.......... تم نہیں بتاؤ گی.........." وجاہت نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا اور ساجدہ کو یوں لگا جیسے کسی غیبی قوت نے اس کی تمام جسمانی و ذہنی توانائی سلب کرلی ہو.......... چند لمحے کے لئے جسم اور ذہن دونوں ہی شل ہوگئے۔

اسے احساس ہوا کہ یہ ان بے ضرر لفظوں کی تاثیر نہیں تھی بلکہ وجاہت کی آنکھوں میں ہی یک لخت کوئی تبدیلی سی آئی تھی.......... ان آنکھوں کی گہرائیوں میں گویاں بجلیاں کوندنے لگی تھیں.......... یکایک ہی ان میں ایک عجیب مقناطیسی سی قوت پیدا ہوگئی تھی جیسے ویکیوم کلینر گردوغبار کے ذرات کو کھینچ لیتا ہے۔ ساجدہ کی قوت فیصلہ جیسے یک لخت جواب دے گئی.......... اسے کوئی تکلیف اضطراب یا کھنچاؤ محسوس نہیں ہوا تھا لیکن بس ایسا لگنے لگا تھا جیسے اس کا دل ودماغ یک لخت خالی خالی سا ہوگیا تھا ذہن جیسے سادہ ورق بن گیا تھا اور اس پر کسی غیبی ہاتھ سے گہرے لفظوں میں لکھ دیا تھا..........

"تم کسی کو بھی ہماری دنیا کے بارے میں نہیں بتاؤ گی.......... یہ ہمارے ہی نہیں تمہارے بھی مفاد میں ہے اگر تم ایسی باتیں کروں گی تو لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے.......... تمہارے ذہنی توازن پر شک کریں گے.........."

دفعتہً وجاہت نے اس کی طرف سے نظر ہٹالی اور ساجدہ کی حالت جیسے یکدم اعتدال پر آگئی.......... اس کے محسوسات چند لمحے کے لئے گویا کسی برقی رو سے منسلک ہوگئے تھے.......... اور اور اب وہ برقی رو منقطع ہوگئی تھی۔

"لیکن یہ فیصلہ وہ بہرحال کر چکی تھی کہ وجاہت سے ہونے والی باتوں کا ایک لفظ بھی وہ کسی کو نہیں بتائے گی.......... عکس کو بھی نہیں.......... یہ حکم اس کے ذہن پر اس طرح نقش ہوچکا تھا جیسے پتھر پر لکیر۔

ساجدہ کے ذہن پر یہ حکم نقش کرنے کے بعد جیسے وجاہت کی آنکھوں سے وہ برقی رو غائب ہوگئی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں پہلے کی طرح کسی غیر معمولی تاثر سے خالی دکھائی دینے لگیں۔ ان میں بس شگفتگی اور مسکراہٹ باقی رہ گئی۔

وہ سرسری سے لہجے میں بولا.......... "اور اگر تم بتا بھی دو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دنیا کے تمام سائنس دان اپنی تمام تر سائنسی ایجادات کے ساتھ بھی سمندر میں اتر آئیں تو ہماری دنیا تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے.........."

"پھر بھی.......... تم نے مجھے اس راز میں شریک کرنا کیوں پسند کیا؟" یہ سوال ساجدہ کے

ہونٹوں پر آہی گیا۔

"دراصل تمہیں شاید معلوم نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم ایک غیر معمولی ذہن کی مالک ہو.......... لیکن تمہارے ذہن سے صحیح کام نہیں لیا جاسکا۔ صرف کچھ دولت کما کر تم سمجھ رہی ہو کہ تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی اور اپنے ذہن کو بہت اچھی طرح استعمال کرلیا.......... حالانکہ ابھی تمہاری ذہنی صلاحیتوں کا شاید دسواں حصہ بھی استعمال نہیں کیا جاسکا۔ مجھے تمہارے ذہن سے شعاعیں سی نکلتی محسوس ہوتی ہیں.........."

ساجدہ شرمیلے سے انداز میں ہنس دی اور بات کو مذاق میں ٹالنے کے انداز میں بولی.......... "شاید وہ غصے کی لہریں ہوں.......... مجھے کبھی کبھی غصہ بہت آتا ہے.........."

وہ وجاہت کو یہ نہیں بتاپائی کہ جب سے عکس کا اس کے پاس آنا جانا بالکل کم ہوا تھا تب سے کبھی کبھی اس پر چڑچڑاہٹ کے دورے پڑنے لگے تھے.......... اور کبھی وہ ڈپریشن کا شکار بھی ہو جاتی تھی۔ وہ اس کی قربت کے نشے کی عادی ہوگئی تھی اور اب یہ نشہ اسے چھوڑنا پڑ رہا تھا۔

وہ وجاہت کو یہ بھی نہیں بتا سکی کہ اس کی کاروباری کامیابیاں بھی درحقیقت عکس ہی کی مرہون منت تھیں۔ وہ تو کاروبار کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھی۔ اس نے تو خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کبھی دولت مند ہوگی۔ اگر عکس اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے زندگی کی شاہراہ پر دوڑنے پر مجبور نہ کرتا تو شاید آج بھی وہ اسی طرح سر جھکائے اپنے گردوپیش سے بے نیاز دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہی ہوتی.......... شاید آج بھی وہ ایک اسکول ٹیچر ہی ہوتی۔

مگر کوئی بعید نہیں تھا کہ اس مقام تک اتنی جلدی پہنچنے میں اس کی اپنی صلاحیتوں کا بھی کچھ نہ کچھ دخل رہا ہو.......... وجاہت کہہ رہا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی ذہن کی مالک تھی۔

وہ خود ایک غیر معمولی دنیا کا غیر معمولی انسان تھا۔ اس کی رائے یکسر بے بنیاد تو نہیں ہوسکتی تھی۔

لیکن پھر ایک اور شبہے نے اس کے ذہن پر سر ابھارا.......... کہیں وہ اس پر تعریف اور خوشامد کا وہی پرانا ہتھیار تو نہیں آزما رہا تھا جس سے وہ کالج کے زمانے میں لڑکیوں کی طرف اپنی پیش قدمی کا آغاز کیا کرتا تھا۔ حسن اور صلاحیتوں کی بے جا تعریف نوعمر لڑکیوں پر نشے کا سا اثر کرتی تھی.......... لیکن ساجدہ اب ایک پختہ کار عورت تھی۔ وہ جھوٹی باتوں سے متاثر نہیں ہوسکتی تھی.......... مگر وجاہت کے لہجے میں جھوٹ نہیں تھا۔ اسے کم از کم لہجوں کو پرکھنے کا سلیقہ تو تھا.......... اور اس نے وجاہت کے لہجے میں صداقت محسوس کی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا.......... "ہماری دنیا میں خوبصورتی کا سب سے بڑا معیار غیر معمولی ذہن ہے.......... ظاہری شکل وصورت ثانوی اہمیت رکھتا ہے.......... اگر کوئی انسان صرف اچھے ذہن کا مالک ہو لیکن اس کی شکل وصورت معمولی ہو تب بھی ہمارے ہاں اسے خوبصورت شمار کیا جاتا ہے.......... اور اگر کوئی اچھے ذہن کے ساتھ ساتھ تمہاری اور میری طرح اچھی شکل وصورت

کا بھی مالک ہو تو وہ خاص لوگوں میں شمار ہوتا ہے..........."

ساجدہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی........... "کتنے وضعدار ہو تم.......... میرا دل رکھنے کے لئے تم نے مجھے بھی اپنے ساتھ خوش شکلوں میں شمار کرلیا........... بہت شکریہ..........."

"کون کہتا ہے تم خوش شکل نہیں ہو........... ایک اندھا بھی تمہاری خوبصورتی کو محسوس کرسکتا ہے..........." وہ بہت زور دے کر بولا۔

"میرا خیال ہے اس جملے کو تھوڑی سی تصحیح کی ضرورت ہے"........... ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی........... "دراصل ایک اندھا ہی مجھے خوبصورت شمار کرسکتا ہے..........."

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا.......... "اور نہ ہی ہم دونوں اب عمر کی اس منزل میں ہیں جہاں جھوٹی تعریفوں سے ایک دوسرے کو لبھایا جاسکے.......... ہم پختہ العمر اور پریکٹیکل لوگ ہیں۔ سچی اور صحیح گفتگو سے بھی ایک دوسرے کے دل میں گھر کرسکتے ہیں.......... تم کبھی آزما کر دیکھ لینا۔ تمہاری دنیا کے عام سے لوگوں میں بھی جو بینائی سے محروم ہوتے ہیں ان کی دیگر حسیات قدرے غیر معمولی ہوتی ہیں.......... انہیں اگر تم خوبصورت ماحول میں لے جاؤ تو وہ اسے محسوس کرلیتے ہیں۔ اگر تم ان سے پوچھو تو وہ کافی حد تک تمہیں صحیح نشانیاں بتادیں گے.......... مثلاً" وہاں جھیل ہے........... خوبصورت پھول کھلے ہیں.......... اور اگر ماحول پر افسردگی یا بدصورتی کا راج ہو تو وہ اسے بھی محسوس کرلیں گے خواہ انہیں کچھ بھی نہ بتایا جائے اور خواہ وہ کوئی آواز نہ سنیں.......... اسی طرح وہ خوش مزاج اور خوبصورت انسانوں کی موجودگی کو بھی محسوس کر لیتے ہیں خواہ وہ انسان خاموش ہی ہوں۔ خوبصورت چیزوں اور خوبصورت و خوش مزاج انسانوں کا ماحول پر اپنا ایک الگ اثر ہوتا ہے جسے حساس ذہن آنکھوں کے بغیر بھی محسوس کرسکتے ہیں۔ میں نے محض محاورہ نہیں بولا تھا..........."

"اوہ.......... مائی گاڈ!" ساجدہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔ "تم نے تو مجھے خوبصورت ثابت کرنے کے لئے اتنی لمبی تقریر جھاڑ دی.......... چلو مان لیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو درست کہہ رہے ہو.......... لیکن مقصد کیا ہے تمہارا؟ مجھے اپنی دنیا کی شہریت دینا چاہتے ہو؟"

"یہ تو تمہاری مرضی پر منحصر ہے.........." وہ کندھے اچکا کر بولا.......... "ویسے یہ اتنا آسان کام بھی نہیں.......... لیکن تمہیں شاید ہمارے ہاں رہنے کی اجازت مل ہی سکتی ہے۔ تمہارے ہاں کے نمایاں افراد میں سے بعض ہمارے ہاں منتقل ہوتے رہتے ہیں.......... لیکن انہیں اس دنیا کو مکمل طور پر چھوڑنا پڑتا ہے.......... جبکہ ہمارے ہاں کے اصل باشندوں کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ جب چاہیں' جہاں رہیں.......... ان کا ایک مستقل گھر بہرحال سمندر کے نیچے موجود رہتا ہے..........."

"تمہارا مطلب ہے کہ تمہاری دنیا کے لوگ ہماری دنیا میں رہتے ہیں؟" ساجدہ نے حیرت

سے پوچھا۔

"ہاں.......... اچھے خاصے لوگ رہتے ہیں.........." وجاہت نے اثبات میں سرہلایا۔ "بعض تو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ یہیں گزار دیتے ہیں۔ یہیں شادیاں تک بھی کرلیتے ہیں۔ بعض آتے اور جاتے رہتے ہیں.......... مثلاً" میں چار سال یہاں رہا ہوں۔ شاید تم نے بھی یہ مشاہدہ کیا ہو کہ بعض لوگ برسوں نظروں کے سامنے رہتے ہیں پھر یکایک اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا.......... ان میں سے بعض تو واقعی تمہاری دنیا کے لوگ ہوتے ہیں اور حادثاتی طور پر یا کسی اور وجہ سے غائب ہو جاتے ہیں لیکن بعض ہماری دنیا کے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی دنیا میں واپس لوٹ آتے ہیں.........."

"لیکن جب تمہاری دنیا اتنی پرامن' خوبصورت اور ترقی یافتہ ہے تو لوگ یہاں کیوں آتے ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"تبدیلی آب وہوا اور تفریح طبع کے لئے.......... محض شغل کے طور پر آجاتے ہیں۔ جیسے تم لوگ کبھی کبھی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر مچھلی کے شکار کے لئے کسی دور افتادہ جھیل یا پکنک منانے کے لئے کسی جنگل وغیرہ میں چلے جاتے ہو۔ وہ یہاں کے کاموں میں عام آدمیوں کی طرح سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ میری طرح بعض نوجوانی کے زمانے میں تعلیمی اداروں میں بھی داخلے لے لیتے ہیں.......... حالانکہ یہاں کے کام اور یہاں کی تعلیم ہمارے لئے بچوں کا کھیل ہوتی ہے.......... لیکن ہم ان چیزوں سے انجوائے کرتے ہیں.........."

"تم لوگوں کی یہ تفریح ہمارے ہاں کے بہت سے انسانوں کی زندگی بھی خراب کرتی ہوگی.........." ساجدہ بولی.......... "مثلاً" تمہارا کوئی آدمی یہاں کی کسی لڑکی سے شادی کرکے تین چار بچوں کا باپ بن جانے کے بعد غائب ہو جاتا ہوگا تو اس عورت اور اس کے بچوں کی زندگی تو تباہ ہوجاتی ہوگی.......... عورت اپنے شوہر کی "پراسرار" گمشدگی پر روتے روتے مرجاتی ہوگی اور بچے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہوں گے؟"

"عام طور پر ایسا نہیں ہوتا.........." وجاہت نے گویا اسے اطمینان دلایا۔ "بعض اوقات آدمی اس وقت واپس آتا ہے جب میاں بیوی میں اختلافات کے سبب پہلے ہی علیحدگی ہوچکی ہوتی ہے.......... بعض میں اتنی محبت استوار ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو ساتھ ہی اپنی دنیا میں لے آتے ہیں۔ ایک مخصوص عمل سے گزارنے کے بعد ان کے ذہنوں کو صاف کردیا جاتا ہے۔ وہ اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ انہیں یاد نہیں رہتا کہ وہ کبھی کسی اور دنیا کے باسی تھے۔ ایسے بہت سے کنبے ہماری دنیا میں موجود ہیں.......... اگر کبھی اچانک کسی شخص کو مجبوراً" اپنی دنیا میں واپس آنا بھی پڑتا ہے تب بھی اس کی بیوی بچے دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھاتے.......... کیونکہ عام طور پر ہماری دنیا کے لوگ تمہاری دنیا میں جاتے ہیں تو اونچے طبقے میں شامل ہوتے

ہیں.......... تمہاری دنیا میں ان کے لئے دولت لے کر آنا یا یہیں دولت کمانا قطعاً" کوئی مسئلہ نہیں ہوتا.......... وہ غائب بھی ہو جاتے ہیں تو ان کے بیوی بچے عیش و آرام ہی کی زندگی گزارتے ہیں.......... اور اگر عورت زیادہ جذباتی نہ ہو تو عموماً" وہ دوسری شادی کر لیتی ہے۔ ہم بے شک سائنسی طور پر بہت زیادہ ترقی یافتہ لوگ ہیں.......... لیکن اس کے باوجود ہم باضمیر ہیں.......... ہم کسی کو دھوکا دینا' نقصان پہنچانا یا گھاٹے میں رکھنا پسند نہیں کرتے.......... سائنسی ترقی نے ہم سے ہماری انسانی اقدار نہیں چھینی ہیں.......... بلکہ ہم نے انسانی اقدار کے سہارے ہی سائنسی ترقی کی ہے.........."

"یعنی بنیادی طور پر تم لوگ ہماری ہی دنیا کے انسان ہو؟" ساجدہ نے اسے سمجھنے کی غرض سے کریدنے کی کوشش کی۔

"ہماری تاریخ کچھ دھندلکوں میں لپٹی ہوئی ہے.......... اور ہم نے اسے زیادہ کریدنے کی کوشش بھی نہیں کی.........." وجاہت بولا.......... "لیکن عام خیال یہی پایا جاتا ہے کہ ہزاروں سال پہلے ہم بھی اسی کرۂ ارض پر آباد تھے.......... لیکن ہمارا طبقہ انسانوں کا نفیس ترین اور ذہین ترین طبقہ تھا۔ وہ اپنے اردگرد کے انسانوں سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اسے ان کا مستقبل تاریک نظر آتا تھا کیونکہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جانوروں کی طرح آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے۔ تشدد کرتے تھے۔ ہر جگہ طاقتور کمزوروں کا جینا دوبھر کئے رکھتے تھے۔ ہر شخص اپنا نقطۂ نظر دوسرے پر طاقت کے ذریعے ٹھونسنے کی فکر میں رہتا تھا۔ دو ملکوں کا ایک دوسرے سے متفق ہونا تو درکنار' دو پڑوسی تک ایک دوسرے سے متفق نہیں ہوتے تھے۔ لالچ ہر ایک میں بے پناہ تھا۔ لالچ کے تحت بیشتر لوگ اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے کے لئے بھی تیار رہتے تھے۔

بعض لوگ دولت کا انبار لگانے میں مصروف رہتے تھے اور اسے ہی ترقی کی انتہا سمجھتے تھے.......... بعض لوگ ہتھیاروں کے انبار لگاتے رہتے تھے اور اسے ترقی کی علامت سمجھتے تھے۔ کوئی مذہبی نظریات کی بنا پر لڑ رہا تھا۔ کوئی زبان اور قبیلے کے اختلاف پر دوسرے کا خون بہا رہا تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔

دنیا ایک عجیب وغریب خلفشار اور افراتفری کا بھیانک نمونہ تھی۔ ہم جیسے لوگوں کی بات کوئی نہیں سنتا تھا۔ بظاہر بڑے معقول اور دانشور نظر آنے والے بعض افراد بھی اس شیطانی سیلاب میں بہہ چکے تھے۔ دنیا کے نفیس ترین اور ذہین ترین طبقے کو دنیا کا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اس بھیانک سیلاب سے الگ کر لیا۔ وہ لوگ بہت تھوڑی تعداد میں تھے.......... وہ گویا دنیا سے منہ چھپا گئے۔ انہوں نے زیر زمین اپنا ٹھکانا کر لیا کہ دنیا کے شر سے محفوظ رہیں اور انہیں انتہا درجے کی خباثتوں کا تماشا نہ کرنا پڑے..........

بعد میں سمندروں کے رخ بدل گئے.......... ان کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے اوپر پانی آ گیا لیکن اس وقت تک وہ سائنسی طور پر اتنی ترقی کر گئے تھے کہ انہوں نے پانی کو اپنے شہروں میں داخل نہ ہونے دیا.......... اور پھر رفتہ رفتہ وہ خود بھی سمندری مخلوقات کی طرح پانی کے عادی ہوتے چلے گئے.......... انہیں پانی سے کوئی خطرہ نہ رہا.........."

وجاہت نے خاموش ہو کر گہری سانس لی۔ ساجدہ دم بخود بیٹھی تھی۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وجاہت بولا.......... "یہ ہے ہمارے پس منظر کے بارے میں ایک مفروضہ.......... لیکن کوئی بھی اس کے بارے میں زیادہ پریقین نہیں ہے.......... تاہم یہی نظریہ حقائق سے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔"

"اور دنیا کی آج بھی وہی حالت ہے.........." ساجدہ گہری سانس لے کر بولی۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ بری.........." وجاہت بولا.......... "وہ خباثتیں جن کا میں نے ذکر کیا وہ پہلے سے نہ جانے کتنے گنا بڑھ چکی ہیں۔ دنیا نے جو تھوڑی بہت ترقی کی ہے' اس سے کہیں زیادہ اس کی تباہی کی رفتار بڑھی ہے۔ دنیا بہت ہی تیزی سے اپنے انجام کی طرف جا رہی ہے.........."

"کیوں ڈرا رہے ہو.........." ساجدہ جھرجھری سی لے کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہر فرد کو' ہر شہر کو' ہر ملک کو اپنے اپنے اعمال کے نتیجے کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔ سب کی آنکھیں کھلی ہیں' سب کو معلوم ہے کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا.......... اس کے باوجود اگر لوگ اپنے لئے برے راستوں کا انتخاب کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ان کے دلوں میں کھوٹ ہے' ذہنوں میں خرابی ہے۔ ان کے اپنے اپنے کچھ اغراض ومقاصد ہیں جن کے لئے انہوں نے انسانی معاشرے یا دنیا کی بھلائی اور مفادات کو ٹھوکر مار کر ایک کونے میں پھینک دیا ہے۔ اب اس کا نتیجہ تو بھگتنا ہی پڑے گا.......... ان کو نہ سہی' ان کی آنے والی نسلوں کو سہی.......... اب نہ سہی' اب سے سو دوسو' پانچ سو' ہزار سال بعد سہی.........."

"تمہارے خیال میں دنیا کا مستقبل کیا ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"یہ نکمی اور بدفطرت مخلوق اپنے آپ کو اپنے ہی بنائے ہوئے ہتھیاروں سے تباہ کر لے گی.......... یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں' یہ چھوٹے چھوٹے مفادات کے جھگڑے' یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں بڑھتے بڑھتے ایک دن بالکل ہی غیرمتوقع سے انداز میں پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیں گی۔ خفیہ ٹھکانوں پر چھپے ہوئے بھیانک اور بے ہودہ ہتھیار باہر آ جائیں گے جو انسانوں کا خون چوس چوس کر تیار کئے گئے ہیں.......... اور انہی سے بچے کھچے انسان اپنے آپ کو صفحہ ہستی سے مٹالیں گے.......... دنیا ایک بھیانک ویرانہ رہ جائے گی۔ ہر طرف بس ایٹمی اور کیمیائی دھوئیں کے مرغولے ہوں گے۔ جنگلوں کی راکھ اور عمارتوں کے ملبے کے ڈھیر ہوں گے۔ بھاپ

اور دھویں کے بادل ہوں گے.......... کہیں کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہیں ہوگا۔ دریاؤں اور سمندروں کے رخ بدل چکے ہوں گے.......... ان کے کنارے کٹ پھٹ چکے ہوں گے.......... ان کا پانی زہریلا ہو چکا ہوگا.......... پہاڑ شق ہو چکے ہوں گے.......... اس خوبصورت زمین کا چہرہ بگڑ چکا ہوگا۔ ہر طرف اک سکوتِ مرگ طاری ہوگا.........."

"اف.......... میرے خدا..........!" ساجدہ کو دوبارہ جھرجھری سی آگئی۔ "تم تو بہت ہی زیادہ ڈرانے والی باتیں کر رہے ہو.........."

"میں کوئی نئی بات تو نہیں کر رہا.........." وہ سادگی سے بولا.......... "یہ باتیں سینکڑوں سال سے مختلف پیرائے میں' اس سے بھی زیادہ موثر انداز میں انسانوں کو بتائی جا رہی ہیں۔ سب کو معلوم ہیں لیکن یا تو لوگوں کو ان پر یقین نہیں ہے یا پھر ان کی پروا نہیں ہے.........."

"بس.......... تو پھر یہاں دنیا کی کہانی ختم ہو جائے گی؟" ساجدہ نے سہمے ہوئے سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں.......... ہم لوگ سمندر کی تہہ سے بھی نیچے ہونے کی وجہ سے بچ جائیں گے.........." وجاہت اطمینان سے بولا.......... "جب کرہ ارض کی فضا سے تابکاری اور کیمیائی اثرات دور ہو جائیں گے تب ہم لوگ اوپر آجائیں گے اور اس دنیا کو ایک نئے سرے سے آباد کریں گے.......... ایک پلاننگ کے تحت.......... ایک بہت بڑے منصوبے کے تحت.......... قاعدے' قرینے کے تحت.......... اس وقت دنیا کی کوئی پلاننگ' کوئی سمت' کوئی منزل نہیں ہے۔ انسانوں نے اسے ایک بے ہنگم خودرو جنگل کی طرح بنا دیا ہے۔ ہم ان کے انجام سے عبرت پکڑتے ہوئے دنیا کو زیادہ بہتر اور اصلاح شدہ انداز میں آباد کرنے کی کوشش کریں گے.........."

وہ گہری سنجیدگی اور وثوق سے یہ باتیں کر رہا تھا۔ ساجدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

کافی دیر کے سکوت کے بعد ساجدہ بولی۔ "تم نے تو واقعی دنیا کے انجام سے ڈرا دیا حالانکہ منطق اور حالات کی روشنی میں سوچا جائے تو دنیا کا انجام کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے.......... لیکن دل کو بس کچھ اطمینان سا رہتا ہے کہ معلوم نہیں اس انجام کو پہنچتے پہنچتے ابھی کتنے برس.......... یا کتنی صدیاں اور لگ جائیں.......... چلو تب تک تو زندگی جس طرح گزرتی ہے گزارے جاؤ۔"

"بس.......... لوگ اسی طرح شترمرغ کے سے انداز میں ریت میں منہ چھپائے رہیں گے اور خوفناک تباہی اچانک انہیں آن گھیرے گی۔" وجاہت متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "اس میں خواہ کتنا ہی عرصہ باقی ہو.......... لیکن تمہیں کم از کم یہ تو سوچنا چاہیئے کہ آنے والی نسلوں کا کیا قصور ہے جو تم ان کیلئے ایسی دنیا چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"آنے والی نسلوں کا قصور یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی حالات کو' اس دنیا کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ وہ اپنے ساتھ زیادہ غلاظت لے کر اس ریلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ انسان اگر ماحول اور نظام کو بدلنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کم از کم انفرادی سطح پر اپنے کردار اور اپنے اعمال کو ہی درست کرنے کی کوشش کرے۔" ساجدہ بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "مگر کوئی ایسی کوشش بھی نہیں کرتا کیونکہ اس میں کہیں صبر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کہیں نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے اور یہ ذرا مشکل سے کام ہیں۔ اس لئے ہر شخص اس خلفشار کو بڑھانے میں مصروف ہے۔ اسے کم کرنے کیلئے کوئی کچھ نہیں کر رہا۔ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ خلفشار کو کم کر رہے ہیں' وہ بھی درحقیقت خلفشار کو بڑھا رہے ہیں۔"

"ہاں.......... تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" وجاہت نے تسلیم کیا۔

ساجدہ قدرے جوشیلے لہجے میں بولی۔ "اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہر ایک کے پاس اپنی لوٹ مار' بے ایمانی' قتل وغارت' تشدد' رشوت خوری' دروغ گوئی اور منافقت کے جواز موجود ہیں۔ ڈاکو سے پوچھو کہ وہ کیوں لوگوں کو لوٹ رہا ہے' قتل کر رہا ہے.......... تو وہ ایک لمبی کہانی سنا دے گا۔ تاجر سے پوچھو وہ کیوں بے ایمانی کرتا ہے' وہ وجوہات کی ایک لمبی فہرست گنوا دے گا۔ افسروں سے پوچھو کہ وہ کام کیوں نہیں کرتے' وہ آپ کو عجیب وغریب پیچیدہ قسم کی کہانیاں سنائیں گے۔ طالب علموں سے پوچھو کہ انہوں نے کیوں اندھیر مچا رکھا ہے وہ آپ کو ایک لمبی داستان سنائیں گے۔ جب تانا بانا اتنا الجھ چکا ہو' جب ہر ایک کے پاس اپنی خباثتوں کے لمبے چوڑے جواز موجود ہوں۔ جب ہر ایک اپنی نظر میں معصوم' بے گناہ اور راست باز' ہر کوئی یہ کہہ رہا ہو کہ اس میں فلاں برائی' فلاں مجبوری کی وجہ سے آئی ہے تو پھر اس معاشرے کو' اس دنیا کو کوئی نہیں سدھار سکتا۔ بہت کم امید رہ جاتی ہے اس کے بارے میں' اس میں سوال گزرتی ہوئی نسل یا آنے والی نسل کا نہیں۔ یہاں تو سبھی کچھ الجھ چکا ہے۔ سبھی کچھ گڈمڈ ہے۔"

"ہاں.......... یہ درست ہے۔" وجاہت نے پرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سرہلایا۔

"میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ دنیا بہت تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف جا رہی ہے۔ جیسے اعمال ہیں' انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔" ساجدہ بولی۔

"اور مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمہاری دنیا میں اس تباہی کو روکنے کے لئے.......... یا اس کے انجام کو خوشگوار بنانے کے لئے کوئی بھی کچھ نہیں کر رہا۔" وجاہت بولا۔

"نہیں.......... کچھ لوگ ہیں جو دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اپنی سی سعی کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہے اور ان کی کوشش اتنی بے اثر ہیں کہ وہ اپنی

بے وقعتی پر خود شرمندہ ہیں۔ انہیں اگر تمہاری دنیا کا پتہ چل جائے تو شاید وہ بھی پناہ لینے کیلئے یہاں دوڑے چلے آئیں۔" ساجدہ افسردگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

دفعتہً وہ جھرجھری سی لے کر چونکی۔ "یہ تم نے مجھے کونسی باتیں کرنے پر مجبور کر دیا۔ میں اس قسم کی باتیں کرنا پسند نہیں کرتی۔ میں اندر سے ایک مایوس عورت ہوں۔ میں نہیں چاہتی لوگ یہ سمجھیں کہ میں اپنی مایوسی ان پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ لوگ خوش گمان رہنا پسند کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں خوش گمان ہی رہنے دیا جائے۔"

پھر اسے جیسے کچھ اور یاد آیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہاری گاڑی تو آج بھی نظر نہیں آ رہی جس میں بقول تمہارے 'بغیر تار کا ٹیلیفون لگا ہوا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے آج سہ پہر مجھے فون کہاں سے کیا تھا؟"

"اب جبکہ میں نے تمہیں اپنے بارے میں اصل اور بڑی بڑی باتیں بتادی ہیں تو چھوٹی چھوٹی باتیں بتادینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔" وجاہت گہری سانس لے کر بولا۔ "میں چونکہ آج کل مستقل طور پر اپنی دنیا میں ہی رہ رہا ہوں۔ اس لئے مجھے تمہاری دنیا کی گاڑیوں یا کسی اور سواری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں تو شام کو بس کچھ دیر کیلئے سمندر سے نکلتا ہوں۔ باقی رہا تمہیں فون کرنا۔ تو وہ کوئی مسئلہ نہیں.........

اس نے قریب پڑا ہوا اپنا عجیب سے کپڑے کا بنا ہوا لبادہ اٹھایا اور اس کی جیب سے پلاسٹک جیسی کسی چیز کا بنا ہوا ایک کارڈ نکالا۔ سائز میں وہ تاش کے پتے سے بھی چھوٹا تھا۔ اس پر انتہائی خوبصورت رنگوں کے چھوٹے چھوٹے خانے ایک خاص ترتیب سے بنے ہوئے تھے۔ کارڈ کا اپنا رنگ بھی نہایت خوبصورت تھا لیکن اس کے بارے میں صحیح طور پر تشریح کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ کونسا رنگ تھا۔ ساجدہ نے آج تک اتنی خوبصورتی سے چھپا ہوا پلاسٹک کارڈ نہیں دیکھا تھا۔

کارڈ بظاہر کچھ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے پلاسٹک کی شیٹ پر کسی کیلکولیٹر کی بہت عمدہ اور رنگارنگ تصویر تیار کی گئی ہو لیکن وہ کسی نہایت ہی غیر معمولی مشین پر تیار کی گئی تصویر معلوم ہوتی تھی۔

وجاہت نے کارڈ کو ایک ہتھیلی پر رکھ لیا اور ساجدہ کے گھر کا فون نمبر دہراتے ہوئے بولا۔ "یہی نمبر ہے نا تمہارا؟"

"ہاں!" ساجدہ نے اثبات سے سر ہلایا۔

"تمہارا وزیٹنگ کارڈ ایک نظر دیکھتے ہی مجھے تمہارا فون نمبر یاد ہو گیا تھا۔" وجاہت داد طلب نظروں سے بولا۔

اس نے کارڈ پر انہی نمبروں کے خانوں کو باری باری انگلی سے محض ہلکا سا ٹچ کیا۔ کارڈ

کے ایک کونے پر ننھا سا سرخ دائرہ روشن ہو گیا جو پہلے وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔

وجاہت" ساجدہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "لو......... تمہارا نمبر مل گیا۔ تمہارے گھر پر فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ تمہارے خیال میں کون فون اٹھائے گا؟"

"عام طور پر ملازمہ اٹھاتی ہے۔" ساجدہ نے جواب دیا۔ "نور بی بی اس کا نام ہے۔"

دفعتہً کارڈ پر جھلملانے والا سرخ دائرہ سبز دائرے میں تبدیل ہو گیا اور وجاہت جلدی سے بولا۔ "دوسری طرف ریسور اٹھا لیا گیا ہے تم چاہو تو اپنے گھر بات کر سکتی ہو۔"

اسی لمحے ساجدہ کو صاف طور پر اپنی ملازمہ نور بی بی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون بول رہا ہے؟"

وجاہت نے کارڈ ساجدہ کے سامنے کرتے ہوئے اشارہ کیا کہ وہ بات کرے۔ ساجدہ کو تب اندازہ ہوا کہ آواز کارڈ سے آ رہی ہے۔ بالکل صاف اور واضح آواز۔ جیسے کوئی نہایت عمدہ ساخت کے ٹیلی فون سیٹ پر بول رہا ہو۔

"نور بی بی! میں ساجدہ بول رہی ہوں۔"

"اوہ......... بی بی جی آپ.........!" نور بی بی کا لہجہ فوراً مودبانہ ہو گیا۔

"کوئی مجھ سے ملنے تو نہیں آیا تھا؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"نہیں بی بی جی!" نور بی بی نے جلدی سے جواب دیا۔ "بس فیروز صاحب کا فون آیا تھا......... کارخانے سے......... انہوں نے کہا ہے کہ اگر آپ نے ایکسائز والی فائل دیکھ لی ہو تو صبح دفتر لیتی آئیے گا۔"

"اچھا' ٹھیک ہے۔" ساجدہ بولی۔ "میں اس وقت اپنی ایک دوست کے گھر ہوں۔ کچھ دیر تک آؤں گی۔"

"جی بہت اچھا۔" نور بی بی نے جواب دیا۔ وجاہت نے کارڈ پر ایک خانے کو انگلی سے چھوا اور اس کے کونے پر نظر آنے والا سبز دائرہ غائب ہو گیا۔ کارڈ میں جیسے کچھ دیر کیلئے جان سی آ گئی تھی۔ اب وہ دوبارہ بے جان سا ہو گیا۔

سلسلہ منقطع ہو چکا تھا لیکن ساجدہ ابھی تک دم بخود تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اسی چھوٹے سے کارڈ کے ذریعے گھر بات کی تھی۔ اس میں کوئی مشینری' کوئی بیٹری' کوئی نظام......... کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ کارڈ ٹیلیفون کا کام دیتا ہے.........!" وہ اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکی۔

"صرف فون ہی کا کام نہیں دیتا ہے۔" وجاہت اسے مزید حیرت زدہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"بلکہ یہ نہایت کثیرالمقاصد قسم کا کارڈ ہے۔ اس کے ذریعے تم صرف کسی کے فون پر ہی نہیں بلکہ کسی بھی قسم کے صوتی آلے پر بات کر سکتی ہو۔ یعنی اگر کسی کے گھر میں فون نہیں ہے لیکن

کوئی اور ایسی چیز موجود ہے جو آواز کے سگنل وصول کرنے یا نشر کرنے کے کام آتی ہے.......... مثلاً" ریڈیو.......... ٹی وی.......... وائرلیس.......... واکی ٹاکی.......... غرضیکہ اس قسم کی کوئی بھی چیز ہے تو اس پر تم بات کرسکتی ہو۔ حتیٰ کہ اس پر اگر تمہاری دنیا کے نظام کے تحت کوئی بھی نشریات یا کسی بھی فریکوئنسی پر کوئی بات چیت چل رہی ہو تم اسے روک کر اپنی بات کرسکتی ہو اور وہ شخص اس آلے کے ذریعے تمہیں جواب بھی دے سکتا ہے۔ یعنی وہی سیٹ بیک وقت ریسیونگ سیٹ بھی بن جائے گا اور ریلے سیٹ بھی۔ آواز کے سگنل وصول بھی کرنے لگے گا اور نشر بھی۔ خواہ اس سے پہلے وہ صرف یکطرفہ آلہ ہو۔ صرف اس کارڈ کی بدولت اس کا نظام بھی کچھ دیر کیلئے دو طرفہ ہوجائے گا۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" ساجدہ بولی۔ "لیکن تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہوگے۔"

"محض اس چھوٹے سے کارڈ کے ذریعے میں تمہیں کبھی ایک اور عجیب تماشا دکھاؤں گا۔" وجاہت بولا۔

"کبھی تم اپنے بیڈروم میں تنہا بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہوگی کہ اچانک اس کی اسکرین سے پروگرام غائب ہو جائے گا اور اس کی جگہ میری تصویر ابھر آئے گی۔ میں بالکل اس طرح تم سے باتیں کرسکوں گا جیسے تمہارے سامنے بیٹھا ہوں اور تم بھی میری باتوں کا جواب دے سکو گی۔ اس کارڈ کی پشت پر میں تمہاری متحرک تصویر بھی دیکھ سکوں گا۔"

"کیا واقعی؟" ساجدہ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ سے کارڈ لے کر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ مگر وہ واقعی محض ایک کارڈ تھا۔ اس میں بظاہر ایک ہی قابل ذکر خوبی نظر آرہی تھی کہ حد سے زیادہ خوبصورت تھا۔ ساجدہ نے امریکہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک کی پلاسٹک کی مصنوعات کے بہت عجیب عجیب نمونے دیکھے تھے مگر ایسی خوبصورتی اسے کسی چیز میں نظر نہیں آئی تھی۔

"تم میرے راز میں شریک ہوچکی ہو۔ اس لئے تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں۔" وجاہت بولا۔ "اور اب اگر میں تمہارے ساتھ اس طریقے سے کبھی رابطہ وغیرہ کروں گا تو تم خوفزدہ نہیں ہوگی۔ ہم لوگ تمہاری دنیا کے انسانوں کے ساتھ اس قسم کی حرکتیں کرتے نہیں ہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ کا خوف پھیل جائے۔ عجیب عجیب افواہیں اڑنے لگیں۔ لوگ پریشان ہوجائیں۔"

پھر وہ کارڈ کو ہتھیلی پر اچھالتے ہوئے بولا۔ "اور یہ تو ہمارے ہاں کی بالکل معمولی سی ایجاد ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں ٹیبل کلاک کے برابر ایک آلہ ہے جس کا صرف ایک بٹن دبانے سے تمہارے ملک کے تمام ٹی وی اسٹیشنوں' ریڈیو اسٹیشنوں اور وائرلیس

سیٹوں وغیرہ کی نشریات بالکل بند ہوسکتی ہیں۔ یعنی ہوا میں کسی بھی قسم کی سگنلز کا سفر بالکل ختم ہوجائے گا۔"

ساجدہ دم بخود اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بظاہر وہ بے یقینی کا اظہار بھی کر رہی تھی لیکن دل ہی دل میں اسے یقین تھا کہ وجاہت جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں تھا۔

کئی لمحے کے سکوت کے بعد وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "تم کب مجھے اپنی دنیا دکھانے لے چلو گے؟"

"جب تم چاہو۔" وہ بلا تامل بولا۔ "تم ابھی اور اسی وقت بھی میرے ساتھ چل سکتی ہو۔ یہ کونسا کوئی مشکل کام ہے۔ اس کیلئے کونسا ہمیں کوئی تیاری کرنی ہے۔ کسی کو ساتھ لے جانے یا لانے کے سلسلے میں مجھ پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔"

ساجدہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ سورج ڈوبنے کو تھا۔ دھوپ نارنجی ہوچکی تھی۔ وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "میں کتنی دیر تک واپس آسکوں گی؟"

"یہ بھی تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" وجاہت بولا۔ "تم جب چاہو گی میں تمہیں واپس چھوڑ جاؤں گا۔"

"مجھے تمہارے ساتھ سمندر میں اترنا ہوگا؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"لیکن میں پانی میں کیسے اتروں گی؟ مجھے تو نہ تیرنا آتا ہے.......... اور نہ ہی میں زیادہ دیر کیلئے سانس روک سکتی ہوں۔" ساجدہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"اوہ.......... اب میں سمجھا۔" وجاہت کو ہنسی آگئی۔ "تم اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں جب تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا ہوں تو میں نے ان مسائل کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا جو تمہیں پیش آسکتے ہیں؟"

"شاید سوچا ہو۔ مجھے اندازہ نہیں ہے۔" ساجدہ بولی۔

"تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔" وجاہت نے وثوق سے کہا اور اپنے قریب پڑا ہوا لبادہ ایک بار پھر اٹھا لیا۔

"سیدھی کھڑی ہو جاؤ۔" اس نے ساجدہ کو ہدایت کی۔ ساجدہ اس مسطح چٹان پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔

وجاہت وہ لبادہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اسے سر سے پاؤں تک اوڑھ لو۔"

وہ ایک عجیب وغریب ڈھیلا ڈھالا سا لبادہ تھا۔ اس میں کوئی بٹن وغیرہ نہیں تھا۔ ساجدہ نے اسے شٹل کاک برقعے کی طرح اوڑھا تو وہ نہایت آہستگی اور نرمی سے اس کے پورے وجود پر' سر سے لے کر پیروں تک اس طرح فٹ ہوگیا جیسے کسی نے اس کے جسم پر انتہائی باریک

ریشم کی ایک اور کھال چڑھا دی ہو۔

اسے احساس بھی تھا کہ اس کے وجود پر ایک ملائم اور باریک سی تہہ کا اضافہ ہو گیا ہے لیکن اس کی وجہ سے اسے کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی کوئی الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہر چیز کو اسی طرح آسانی سے دیکھ سکتی تھی جس طرح ایک لمحے پہلے دیکھ رہی تھی۔ اسی طرح آسانی سے حرکت کر سکتی تھی جس طرح پہلے کر رہی تھی۔

وجاہت اس کے مقابل کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں بے پناہ کشش تھی۔ وہ سرتاپا کشش تھا۔ ساجدہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ کیفیت اس پر طاری ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی کہ اس کے قلب و ذہن پر یہی واردات کسی اور مرد کو دیکھ کر گزرے۔ عکس گو کہ اب مہینوں میں ایک آدھ بار اس سے ملنے آتا تھا لیکن اس کا در دل اب بھی جذبوں کی انہی شدتوں کے ساتھ صرف اسی لئے وا رہتا تھا جو شناسائی کے اولین دنوں کا تحفہ تھیں۔ لمبے لمبے وقفوں کی جدائی اسے جو یاسیت بخش رہی تھی' وہ اب بھی اس سے لڑنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

لیکن یہ وجاہت اس کے دل میں کہیں نہ کہیں نقب لگا رہا تھا.........!"

ساجدہ نے سر جھٹک کر گویا ان تمام محسوسات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی اور سوالیہ نظروں سے وجاہت کی طرف دیکھا۔

وہ اطمینان سے بولا۔ "بس یہی ہے تمہاری کل تیاری۔"

پھر اس نے ساجدہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ساجدہ کو یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ کسی آہنی شکنجے میں پھنس گیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یا کچھ پوچھتی' وجاہت نے اس سمیت سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

اتنی بلندی سے اتنے گہرے پانی میں چھلانگ لگانے کا ساجدہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایک لمحے کے کیلئے تو جیسے اس کے دل کی دھڑکنیں رک گئیں۔ سطح چٹان سے پاؤں اکھڑتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے اور وجاہت کے ایک ساتھ پانی میں گرنے کا زور دار چھپاکا سنا.......... لیکن اسے نہ تو اپنے کپڑے گیلے ہونے کا احساس ہوا اور نہ ہی چہرے یا ہاتھ پیروں پر پانی کا لمس محسوس ہوا تاہم یہ احساس ضرور تھا کہ وہ پانی کو چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔

کئی لمحے تک اس کی آنکھیں کھولنے اور سانس لینے کی ہمت نہ پڑی۔ ڈرتے ڈرتے اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو اسے احساس ہوا کہ اس میں تو اسے قطعاً کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی وہ نہایت آسانی سے نہ صرف آنکھیں کھول سکتی تھی بلکہ اپنے گرد و پیش کا منظر

بھی صاف طور پر دیکھ سکتی تھی۔

اس نے دیکھا وجاہت اس کا ہاتھ اسی مضبوطی سے پکڑے کسی طاقتور اور تیز رفتار مچھلی کی طرح پانی کو چیرتا سطح آب سے بہت نیچے تیزی سے ایک طرف کو بڑھتا جا رہا تھا اور اسی رفتار سے ساجدہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی۔

چھوٹی بڑی مچھلیاں تیزی سے ان کے قریب سے گزرتی جا رہی تھیں۔ ان مچھلیوں کی رفتار تیز نہیں تھی وہ تو آرام سے ادھر ادھر لہراتی پھر رہی تھیں۔ رفتار تو وجاہت اور ساجدہ ہی کی تیز تھی ساجدہ کو بالکل ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے خشکی پر کھلی فضاء میں کچھ لوگ چہل قدمی کر رہے ہوں اور دو افراد تیزی سے دوڑتے ہوئے ان کے قریب سے گزرتے چلے جا رہے ہوں۔ چھوٹی بڑی مچھلیاں اس وقت "چہل قدمی" کر رہی تھیں جبکہ ساجدہ اور وجاہت "دوڑ" رہے تھے۔

وجاہت کچھ اس انداز سے پانی کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جیسے اس کے وجود میں کسی آبدوز کا انجن فٹ ہو۔ اس تیز رفتاری کی وجہ سے ساجدہ کو اپنے کانوں کے قریب پانی کی "شر شر" سنائی دے رہی تھی۔

غیر ارادی طور پر اس نے سانس لے لی وہ اتنی دیر تک سانس روکنے کی عادی نہیں تھی اور یہ محسوس کر کے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سانس لینے کے باوجود پانی اس کی ناک اور منہ میں داخل نہیں ہوا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے اور سانس لی وہ واقعی اتنی آسانی سے سانس لے سکتی تھی جیسے پانی میں نہیں بلکہ کھلی ہوا میں تیر رہی ہو پانی کا ایک قطرہ بھی اس کی ناک یا منہ میں داخل نہیں ہو رہا تھا۔

وجاہت نے اسے جو لبادہ دیا تھا وہ دراصل ایک شفاف جھلی کی طرح اس کے سر سے پاؤں تک منڈھ گیا تھا یہی جھلی اس کے اور پانی کے درمیان حائل تھی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس جھلی کے اندر وہ سانس اتنی آسانی سے کیونکر لے رہی تھی؟ اس میں تو کہیں ایک ننھے سے بلبلے کے برابر بھی آکسیجن ذخیرہ ہونے کی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وجاہت نے تو لبادے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا وہ تو اس کے بغیر ہی اطمینان سے چلا جا رہا تھا یہ بھی کچھ کم حیرت کی بات نہیں تھی۔

پھر ساجدہ نے سر ذرا اونچا کر کے دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ سطح آب سے بہت نیچے تھے اس کی معلومات کے مطابق سمندر میں جوں جوں گہرائی کی طرف جاتے تھے' روشنی کم ہوتی جاتی تھی اور گرد و پیش کا منظر دیکھنے میں مشکل ہوتی جا رہی تھی خصوصاً اس وقت جبکہ سورج ڈوب رہا تھا' اسے ہرگز توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سمندر میں اتنی گہرائی میں جا کر آسانی سے

اتنی دور تک کا منظر دیکھ سکتی تھی مگر وہ دیکھ رہی تھی اور اتنی ہی آسانی سے دیکھ رہی تھی جتنی آسانی سے اس وقت خشکی پر دیکھ سکتی تھی۔

پھر اس نے یہی سوچا کہ اسے اب ان باتوں پر بلکہ کسی بھی بات پر' حیران ہونا ترک کر دینا چاہئے۔ وجاہت نے اسے جو کچھ بتایا تھا اور جب وہ اس کے ساتھ چل ہی پڑی تھی' تو اسے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ ایک جہان حیرت کے سفر پر روانہ ہو رہی تھی جہاں قدم قدم پر اسے نت نئی حیرتوں ہی کا سامنا کرنا تھا۔

وہ کچھ اس طرح سفر کر رہے تھے کہ ایک سمت میں آگے بھی بڑھ رہے تھے اور بتدریج گہرائی کی طرف بھی جا رہے تھے۔

دفعتہً وجاہت اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور باآواز بلند بولا۔ "تم چاہو تو دوران سفر باتیں بھی کر سکتی ہو تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔"

ساجدہ نے دیکھا کہ بولتے وقت نہ تو وجاہت کے منہ سے پانی میں بلبلے بلند ہوئے تھے اور نہ ہی پانی اس کے منہ میں داخل ہوا تھا۔ اس کی آواز بالکل اسی طرح ساجدہ تک پہنچ رہی تھی جیسے وہ خشکی پر بیٹھا بات کر رہا ہو۔

ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں ساجدہ نے پوچھا۔ "ہمیں ابھی اور کتنا آگے جانا ہے؟" اسے بھی واقعی بولنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی۔

"تقریباً نو دس میل۔" وجاہت نے جواب دیا۔

"نو دس میل.........!" ساجدہ حیرت سے تقریباً چلا اٹھی۔

"اتنی دور.........؟"

"یہ کوئی زیادہ فاصلہ تو نہیں ہے۔" وجاہت اطمینان سے بولا۔ "چار پانچ میل کا فاصلہ تو ہم طے بھی کر چکے ہیں ذرا یہ بھی تو دیکھو کہ ہم کس رفتار سے جا رہے ہیں تم اپنی گاڑی میں کھلی سڑکوں پر بھی اس رفتار سے نہیں جاتی ہو گی چند منٹ میں ہم منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

دفعتہً ساجدہ ہڑبڑا کر وجاہت کے قریب ہو گئی ایک بڑی سی مچھلی جبڑا کھولے اس کے قریب سے گزری تھی وہ جسامت میں تقریباً انسان کے برابر تھی اور اس کی آنکھیں زمرد کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ مخالف سمت سے لہراتی آ رہی تھی اور ساجدہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

ایک ثانئے میں وہ اس کے قریب سے گزر گئی تھی لیکن ساجدہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وجاہت گویا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہیں کسی بھی سمندری مخلوق سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب تک یہ لبادہ تمہارے جسم پر ہے' کوئی وہیل مچھلی

بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی خطرناک سے خطرناک سمندری مخلوق بھی تمہارے قریب تو ضرور آ سکتی ہے لیکن تم سے مس ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی کترا کر گزر جائے گی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لبادے کے گرد ریڈیائی شعاعوں کا ایسا ہالہ سا موجود رہتا ہے جو خاص طور پر سمندری مخلوق کو دور رکھتا ہے تمہیں چھوتے ہی ان کی وہی حالت ہو گی جو کرنٹ لگنے سے انسان کی ہوتی ہے۔" وجاہت نے بتایا۔ "یہ لبادہ میں خاص طور پر تمہارے لئے ہی تو لایا تھا مجھے امید تھی کہ شاید آج تم میرے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

"اور تمہیں اس قسم کے لبادے وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی؟" ساجدہ نے پوچھا۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ کوئی بھی سمندری مخلوق تمہارے قریب نہیں پھٹک رہی۔"

"میرے لئے صرف میرا ٹراؤزر ہی کافی ہے ویسے بھی کوئی سمندری جانور میرے قریب نہیں آ سکتا جس طرح جنگل میں شیر کے قریب کوئی نہیں پھٹکتا۔" وہ مسکرایا۔

"تو کیا تم سمندر کے شیر ہو؟" ساجدہ نے قدرے استہزائیہ سے لہجے میں پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔" وجاہت بولا۔ "یہاں تو خیر مگرمچھ اور بڑی وہیل مچھلیاں نہیں پائی جاتیں لیکن اگر میں سمندر کے ان حصوں میں چلا جاؤں جہاں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں' تب بھی وہ میرے قریب نہیں آئیں گی ان کی وہ حیوانی جبلت جو انہیں خطرے کا احساس دلاتی ہے' انہیں میرے قریب آنے سے باز رکھے گی۔"

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا۔ "اگر تم اسے خودستائی یا خودنمائی کا اظہار نہ سمجھو تو میں بتاؤں کہ کسی سائنسی ایجاد کی مدد کے بغیر بھی میں محض خالی ہاتھوں سے کسی مگرمچھ یا بڑی وہیل مچھلی کا جبڑا چیر سکتا ہوں۔ ان سب کیلئے میں ایک خطرناک سمندری مخلوق ہوں۔"

"اوہ........." ساجدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی وہ کسی بھی اعتبار سے خطرناک دکھائی نہیں دیتا تھا صرف خوبصورت اور طاقتور نظر آتا تھا لیکن اگر وہ کہہ رہا تھا تو پھر یقیناً" اس کی شخصیت میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کیلئے خوفناکی ضرور پنہاں ہو گی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ساجدہ بولی۔ "تم میرا صرف ایک ہاتھ پکڑ کر جس رفتار سے کھینچے لئے جا رہے ہو' مجھے اندیشہ ہے کہ میرا بازو ہی اکھڑ کر تمہارے ہاتھ میں نہ آ جائے کندھے پر بے پناہ کھنچاؤ پڑ رہا ہے۔"

"کچھ دن میرے ساتھ ادھر ادھر آؤ جاؤ گی تو ایسی چھوٹی موٹی بلکہ بعض بڑی بڑی تکالیف بھی برداشت کرنے کی عادی ہو جاؤ گی۔" وجاہت بولا۔ "ویسے گھبرانے کی بات نہیں۔" "تم میری دنیا کے دروازے پر پہنچ چکی ہو اور ہمیں اس میں صرف آٹھ منٹ لگے ہیں۔"

"مجھے تو لگ رہا ہے جیسے ہمیں سفر کرتے آٹھ دن گزر چکے ہیں۔" ساجدہ طویل سانس

لے کر بولی۔

"اگر میں اپنی گاڑی لایا ہوتا تو ہم صرف چند سیکنڈ میں پہنچ چکے ہوتے۔" وجاہت بولا۔ "لیکن میں چونکہ محض تفریح اور وقت گزاری کیلئے آتا ہوں اس لئے گاڑی لے کر نہیں آتا۔"

"گاڑی........."! ساجدہ بولی۔ تو کیا تمہاری گاڑی پانی میں چلتی ہے؟"

"اوہ........." وجاہت دھیرے سے ہنسا۔ "گاڑی کا نام سنتے ہی تمہارے ذہن میں اپنی دنیا کی کار کا تصور آیا ہوگا۔ میں جس گاڑی کا ذکر کر رہا ہوں وہ ہے تو میری کار ہی......... لیکن تمہاری کار سے بہت مختلف ہے۔ ساخت میں وہ ایک بڑی سی فٹ بال کی طرح ہے۔ وہ پانی' خشکی' ہوا اور خلا......... غرض کہ ہر جگہ چل سکتی ہے۔"

اب وہ آگے بڑھنے کے بجائے تیزی سے سمندر کی تہہ کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے اردگرد سمندری مخلوقات اب بہت زیادہ تعداد میں دکھائی دے رہی تھیں وہ گویا ان کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے جا رہے تھے۔ انہی میں ساجدہ کو ایک عجیب مچھلی بھی دکھائی دی۔

جامنی رنگ کی وہ مچھلی تقریباً فٹ بال ہی کی طرح گول تھی مگر اس کے جسم پر آئینے کی طرح چھوٹے چھوٹے گول چمکیلے دائرے تھے جن سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے پتھریلے جسم پر آئینے کے چھوٹے چھوٹے گول ٹکڑے چپکائے گئے ہوں اور اس پر رنگ برنگی روشنیاں ڈالی جا رہی ہوں جن کے عکس منعکس ہو رہے ہوں۔ وہ بھی دوسری چیزوں کی طرح تیزی سے ساجدہ کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔

"یہ بھی سچ مچ کی مچھلی تھی یا کوئی سائنسی ایجاد تھی؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"سچ مچ کی مچھلی تھی۔" وجاہت نے جواب دیا۔ "سمندر میں جتنی اور جیسی جیسی مخلوقات موجود ہیں' اگر تم ان سب کو دیکھ پاؤ تو قدرت کی صناعی پر دنگ رہ جاؤ۔ ان کے سامنے ہماری سائنسی ایجادات بھی کچھ نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ ہم سائنسی ترقی میں تم لوگوں سے سینکڑوں سال آگے ہیں لیکن ہم بھی سمندر کی کسی بالشت بھر مخلوق کے برابر کوئی ایک چیز نہیں بنا سکے جو دست قدرت کی مہارت' مشاقی اور خوبصورتی کا ذرہ برابر ہی مقابلہ کر سکے۔"

پھر وہ پانی میں اپنا رخ بدلتے ہوئے بولا۔ "دراصل فطرت سب سے بڑی سائنس دان ہے۔ ہم نے اس اصول کو سمجھنے کے بعد ہی سب سے زیادہ سائنسی ترقی کی ہے ہم نے فطرت کی زبان سمجھ لی اور ہمارے سامنے عقدے حل ہوتے چلے گئے۔ ہم نے فطرت کی حاکمیت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ ہماری ترقی تو درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ ہم تو صرف فطرت کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔"

اس دوران وہ تہہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ہر طرف سرمئی سی ریت کا اونچا نیچا فرش تھا۔ اس پر کہیں عجیب عجیب سے جھاڑ جھنکاڑ تھے۔ کہیں چھوٹی موٹی سنگلاخ چٹانیں بھی ابھری

ہوئی تھیں۔ کہیں بے ہنگم اور بڑے بڑے کھردرے پتھر ریت میں دھنسے ہوئے تھے۔

یہاں مچھلیاں وغیرہ بہت آہستگی سے حرکت کر رہی تھیں بعض تو پانی میں بالکل ساکت اور معلق تھیں۔ ایک طرف پتھر کے پاس ساجدہ نے ایک بہت بڑا کچھوا بیٹھے دیکھا۔ وہ خود بھی اپنی جگہ بہت بڑا پتھر معلوم ہو رہا تھا لیکن اسی لمحے اس نے گردن اپنے خول سے نکال کر ادھر ادھر گھمائی تو ساجدہ پر انکشاف ہوا کہ وہ کچھوا تھا۔

"اس جگہ اتنا اندھیرا ہے کہ یہ آبی جانور بھی دیکھ نہیں سکتے۔" وجاہت بولا۔ "اور ان میں بعض مچھلیاں وغیرہ تو بلندی کی طرف جاتی ہی نہیں ہیں۔ مستقل طور پر اندھیرے میں رہ کر وہ اندھی ہوجاتی ہیں۔ ان کی آنکھیں ناکارہ ہوجاتی ہیں۔ صرف میں اور تم یہاں اتنی آسانی سے دیکھ رہے ہیں۔ تم اس لبادے کی بدولت اور میں........." وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ "اور میں تو خیر مخلوق ہی ذرا الگ ہوں۔"

وہ ایک جگہ جا رکا اور ریت پر سیدھا کھڑا ہوگیا یہاں زمین کا ایک کافی بڑا قطعہ بالکل صاف اور ہموار نظر آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اتنے حصے میں کوئی مچھلی وغیرہ بھی نہیں تیر رہی تھی۔

وجاہت جہاں رکا تھا وہاں سامنے ہی زمین میں سنگ مرمر جیسا ایک چوکور سفید پتھر کا ٹکڑا پیوست نظر آ رہا تھا۔ وجاہت نے جھک کر اس پر انگوٹھا رکھ کر ہولے سے دبایا اور زمین کا ایک بہت بڑا چوکور ٹکڑا یوں باقی زمین سے الگ ہو کر پانی میں بلند ہوگیا جیسے کسی نادیدہ قوت نے وہ حصہ تراش کر اوپر اٹھا لیا ہو۔

اس جگہ خلا پیدا ہوگیا مگر سمندر کا پانی اس خلا میں داخل نہیں ہو رہا تھا۔ ساجدہ اس چوکور گڑھے کے عین کنارے پر کھڑی تھی غیرارادی طور پر اس نے جھانک کر ذرا نیچے دیکھنے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ نیچے صرف دودھیا رنگ کا دھوئیں سا بھرا ہوا تھا جس میں کہیں کہیں نقرئی اور سنہری ذرات بھی چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

وجاہت نے ابھی تک مضبوطی سے ساجدہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اس نے ایک لمحے کیلئے بھی ہاتھ چھوڑا نہیں تھا۔ شاید اسی لئے ساجدہ کا حوصلہ برقرار تھا۔ وجاہت نے اسے ساتھ لئے اس چوکور خلاء میں چھلانگ لگادی اور ساجدہ کی دھڑکنیں ایک بار پھر رکنے لگیں۔ وجاہت نے اسے قطعاً خبردار نہیں کیا تھا کہ وہ کتنی گہرائی میں کیسی جگہ پر جا کر گریں گے۔

لیکن دوسرے ہی لمحے ساجدہ کا دل سنبھل گیا۔ اسے یہ محسوس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ خالی جگہ میں گہرائی کی طرف گر رہے ہیں۔ بلکہ اسے کچھ ایسا لگا تھا جیسے اس نے انتہائی نرم دھنکی ہوئی' صاف وشفاف روئی کے ڈھیر میں چھلانگ دی ہے۔ وہ کچھ اس رفتار سے نیچے جا رہے تھے جس طرح پیراشوٹ سے لٹکے ہوئے لوگ کہیں اترتے ہیں۔ نہایت آہستگی اور آرام سے۔ کوئی جھٹکا نہیں لگ رہا تھا۔ دل نہیں ڈوب رہا تھا۔

لیکن وہ دودھیا اور خوابناک سا دھواں جیسے اس کے حواس پر کچھ کچھ اثر انداز ہوچکا تھا اس میں ایک عجیب مدہوش کن سی خوشبو تھی جو اس کے اعصاب میں گدگدی سی کر رہی تھی اور اسے ہلکی سی بے خودی کی طرف لے جارہی تھی جیسے اس نے کوئی معمولی سی نشہ آور چیز کھالی ہو۔

اسے یاد آیا کہ ایک بار اس کی طبیعت خراب تھی تو اس نے ڈاکٹر کے مشورے سے' نہایت کم طاقت کی دو خواب آور گولیاں کھالی تھیں۔ نیند اسے ان سے بھی نہیں آئی تھی لیکن اس کی کیفیت کچھ عجیب سی ہوگئی تھی وہ نہ تو صحیح طور پر بیدار تھی اور نہ ہی مکمل خوابیدہ۔ بلکہ درمیان میں کہیں لٹک گئی تھی اس کے حواس گویا سرور آمیز سے انداز میں ہلکورے لے رہے تھے۔

اس وقت بھی سفید دودھیا دھویں میں چھلانگ لگاتے ہی اس کی یکدم وہی کیفیت ہوگئی تھی۔

ساجدہ نے سر جھٹک کر اس کیفیت سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ ذرا چونکی سی ہوگئی۔ حواس میں کچھ بہتری آئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر وجاہت کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے شانہ بشانہ کھڑا تھا اور دونوں سیدھے کھڑے ہی کھڑے دھیرے دھیرے نیچے جارہے تھے۔

"کیا یہ میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں؟ کیا یہ کسی جادوئی فلم کا کوئی منظر ہے؟" ساجدہ نے اپنے آپ سے پوچھا.......... لیکن اسے معلوم تھا کہ ان دونوں ہی سوالوں کا جواب نفی میں تھا۔ اس کے حواس پر دھیما سا خمار ضرور تھا مگر وہ مکمل طور پر ہوش میں تھی۔ جو کچھ دیکھ رہی تھی انوکھا ضرور تھا مگر حقیقت تھا اور وہ جاگتی آنکھوں سے اس جہان حیرت میں داخل ہورہی تھی۔

"یہ کیسا نشہ آور سا دھواں ہے؟ کیا یہ حواس پر برا اثر ڈالتا ہے؟" اس نے بہ آواز بلند پوچھا.......... نہ جانے کیوں اسے احساس ہو رہا تھا کہ اتنے قریب سے بھی اس کی آواز آسانی سے وجاہت تک نہیں پہنچے گی..........

مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ وجاہت نے یوں سر ذرا پیچھے ہٹایا جیسے کہہ رہا ہو کہ اتنا زور سے بولنے کی کیا ضرورت ہے؟

وہ دھیمے لہجے میں بولا.......... "نہیں.......... نہیں.......... اس دھویں میں تو کچھ تاثرات وغیرہ نہیں ہیں.......... دراصل ہماری اور تمہاری دنیا کی آب وہوا میں تھوڑا سا فرق ہے اس نے ذرا سا اثر ڈالا ہے۔ تم پہلی بار یہاں آئی ہونا.......... لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں.......... یہ صرف چند منٹ کے لئے ہوگا.......... دوسری بار آؤ گی تو ذرا بھی محسوس نہیں ہوگا.........."

پھر وہ دھویں میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولا.......... "یہ دھواں نہیں.......... یہ تو ہماری خاص

الخاص اور کثیرالمقاصد قسم کی لفٹ ہے۔ یہ صرف ہماری دنیا میں داخلے کے واحد دروازے پر نصب ہے.........."

لفظ "نصب" پر ساجدہ کو ہنسی آگئی۔ وہ اس دودھیا سے دھویں کے نصب ہونے کی بات کر رہا تھا۔

وجاہت اس کی ہنسی کی وجہ سمجھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا.......... "مجھے اس کے لئے مناسب ترین لفظ یہی سوجھا تھا۔ یہ حقیقتہً ایک عجیب وغریب قسم کی لفٹ ہے جس کی تیاری میں کوئی ٹھوس چیز استعمال نہیں ہوئی اس کے ذریعے نہ صرف ہم اوپر نیچے آجاسکتے ہیں.......... بلکہ یہی ہماری چوکیدار بھی ہے۔ اس دھویں سے ہماری دنیا کی چیزوں اور افراد کے علاوہ کوئی چیز نہیں گزر سکتی۔ خواہ اس کے لئے کوئی بھی جتن کرلیا جائے.........."

"لیکن میں تو داخل ہوگئی ہوں.........." ساجدہ بولی۔

"تمہیں تو اس وقت ایک نہیں بلکہ دو قسم کے پروانہ راہ داری حاصل ہیں.........." وجاہت بولا.......... "ایک تو تم میرے ساتھ ہو۔ دوسرے تمہارے جسم پر یہ لبادہ موجود ہے۔ ان میں سے کوئی ایک سہولت بھی تمہیں حاصل ہوتی تو تم اس سرحدی چوکی' سے گزر سکتی تھیں.......... ورنہ یہ تمہارے لئے سینکڑوں فٹ موٹی ایک ٹھوس آہنی دیوار ہوتی اور دیوار بھی ایسی جسے نہ تو ویلڈنگ کے ذریعے کاٹا جاسکتا ہے' نہ ڈائنامیٹ سے اڑایا جاسکتا ہے.......... حتیٰ کہ تمہاری دنیا کی وہ نام نہاد ایٹمی طاقت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جس پر تمہارے ترقی یافتہ ممالک بہت اکڑتے ہیں.........."

"لیکن اوپر جس چوکور سفید پتھر کو تم نے انگوٹھے سے دبایا تھا اور زمین میں شگاف ہوگیا تھا.......... اسے دبا کر تو کوئی بھی اس دنیا کا دروازہ کھول سکتا ہے.........." ساجدہ بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں.........." وجاہت مسکرایا.......... "میں نے اس پتھر کو دبایا نہیں تھا' محض چھوا تھا.......... اور وہ درحقیقت پتھر بھی نہیں تھا وہ تو ہمارے سیکیورٹی سسٹم کا ایک ٹرمینل تھا۔ میں نے اسے انگوٹھے سے چھوا تو میری پوری تصویر ایک کنٹرول روم میں ٹرانسمٹ ہوگئی اور ریکارڈ میں موجود میری تصویر سے اس کا موازنہ بھی ہوگیا۔ اس کے بعد ہی سیکیورٹی سسٹم نے دروازہ کھلنے دیا تھا.......... ورنہ اس ٹرمینل سے خواہ کوئی ٹکرا ٹکرا کر مرجائے' زمین میں کہیں ذرا سی جنبش بھی نہیں ہوگی.........."

دفعتہً ساجدہ نے اپنے آپ کو اس دودھیا دھویں کے حلقے سے باہر پایا.......... اسے احساس ہی نہیں ہوسکا تھا کہ کب اس کے پاؤں زمین سے لگ گئے تھے۔

اس نے اپنے آپ کو ایک کھلی جگہ پر کھڑے پایا جہاں بالکل ویسی ہی کندنی دھوپ پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ اوپر چھوڑ کر آئی تھی۔ کافی دور ایک طرف اسے غیرمعمولی طور پر

سرسبزوشاداب اور صاف ستھرا درختوں کا ایک بالترتیب سا سلسلہ پھیلا ہوا نظر آیا۔ اس کے عقب میں نارنجی سورج آدھے سے زیادہ دکھائی دے رہا تھا.......... وہ دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔

"یہ کیا..........؟" ساجدہ حیرت سے بولی.......... "ہم تو سمندر کی تہہ میں بھی پہنچے.......... نہ جانے کتنی گہرائی میں ہیں.......... شاید پاتال میں ہیں.......... لیکن یہاں سورج کیسے دکھائی دے رہا تھا" ؟

"یہ سورج نہیں، اس کا ریفلیکشن ہے.......... وجاہت مربیانہ انداز میں مسکرایا..........
"یوں سمجھ لو اس کی تصویر ہے سطح آب سے اوپر ہمارا ایک ریفلیکٹر لگا ہوا ہے.......... اس سے سورج کی یہ تصویر ریفلیکٹ ہو کر یہاں آرہی ہے.......... لیکن اسے تم تصویر بھی نہیں کہہ سکتیں.......... اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو سورج اور اس کی کرنوں میں ہیں۔ یہ اس کا چھوٹا سا عکس ہے.......... لیکن اصل کے مطابق.......... یہ اصل سورج کے ساتھ ہی طلوع ہوتا ہے، اس کے ساتھ غروب ہوتا ہے.......... اس طرح حرارت دیتا ہے اس کی کرنوں میں وہ تمام سائنسی خواص موجود ہیں جو اصل سورج کی کرنوں میں ہیں.......... ہمارے اس سورج کا وجود اصل سورج کے وجود سے ہی قائم ہے اگر خدانخواستہ اصل سورج کسی طرح غائب ہو جائے تو یہ بھی غائب ہو جائے گا۔ سورج کو گرہن لگتا ہے تو اسے بھی گرہن لگتا ہے.........."

ساجدہ نے گہری سانس لے کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا.......... وہ ایک چوڑی سی سڑک پر کھڑے تھے لیکن وہ سڑک ٹھوس سفید پلاسٹک کی بنی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ بالکل صاف ستھری اور ہموار.......... اس کے کناروں پر دیسی ہی منڈیریں بھی تھیں۔

ان منڈیروں سے باہر زمین کا رنگ ذرا سا مختلف تھا لیکن اس میں بھی سفیدی غالب تھی کچھ فاصلے پر دونوں طرف ترتیب وار صاف ستھرے درختوں کا سلسلہ تھا.......... بظاہر جنگل سا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن اتنے صاف ستھرے اور باترتیب جنگل کا تصور بھی محال تھا۔

ساجدہ ان درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی.......... "یہ سب اتنے یکساں صاف ستھرے بالترتیب ہیں کہ مصنوعی معلوم ہو رہے ہیں.........."

"یہ مصنوعی ہی ہیں.........." وجاہت بولا.......... "لیکن ان میں اصلی درختوں والی بیشتر خصوصیات موجود ہیں.......... یعنی یہ ماحول کی آلودگی کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں دن میں یہ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے اور اس کی جگہ آکسیجن پیدا کر کے ہوا میں چھوڑتے ہیں۔ کمی ان میں صرف یہی ہے کہ ان میں کوئی بیج یا پھل پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ بیج سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آج تک کسی بھی چیز کے پودے کا بیج یا پھل مصنوعی طور پر تیار کرنے میں

کامیاب نہیں ہوسکے جو اس درخت کی نسل کو آگے بڑھا سکے.......... البتہ مشینی درخت، پودے اور بیلیں ہر چیز کی موجود ہیں جو صرف ماحول کی خوبصورتی اور صفائی برقرار رکھنے کے لئے پلاننگ کے مطابق جگہ جگہ موجود ہیں.........."

"پھر بھی.......... تم لوگوں کو کھانے پینے کے لئے اصل چیزوں کی ضرورت تو پڑتی ہوگی۔ وہ کہاں سے حاصل کرتے ہو؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"اس کے لئے ہم نے شہر سے باہر کچھ زمین مخصوص کی ہوئی ہے جہاں خوراک میں استعمال ہونے والی ضروری چیزوں کے فارم اور کھیت ہیں.......... چالیس چالیس منزلہ فارم اور کھیت ہیں.........."

"چالیس چالیس منزلہ فارم اور کھیت..........؟" ساجدہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے دہرایا۔

"ہاں ہر منزل پر فصلوں کو تمام ضروری قدرتی عوامل میسر ہوتے ہیں کم سے کم جگہ اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فصلیں کاشت ہوتی ہیں۔ شہر میں دھول مٹی، کوڑا کباڑ نہیں آتا۔ وہیں ٹھکانے لگ جاتا ہے۔ تمام کام کمپیوٹرائزڈ مشینیں انجام دیتی ہیں۔ فصلیں تیار ہو کر ایک خاص فیکٹری میں پہنچ جاتی ہیں جہاں انہیں پروسیس کیا جاتا ہے.........."

"یعنی انہیں ڈبوں وغیرہ میں محفوظ کیا جاتا ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ہاں لیکن اس طرح نہیں جس طرح تم لوگوں کے ہاں مختلف چیزیں سربند ڈبوں میں ملتی ہیں.........." وجاہت بولا.......... "بلکہ ہمارے ہاں ہر چیز کا غیر ضروری حجم کم کر دیا جاتا ہے مثلاً ایک سیب ہے.......... اس میں سے صرف وہ ضروری ضروری اجزا نکال لئے جائیں گے جو جسم کا جزو بنتے ہیں بیکار جانے والے، فضلہ بننے والے مادے الگ کر دیئے جاتے ہیں ضروری اجزاء کا حجم زیادہ سے زیادہ دوا کی ایک گولی کے برابر ہوتا ہے۔ لوگوں کی سہولت کے لئے ان مادوں کو سیب ہی کی شکل دے دی جائے گی۔ یعنی تمہیں ہمارے ہاں جو سیب ملیں گے انہیں ٹوکروں میں لاد کر لے جانے اور کاٹ کر کھانے کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر صفائی کرنے اور کچرے کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ ہوتا ہے.......... ان سارے کاموں میں تمہارے ہاں جو توانائی اور وسائل ضائع ہوتے ہیں وہ ہمارے ہاں نہیں ہوتے۔ ہمارے ہاں گروسری اسٹور سے تمہیں پچاس سیبوں کی ایک شیشی مل جائے گی۔ شیشی ایسی جس میں سیبوں کی تازگی مہینوں برقرار رہے گی۔ اس کے کسی وٹامن کا دسواں حصہ بھی ضائع نہیں ہوگا۔ سیب یقیناً" سیب ہی کی شکل کا ہوگا۔ اس کا رنگ روپ اور خوشبو بھی وہی ہوگی۔ بس اس کا سائز دوا کی گولی جتنا ہوگا۔ وہ گولی تم نے منہ میں ڈال کر چبالی تو سمجھ لو کہ ایک سیب کھالیا۔ تمہارے جسم کو وہی فائدہ پہنچ جائے گا جو ایک سیب کھانے سے پہنچ سکتا ہے۔ اس طرح کیلا ایک کیپسول کے برابر ہوگا لیکن

اس کی شکل کیلے ہی جیسی ہوگی۔ نہ دھونے کی ضرورت' نہ چھیلنے کا تکلف.......... بس منہ میں ڈالا اور چبالیا۔ ہم نے ہر چیز کے غیر ضروری حجم کو کم کر دیا ہے.........."

وہ ٹہلنے کے سے انداز میں سڑک پر چل دیئے تھے۔ ساجدہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی.......... "لیکن اس طرح تو ہمارے جسم کے کئی اعضاء کا کام ہی ختم ہو جائے گا.......... اور وہ بیکار رہ جائیں گے.......... یا شاید ان میں بیماریاں گھر کرلیں.......... کیا تم لوگوں کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوا؟"

"ہو سکتا تھا.......... لیکن ہم نے اس کا خیال رکھا تھا.........." وجاہت بولا۔ "جس طرح تم لوگ کھانے کے ساتھ سلاد وغیرہ استعمال کرتے ہو اس طرح ہم دن میں ایک سیال کے دو چار قطرے لے لیتے ہیں۔ ان کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ہمارے نظام ہضم وغیرہ کے تمام اعضاء کو مصروف رکھتے ہیں ان پر اس طرح بوجھ پڑتا ہے جیسے ہم نے مادی خوراک کافی مقدار میں کھائی ہے.......... جبکہ حقیقت میں وہ خالی رہتے ہیں.........."

وجاہت سمجھاتے ہوئے بولا.......... "دراصل ہر چیز کے غیر ضروری حجم کو کم کرنا صرف ہماری سائنسی ترقی ہی کا ایک ثبوت نہیں بلکہ ہماری مجبوری بھی ہے.......... ہمارے پاس تم لوگوں کی طرح بے حساب زمین نہیں ہے.......... تمہارے ہاں تو ہزاروں مربع میل زمین اس عالم میں پڑی رہتی ہے کہ اس پر مویشیوں کے چرنے کے لئے گھاس تک نہیں ہوتی.......... ہم نے تو سمندروں کے نیچے کہیں کہیں کچھ زمین کو رہائش کے قابل بنایا ہے اور اس پر اپنے شہر بسائے ہیں۔ ہم ان میں صرف اتنی ہی توسیع کرتے ہیں جتنی اشد ضرورت ضروری ہوتی ہے۔ ہم اپنی توانائیوں کو کم سے کم رقبوں میں مرکوز رکھتے ہیں۔ انہیں زیادہ پھیلا کر بکھرنے اور ضائع نہیں ہونے دیتے.........."

ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا.......... "تمہارے ہاں لوگوں میں جوں جوں خوشحالی آتی جاتی ہے توں توں انہیں بڑے سے بڑے مکانوں میں رہنے کا جنون سا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے.......... میں جب تمہارے ساتھ کالج میں پڑھ رہا تھا تو میرا ایک دوست ہوا کرتا تھا.......... شہسوار اس کا نام تھا۔ میں کبھی کبھار اس کے گھر چلا جاتا تھا۔ ڈیفنس میں دو ہزار گز پر اس کا دو منزلہ مکان تھا اس کی امی جرمن تھیں وہ خود کہا کرتی تھیں کہ ان کے ملک میں بڑے بڑے صنعتکاروں کے مکان بھی اتنے بڑے نہیں ہوتے۔ اس میں تین طرف لان تھا جس کے ایک حصے پر ان کے کتوں کے لئے بھی ماربل کا "باربی کیو" لگا ہوا تھا جس میں کتوں کے لئے گوشت وغیرہ بھونا جاتا تھا۔ ڈرائیو وے میں چھ سات کاریں کھڑی رہتی تھیں جبکہ گھر میں افراد چار تھے.......... اس کے باوجود ایک روز ایک صاحب ان سے ملنے آئے تو نہایت ترحم آمیز انداز میں کہنے لگے.......... "شہسوار! تم تو بہت چھوٹے گھر میں رہتے ہو.........." میں سمجھا کہ مذاق

میں کہہ رہے ہیں مگر وہ بالکل سنجیدہ تھے بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے اپنا نیا گھر پانچ ہزار گز پر بنوایا تھا.........."

"ہاں.......... ایسا تو ہوتا ہے ہمارے ہاں.........." ساجدہ نے تسلیم کیا.......... "میں نے اپنے علاقے میں دس دس ہزار گز کے مکان دیکھے ہیں.........."

"مجھے معلوم ہے.........." وجاہت نے سرہلایا.......... "اس میں اسراف اور خودنمائی کا پہلو تو ہے ہی جس کے اپنے نقصانات ہیں.......... لیکن دوسرے تیکنیکی قسم کے نقصانات کی فہرست بھی بہت لمبی ہے۔ لوگوں کی بیمار انا نے انہیں نہایت پیچیدہ مسائل میں پھنسا دیا ہے.......... اور پھر تمہارے ہاں تو چونکہ صحیح معنوں میں کوئی نظام ہے ہی نہیں.......... اس لئے معاشرہ تقریباً خودرو جنگل ہی کے انداز میں بڑھ رہا ہے.......... ہر چیز' ہر مسئلہ جھاڑ جھنکاڑ کی طرح ایک دوسرے میں الجھا ہوا ہے.........."

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا.......... "ہمارے ہاں بڑے سے بڑا سرمایہ دار بھی معیاری سائز کے ایک مکان میں رہتا ہے۔ کنبے کی وسعت کے لحاظ سے اگر ضرورت پڑتی ہے تو ویسا ہی ایک مکان اور لے لیتا ہے.........."

"بہرحال تمہارے ہاں بھی سرمایہ دار ہوتے ہیں؟" ساجدہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں.......... ہمارے ہاں دولت کمانے اور دولتمند بننے پر کوئی پابندی نہیں لیکن دولتمند بننا ہے بہت مشکل.......... ذہانت اور محنت کا مقابلہ بہت سخت ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ "ذخیرہ اندوزی' بلیک مارکیٹنگ' اسمگلنگ یا رشوت خوری جیسے فرسودہ جرائم کا رواج اور امکان بالکل ختم ہو چکا ہے اس لئے نامستحق لوگوں کے دولتمند بننے کا امکان بہت کم ہے.........."

پھر وہ ساجدہ کو ایک طرف مڑنے کا اشارہ کر کے بات جاری رکھتے ہوئے بولا.......... "میں بتا رہا تھا کہ بڑے بڑے سرمایہ دار بھی اسٹینڈرڈ سائز کے ایک مکان میں رہتے ہیں لیکن اس میں تمام فطری آسائشیں موجود ہوتی ہیں.......... تمام مکانوں میں ایسے سسٹم موجود ہیں کہ بٹن دبا کر آپ ہر فطری نعمت مطلوبہ مقدار میں حاصل کر سکتے ہیں.........."

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مکان خواہ چھوٹا ہے.......... اور خواہ اس میں کوئی کھڑکی نہیں لیکن آپ کو مطلوبہ مقدار میں آکسیجن' دھوپ اور روشنی کے اثرات حاصل ہوں گے.......... آپ کے مکان میں خواہ لان نہیں ہے لیکن کچھ دیر کے لئے ایک بٹن آن رکھنے پر آپ کی طبیعت اور صحت پر وہی اثرات مرتب ہوں گے جو کچھ دیر خوشگوار ہوا میں سرسبز لان پر بیٹھنے سے مرتب ہوتے ہیں.........."

"جب سب لوگوں کو اس طریقے سے ہر آسائش میسر ہوگی تو پھر کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ

زیادہ محنت کرے اور دولتمند بنے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ہمارے ہاں ایسا نظام نہیں ہے کہ دولتمند بننے میں کوئی کشش ہی نہ ہو.........." وجاہت بولا.......... "بے شمار ترغیبات اور کئی طرح کی کشش ہے.......... معاشرے میں ان کی اہمیت ہوتی ہے' انہیں عزت ملتی ہے انہیں بہت سی اہم ذمے داریاں سونپی جاتی ہیں۔ اخباروں میں ان کی تصویریں چھپتی ہیں وہ ٹی وی پر آتے رہتے ہیں.......... اپنے مختلف کاموں اور منصوبوں کے علاوہ اپنی سماجی خدمات کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں۔ وہ محض آسائشوں.......... ناجائز اہمیت.......... یا دولت کی کشش کی خاطر دولتمند نہیں بنتے بلکہ معاشرے میں حقیقی اہمیت اور اصولی عزت حاصل کرنے کے لئے سرمایہ دار بنتے ہیں.......... وہ نہیں چاہتے کہ لوگ صرف ان کی دولت کی وجہ سے ان کی عزت کریں.......... بلکہ وہ اپنے آپ کو عزت کے قابل بنا کر پیش کرتے ہیں.........."

دفعتہً وجاہت ایک جگہ رک گیا.......... "آؤ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلتے ہیں۔"

اس نے سڑک کے ایک کنارے کی طرف اشارہ کیا ساجدہ نے دیکھا ادھر چند عجیب سی چیزیں کھڑی تھیں ٹیکسی تو کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

جن چیزوں کی طرف وجاہت نے اشارہ کیا تھا وہ ہلکے سے رنگ کے بڑے بڑے گولے سے تھے اور ایک قطار میں سڑک کے کنارے رکھے ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک پلاسٹک جیسی ہی کسی چیز کے بنے ہوئے تھے اور نیم شفاف سے دکھائی دے رہے تھے۔ وجاہت نے آگے بڑھ کر ایک گولے پر لگا ہوا چھوٹا سا ایک بٹن آہستگی سے دبا دیا۔

گولے میں فوراً ایک دروازہ کھل گیا اور ساجدہ کو اندر دو سیدھی سادی نشستیں دکھائیں دیں.......... وجاہت کا اشارہ پا کر وہ گولے میں داخل ہو کر ایک نشست پر بیٹھ گئی۔ دیکھنے میں وہ بالکل سیدھی سادی اور پلاسٹک کی بنی ہوئی سیٹ معلوم ہو رہی تھی لیکن بیٹھنے پر ساجدہ کو اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر آرام دہ تھی۔ اسے بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ ریشم کے ڈھیر میں دھنس گئی ہو۔

گولے میں سامنے ہی کار کی ونڈ اسکرین کی طرح ایک چھوٹی سی شفاف اسکرین لگی ہوئی تھی جس سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا لیکن یہ شیشہ یا جو بھی چیز تھی' اس کی خصوصیت ٹنٹڈ گلاس والی تھی۔ یعنی اندر کی طرف سے تو باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا لیکن جب ساجدہ باہر کھڑی تھی تو اسے کہیں سے بھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ گولے کے اندر کیا ہے۔

ان کی سیٹوں کے سامنے بس چھوٹا سا ایک کی بورڈ نصب تھا جیسا کہ بہت ہی جدید اور نفیس قسم کے کمپیوٹر کا ہو سکتا تھا۔ اس کی بورڈ پر کچھ نمبر اور بعض عجیب سے نشانات نظر آ رہے تھے۔ وجاہت نے چند نمبروں کو محض چھوا اور وہ گولا یوں سڑک پر لڑھکنے لگا جیسے پانی میں پھسلتا

چلا جا رہا ہو۔ کوئی آواز' کوئی شور' کسی قسم کی مشینری کی ہلکی سی سرسراہٹ بھی نہیں تھی.......... حتیٰ کہ سڑک پر اس گولے کے رگڑ کھانے یا کسی قسم کے پہیئے گھومنے کی ہلکی سی سرسراہٹ بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"اف خدایا..........!" ساجدہ حیرت سے تقریباً چلا اٹھی.......... "یہ گولا تو خود بخود چلا جا رہا ہے.......... کیا اس میں کوئی آپریٹر.......... کوئی ڈرائیور.......... میرا مطلب ہے اس قسم کا کوئی آدمی نہیں ہے؟"

"یہ گولا نہیں' ہمارے ہاں کی ٹیکسی ہے.........." وجاہت گویا اس کی حیرت سے محظوظ ہوئے بولا.......... "اور اس میں ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہوتی.........."

"وہ کس طرح؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ہمارے ہاں جتنی بھی تعمیر ہوتی ہے' یا آبادی کا جتنا بھی پھیلاؤ ہوتا ہے' وہ ایک بہت بڑی اور نہایت خاص قسم کی پلاننگ کے تحت ہوتا ہے۔" وجاہت سمجھاتے ہوئے بولا..........
"ہر مکان کا نمبر محض اسے شمار کرنے کے لئے نہیں ہوتا.......... بلکہ اس کا فاصلہ' محل وقوع' سمت اور تمام ضروری معلومات کا تعین کرنے کے بعد اسے ایک خاص نمبر الاٹ ہوتا ہے.......... یہ ہر کام کے لئے گویا اس مکان کا کوڈ ورڈ ہوتا ہے اور ضرورت کی بے شمار جگہوں کے کمپیوٹرائزڈ نظام میں اسے فیڈ کر دیا جاتا ہے.......... اس کے بعد آپ کو جب بھی.......... اور جہاں بھی اپنے مکان سے متعلق کوئی مسئلہ درپیش ہو' بس جا کر صرف اپنا نمبر دبایئے اور جس کام کی بھی ضرورت ہو وہ کام کرلیجئے.......... ٹیکسیاں بھی چونکہ انتہائی جدید سطح پر کمپیوٹرائزڈ ہیں۔ اس لئے آبادی میں ہونے والی ہر تعمیر کا نمبر اس میں بھی فیڈ ہوتا ہے۔ مجھے اپنے گھر یا جہاں کہیں بھی جانا ہے' اس جگہ کا نمبر اگر مجھے معلوم ہے تو ٹیکسی میں یا ذاتی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد مجھے صرف وہ نمبر دبانا ہوگا اور گاڑی سیدھی وہیں پہنچ جائے گی.......... اس نمبر کے ساتھ ہی اس کے نظام میں فاصلے اور سمت وغیرہ کا تعین خود بخود ہو جائے گا.........."

"لیکن پھر بھی.......... ڈرائیور کے بغیر.........." ساجدہ بڑبڑائی۔

"یوں سمجھ لو اس ٹیکسی کی اپنی آنکھیں ہیں.........." وجاہت بولا.......... "الٹرا ساؤنڈ لہروں کی مدد سے اسے خود اندازہ ہوتا ہے کہ کون سی چیز اس کے آگے پیچھے یا سامنے کتنے فاصلے پر موجود ہے' کس رفتار سے آ رہی ہے.......... اور یہ ایک سیکنڈ کے سوویں حصے سے بھی کم وقت میں اپنی سمت' رفتار یا زاویہ وغیرہ حسب ضرورت تبدیل کر سکتی ہے.......... حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر یہ ہوا میں بھی بلند ہو سکتی ہے اور کوئی چیز جس کا اس سے ٹکرانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہو وہ اس کے نیچے سے گزر جائے گی.......... اسی طرح ہماری نجی گاڑیاں ہوتی ہیں.......... بلکہ ان میں کچھ خصوصیات ٹیکسیوں سے زیادہ ہوتی ہیں.........."

"ان میں بھی چلانے والے کی ضرورت نہیں ہوتی؟" ساجدہ نے دریافت کیا۔

"نہیں.........." وجاہت نے جواب دیا.......... "اب یہ تو کوئی عقلمندی یا سائنسی ترقی نہ ہوئی کہ آدمی بیٹھا محض ایک مشین کو آپریٹ کرنے یا ایک گاڑی کو ڈرائیو کرنے میں کافی دیر تک اپنی انرجی اور صلاحیتیں ضائع کرتا رہے۔ اتنی دیر میں وہ کوئی اور تعمیری کام کرسکتا ہے.........."

"مثلاً تم اس وقت ڈرائیونگ نہیں کر رہے.......... تو تم کون سا تعمیری کام کر رہے ہو؟" ساجدہ کے لہجے میں حقیقتہً سوال بھی تھا اور ہلکی سی شرارت بھی۔

"میں تم سے باتیں کر رہا ہوں.......... تمہیں اپنی دنیا سے متعارف کر رہا ہوں۔ تمہارے بارے میں اپنے دل میں اچھے جذبات کی پرورش کر رہا ہوں.......... یہ ایک بے پناہ تعمیری کام ہے.........." وجاہت سنجیدگی سے بولا.......... "ہمارے ہاں انسان کا انسان سے مل بیٹھنا' باتیں کرنا اور اچھے انداز میں وقت گزارنا بے انتہا تعمیری کام سمجھا جاتا ہے۔"

وہ ایک بار پھر مربیانہ انداز میں مسکرایا.......... "یہی تو فرق ہے ہماری اور تمہاری سائنسی ترقی میں.......... تمہارے ہاں جو دو چار ٹوٹی پھوٹی سی سائنسی ایجادات ہوئی ہیں انہوں نے انسان کو انسان سے اور بھی دور کر دیا ہے.......... مثلاً" تمہاری عورت جب دیہاتی ماحول میں رہ رہی تھی' پسماندہ سمجھی جاتی تھی تب وہ ایسے تمام کام بھی ہاتھ سے کرتی تھی جن کا آج تصور بھی محال نظر آتا ہے۔ وہ ہاتھ کی چکی میں گیہوں تک خود پیس کر آٹا تیار کرتی تھی۔ دودھ خود دوہتی تھی.......... اس سے مکھن بھی نکالتی تھی.......... لکڑیاں چن کر لاتی تھی۔ پانی کہیں سے بھر کر لاتی تھی۔ کپڑے ہاتھ سے دھوتی تھی۔ اس کے ہاں بچے اوسطاً" آج کے دور کی عورت سے زیادہ ہوتے تھے۔ وہ ہر چیز تازہ تیار کرتی تھی.......... چیزوں کو محفوظ کرکے رکھنے کے لئے فریج یا ڈیپ فریزر نہیں تھے.......... اسے کسی مشین کی مدد حاصل نہیں تھی جو گھنٹوں کا کام منٹوں میں کردیتی.......... اس کے باوجود وہ اوسطاً" زیادہ افراد کو سنبھالتی تھی۔ زیادہ افراد کے کام کرتی تھی.......... پھر بھی اس کے پاس وقت ہوتا تھا۔ وہ ہر شادی بیاہ' خوشی غمی میں جاتی تھی.......... پڑوسن کے بچے کے کان میں بھی درد ہوتا تھا تو وہ اسے پوچھنے جاتی تھی.......... ہر تقریب وہ زیادہ جوش وخروش سے مناتی تھی.......... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں یا غلط؟"

"درست ہے.........." ساجدہ نے تسلیم کیا۔

"آج کی عورت کو ہر مشینی مدد حاصل ہے.........." وجاہت گہری سانس لے کر بولا.......... "اس پر نسبتاً کم افراد کی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ بیشتر چیزیں اسے بازار سے تیار شدہ ملتی ہیں۔ ہر مشین اسی خیال سے ایجاد کی گئی تھی کہ انسان کا وقت بچے گا۔ اسے کچھ فرصت میسّر آئے گی اور اس وقت کو وہ کسی دوسرے کام میں استعمال کر سکے گا.......... مگر ہوا کیا؟"

وہ استہزائیہ سے انداز میں ہنسا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آج کی عورت کے پاس سر کھجانے کا وقت نہیں.......... وہ خواہ جاب نہ کر رہی ہو تب بھی اتنی مصروف ہے کہ پڑوس میں میت بھی ہو جائے تو بڑی مشکل سے جانے کا وقت نکالتی ہے.......... اور وہ پرانی عورت جتنی تازہ دم بھی نہیں ہے۔ تھکی تھکی.......... اپنے آپ سے بیزار دکھائی دیتی ہے.......... وہ فارغ وقت کہاں گیا جو مشینوں کی ایجاد اور ریڈی میڈ چیزیں دستیاب ہونے کے بعد بچنا چاہئے تھا؟"

ساجدہ کچھ سوچتے ہوئے بولی.......... "رہن سہن اور ہر چیز کے معیار بھی تو بہت اونچے ہوگئے ہیں۔ صفائی ستھرائی اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی چیزوں پر پہلے اتنا دھیان نہیں دیا جاتا تھا۔ اب ان چیزوں پر زیادہ وقت صرف ہونے لگا ہے.......... پہلے ہر کام میں سادگی اور آسانی تھی.......... مثلاً گھر بے شک بڑا ہے لیکن کچا ہے۔ عورت نے ذرا جھاڑو ماردی۔ لیجئے صفائی ہوگئی۔ آج کی عورت کے پاس بے شک ویکیوم کلینر ہے لیکن اسے پردوں کی ریلنگ تک سے گرد صاف کرنی ہے۔ پہلے اتنی باریکیاں نہیں تھیں۔ ایک عورت کے اگر تین بچے ہیں تو تینوں استری شدہ' صاف ستھرے یونیفارم اور چمکتے ہوئے جوتے پہن کر اسکول جائیں گے.......... پرانی عورت کے بچوں کو اول تو اسکول جانا ہی نہیں ہوتا تھا.......... اور اگر جاتے بھی تو بغیر استری کے کپڑے اور چپلیں پہن کر بھی جاسکتے تھے.......... میرے خیال میں تو انہی باتوں کی وجہ سے وقت کا نفع نقصان برابر ہوگیا ہے.........."

"یہ بات صرف معمولی حد تک درست ہے.........." وجاہت بولا.......... "اصل فرق اس بات سے پڑا ہے کہ تمہاری سوسائٹی میں لوگ صرف اب اپنے لئے جیتے ہیں۔ ہر وہ کام جو وہ صرف اپنے فائدے کے لئے کرتے ہیں وہی ان کی نظر میں تعمیری ہے۔ باقی ہر کام وقت کا زیاں ہے۔ جس کسی کو بھی چار لمحے میسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ انہیں وہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے والے کسی بھی کام میں صرف کرے۔ اس لئے ہر شخص بے پناہ مصروف ہے۔ وقت کی بے برکتی ہے.......... اور اس کے باوجود ہر ایک ناخوش ہے' نامطمئن ہے.........."

"تمہارے خیال میں اس کا حل کیا ہے؟" ساجدہ نے دریافت کیا۔

"اس کا حل بہت مشکل ہے.......... اس کے لئے کسی سوسائٹی سے لالچ' خودغرضی اور صرف اپنے مفاد کی ہوس نکالنا پڑتی ہے جو تقریباً" ایک ناممکن کام ہے.........." وجاہت نے جواب دیا۔

"کیا تمہاری سوسائٹی میں یہ کام ہوگیا ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ہاں.......... اس کے لئے معاشرے کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہی درست رکھنا ضروری ہے.......... ورنہ ظاہر ہے عمارت درست تعمیر نہیں ہوسکتی۔ ہماری اس دنیا کے بانی چونکہ

تمہاری ہی دنیا سے سارے سبق حاصل کرکے آئے تھے اور تمہاری غلطیوں کی تباہ کاریاں دیکھ کر آئے تھے۔ پھر وہ دنیا کے صرف جینئس لوگ تھے.......... اس لئے انہوں نے اس دنیا کی بنیاد ہی درست رکھنے پر ساری توجہ دی۔ انہوں نے وہ غلطیاں نہیں دہرائیں جن کی وجہ سے تمہاری دنیا کے معاشرے کی بنیاد غلط ہوئی اور پھر ساری عمارت غلط ہوگئی.......... جب انسان ہی ناقابل اصلاح ہوچکا ہو تو پھر اس کے لئے کوئی بھی نظام کارآمد نہیں رہتا.........."

ساجدہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھی اور ونڈاسکرین سے باہر بھی دیکھ رہی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک رواں تھا۔ عجیب طرح کی گاڑیاں متحرک نظر آرہی تھیں۔ کچھ تو ان کی ٹیکسی کی طرح گولوں سے ہی مشابہ تھیں۔ کچھ چوکور اور کچھ مستطیل تھیں.......... مگر وہ سب پلاسٹک نما کسی نفیس میٹریل سے بنے ہوئے خوبصورت ڈبوں سے مشابہ نظر آرہی تھیں۔ چاروں طرف سے بند تھیں۔ ان میں کہیں کوئی کھڑکی' کہیں کوئی شیشہ' حتیٰ کہ کہیں کوئی جوڑ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ان میں کہیں پہیئے بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ بس وہ بے آواز طریقے سے چکنی سڑکوں پر اسی طرح پھسلتی جارہی تھیں جیسے کوئی ہموار چیز پانی کی سطح پر پھسلتی جارہی ہو.......... کہیں سے ذرا سا شور بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ساجدہ کو احساس ہوا کہ جب سے وہ اس دنیا میں داخل ہوئی تھی اس نے کسی بھی قسم کا شور نہیں سنا تھا۔

ہر چیز کی حرکت بے آواز تھی۔ صرف ان دونوں کی باتیں کرنے کی آواز تھی.......... اور وہ بھی نہایت دھیمی.......... جب اردگرد اتنی خاموشی تھی تو وہ خود ہی گویا غیرارادی طور پر دھیرے دھیرے باتیں کررہے تھے۔

ساجدہ دیکھ رہی تھی کہ گاڑی واقعی خود بخود دوسری گاڑیوں سے بچتی اپنا راستہ بناتی چلی جارہی تھی۔ حتیٰ کہ کئی مقامات پر اس نے لوگوں کو سڑک پار کرتے بھی دیکھا۔ وہ کسی مخصوص جگہ سے سڑک پار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ادھر ادھر دیکھتے تھے۔ آپس میں باتوں میں مگن' سڑک پار کرنا شروع کردیتے تھے لیکن کوئی گاڑی ان سے نہیں ٹکراتی تھی۔ گاڑیاں خود ہی ان سے بچتی ہوئی گزرتی چلی جاتی تھیں۔ یہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ٹریفک میں کسی قسم کا خلل پڑا ہے۔ ان کی ٹیکسی بھی اتنی جگھوں پر اتنی تیزی سے لہراتی تھی' گھومتی تھی اور کہیں صرف ایک ثانیئے کے لئے رک کر چل پڑتی تھی لیکن انہیں ذرا سا بھی جھٹکا نہیں لگتا تھا۔

اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ گاڑی کی ساخت نہ جانے کیوں اتنی آرام دہ تھی۔ وہ گویا ریشم کے بہت بڑے ڈھیر میں دھنسے بیٹھے تھے اور کوئی انجانا ہاتھ انہیں ہوا کے دوش پر لئے جارہا تھا۔ دوسری وجہ شاید یہ بھی تھی کہ گاڑیوں کی رفتار کوئی ایسی تیز نہیں تھی۔ تقریباً اتنی ہی رفتار تھی جتنی ساجدہ کراچی میں دیکھنے کی عادی تھی۔

"یہاں شور بالکل نہیں ہے.........." ساجدہ بولی.......... "پہلے تو مجھے یہی محسوس ہوا تھا

کہ میں کسی شہرخموشاں میں داخل ہوگئی ہوں.......... یا پھر شاید میری قوت سماعت جواب دے گئی ہے.......... لیکن اب بھلا محسوس ہورہا ہے۔ اعصاب کو جیسے کچھ سکون سا میسر آرہا ہے.........."

"ماحولیاتی آلودگی کے بارے میں اب تو تمہاری دنیا میں بھی تھوڑا بہت شور شروع ہوا.......... شور کے نقصانات پر بھی کچھ باتیں ہو رہی ہیں جو ماحولیاتی آلودگی کا ایک بڑا حصہ ہے.......... لیکن تمہارے ہاں ان موضوعات پر صرف باتیں ہی باتیں ہو رہی ہیں۔ عملی طور پر کچھ نہیں ہورہا.......... اول تو اس موضوع پر کام ہی بہت دیر میں شروع ہوا ہے جب مسئلہ بہت پھیل چکا ہے۔ اب اس سلسلے میں لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے میں شاید صدیاں لگ جائیں.......... اس کے بعد عملی اقدامات سوچنے اور ان پر عمل کرنے میں صدیاں لگ جائیں گی۔ اس وقت تک دوسرے بہت سے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی اتنا گمبھیر اور پیچیدہ ہوچکا ہوگا کہ اس کے حل کی تمام تدبیریں ناکام ہوجائیں گی.......... ایک وقت آئے گا کہ شور اور دوسری ماحولیاتی آلودگی سے تمہاری دنیا میں لوگ اس طرح ہلاک ہونے لگیں گے جس طرح وبائی بیماریوں سے ہوتے ہیں.......... تمہاری دنیا کے سائنس دان ایسی تمام آلودگیوں کے نقصانات سے جس حد تک آگاہ ہوئے ہیں' حقیقت میں نقصانات اس سے سوگنا زیادہ ہیں.........."

"اُف میرے خدا..........!" ساجدہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"فی الحال تو لوگوں میں ان آلودگیوں کے خلاف ایک مزاحمتی قوت موجود ہے جو کسی حد تک انہیں ان کے اثرات سے بچارہی ہے.......... لیکن رفتہ رفتہ آلودگیاں بڑھتی جائیں گی اور مزاحمتی قوت کمزور پڑتی جائے گی.......... پھر شرح اموات بہت تیزی سے بڑھ جائے گی اور یوں محسوس ہوگا جیسے لوگ بلاوجہ ہی مرتے جارہے ہیں.......... سماجی اشتعال اور جھگڑے بھی بہت زیادہ بڑھ جائیں گے۔ اب بھی لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں.......... پھر اس سے بھی زیادہ ہوجائیں گے.........."

وجاہت کی باتوں سے اپنی دنیا کے بارے میں ساجدہ کا خوف بہت بڑھ جاتا تھا۔ اندیشے اس کی رگ وپے میں سنپولیوں کی طرح کلبلانے لگتے تھے۔ وجاہت ہر لمحے اس کی دنیا کے مستقبل کا کچھ زیادہ ہی بھیانک نقشہ اس کے سامنے پیش کرتا تھا۔ لیکن ان باتوں میں غوروفکر کا سامان بھی تھا۔

ان باتوں سے کچھ دیر کے لئے توجہ ہٹانے کے لئے اس نے پوچھا.......... "یہ ٹیکسی کس چیز سے چلتی ہے؟"

"دو ننھے ننھے سیلوں سے.......... وہ سیل سائز میں تمہاری انگلیوں کے ناخنوں سے زیادہ

بڑے نہیں ہیں............" وجاہت نے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" ساجدہ بے یقینی سے بولی............ "کیا وہ ایٹمی قسم کی توانائی کے سیل ہیں؟"

"ایٹمی توانائی ہمارے ہاں فرسودہ چیز ہوچکی ہے۔ بہت عرصہ پہلے ہم نے ایٹمی توانائی کو اس کے درجۂ کمال پر پہنچالیا تھا............ لیکن ساتھ ساتھ دوسری توانائیوں پر کام جاری تھا۔ بالآخر ہم اسی نتیجے پر پہنچے کہ ایٹمی توانائی کے نقصانات زیادہ ہیں اور اس کے ساتھ خطرات بھی زیادہ وابستہ ہیں۔ ہماری توانائی کے حصول کا ذریعہ تو اب بھی نیوکلیس ہے لیکن ہم نے اس کا فارمولا بدل لیا ہے............ اس طرح یہ توانائی زیادہ طاقتور ہوگئی ہے اور اس سے وابستہ خطرات ختم ہوگئے ہیں............"

"وہ فارمولا کیا ہے؟" ساجدہ نے غیرارادی طور پر پوچھ لیا۔

"بہت لمبی بات ہے............ اور اسے سمجھنے کے لئے تمہارا تھوڑا بہت سائنس دان ہونا ضروری ہے............" وجاہت بولا۔

"چلو خیر چھوڑو............" ساجدہ بولی............ "ویسے یقین نہیں آرہا کہ یہ گاڑی دو ننھے ننھے سیلوں سے چل رہی ہے............"

"یہ گاڑی پرائی ملکیت ہے............ ورنہ میں ابھی اس کا ایک مخصوص خانہ کھول کر تمہیں وہ سیل دکھا دیتا............" وجاہت بولا............ "وہ خانہ ہماری سیٹ کے عین نیچے ہی ہے............ لیکن اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ میں صرف اپنے کام سے کام رکھوں اور گاڑی سے غیر ضروری چھیڑ چھاڑ نہ کروں............"

"ویسے اس کی رفتار تقریباً ہماری دنیا کی گاڑیوں جتنی ہی ہے۔ غیر معمولی رفتار نہیں ہے............ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف دو ننھے ننھے سیلوں پر چل رہی ہے؟" ساجدہ نے خیال ظاہر کیا۔

وجاہت یوں مسکرایا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی معصومانہ قیاس آرائی سے محظوظ ہو رہا ہو............

پھر وجاہت پہلو بدلتے ہوئے بولا............ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہی دو سیلوں کی توانائی سے یہ گاڑی سڑک سے تقریباً دس فٹ کی بلندی پر اس سے دوگنی رفتار سے اڑ بھی سکتی ہے............ لیکن سڑک پر چونکہ اسے خودکار نظام کے تحت دوسری گاڑیوں اور انسانوں کے ہجوم کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے گزرنا ہوتا ہے اس لئے ہم نے جان بوجھ کر اس کی رفتار کم رکھی ہے............ اگر کسی کو ایمرجنسی ہو............ عجلت ہو تو وہ اسے اڑا کر بھی لے جا سکتا ہے............ لیکن عام طور پر ہمارے ہاں ایمرجنسی اور عجلت کے مواقع بہت کم آتے

ہیں............ اور بلاوجہ کی جلدبازی کا رجحان ہمارے ہاں بالکل نہیں ہے............"

یہ بات ساجدہ نے بھی محسوس کی تھی وہاں کے ماحول میں ایک عجیب طرح کی طمانیت اور ٹھہراؤ تھا۔ یہ طمانیت اور ٹھہراؤ لوگوں کے چہروں پر بھی نظر آرہا تھا کسی کو جیسے کسی کام کی جلدی ہی نہیں تھی۔ کسی کی حرکات وسکنات میں یا چہرے پر وحشت نہیں تھی۔

وجاہت بات جاری رکھتے ہوئے بولا............ "اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں فاصلے زیادہ طویل نہیں ہیں ہمارا یہ ملک تمہارے شہر کراچی سے بھی کچھ چھوٹا ہے لیکن اس کی آبادی اس سے کہیں زیادہ ہے مگر پھر بھی تمہیں یہاں لوگ اتنے تنگ اور سڑکیں ٹریفک کے لئے ناکافی محسوس نہیں ہوں گی ہمارے ہاں چونکہ ایک فٹ زمین بھی بے مصرف نہیں پڑی ہے اس لئے کم سے کم رقبے میں زیادہ سے زیادہ آبادی ہے............ مگر کیا یہاں تمہیں کہیں تنگی کا احساس ہو رہا ہے؟"

"نہیں............ یہ بڑی عجیب سی بات ہے............" ساجدہ قدرے حیرت سے بولی............ "جہاں سے ہم تمہارے اس ملک میں داخل ہوئے تھے وہاں تو بالکل ہی ویرانی سی لگ رہی تھی، کوئی نظر نہیں آرہا تھا............ اور اب غالباً ہم مصروف علاقوں سے گزر رہے ہیں لیکن یہاں بھی کھوے سے کھوا چھلنے یا بھگدڑ اور مارا ماری والی کیفیت نظر نہیں آرہی............"

"وہ تمہیں کہیں بھی نظر نہیں آئے گی............" وجاہت بولا۔

"تمہارے ملک میں شہر کتنے ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"دس............ لیکن ہمارے ہاں انہیں شہر نہیں کہتے۔ انہیں سیکٹر کہتے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ پورا ملک ہی ایک شہر کی طرح ہے صرف انتظام رکھنے کی غرض سے اسے دس سیکٹروں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ دو سیکٹروں کے درمیان کہیں چند گز کا فاصلہ بھی نہیں ہے"۔

"ٹیکسی ایک نسبتاً چھوٹی سڑک پر گھومی اور اس کی رفتار خودبخود بہت کم ہوگئی۔ اس گلی میں آمدورفت بہت کم تھی۔ وجاہت مسکراتے ہوئے بولا۔ "لو............ گھر آگیا............"

ٹیکسی ایک عمارت کے سامنے فٹ پاتھ سے لگ کر جارکی تھی وہ ایک بلند عمارت تھی۔ وہ دونوں ٹیکسی سے اتر آئے اس کا دروازہ خودبخود بند ہوگیا ساجدہ کو کچھ خیال آیا۔ مسکراتے ہوئے بولی............ "تم نے کرایہ تو ادا ہی نہیں کیا............ یہاں ٹیکسی میں کیا مفت سفر کر سکتے ہیں؟"

"نہیں............" وجاہت نے نفی میں سرہلایا............ "میں نے ٹیکسی میں کمپیوٹرائزڈ سسٹم پر جو نمبر دیا تھا، اس کا تعلق میرے اکاؤنٹ نمبر سے تھا۔ جب ٹیکسی نے مجھے یہاں پہنچا دیا تو جس بینک میں میرا اکاؤنٹ ہے وہاں کے کمپیوٹر نیٹ ورک سے ٹیکسی کے کمپیوٹر کا خودبخود رابطہ ہو

جائے گا اور میرے اکاؤنٹ سے کرائے کی رقم ٹیکسی سروس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائے گی ہمارے ہاں نقدی ساتھ لیکر پھرنے کا رواج بہت کم ہے اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ ہر جگہ آپ اپنے کوڈ نمبر کے ذریعے خریداری کر سکتے ہیں۔ ہر دکان کے کمپیوٹر پر اسی وقت پتہ چل جاتا ہے کہ آپکے اکاؤنٹ میں اتنی رقم موجود ہے اور اس میں سے اتنی دکان کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو گئی..........“

”پھر بھی تمہارے ہاں نقدی کی کوئی شکل تو ہوتی ہوگی پوری معیشت محض ہندسوں پر تو مشتمل نہیں ہوگی؟“ ساجدہ نے پوچھا۔

”نہیں.......... نوٹ تو ہوتے ہیں.......... رے میٹل کی کرنسی ہوتی ہے“

”رے میٹل..........؟ یہ کونسی دھات ہے؟ کیا دھات کے نوٹ ہوتے ہیں؟“ ساجدہ نے دریافت کیا۔

”رے میٹل ہمارے ہاں کی ایک عجیب دھات ہے.......... یہ فائبر گلاس‘ سیلولائیڈ پلاسٹک اور چاندی کا کمپچر ہے یہ ایک عجیب وغریب دھات ہے اس کی خصوصیات کی فہرست بہت طویل ہے۔ انہی چیزوں کا تناسب کم زیادہ کرکے اور فارمولے میں ردوبدل کرکے اس دھات کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں اور ہمارے ہاں استعمال ہونے والی نوے فیصد چیزیں اسی دھات کی مختلف شکلوں سے بنتی ہیں.......... نوٹ بھی اسی سے بنتے ہیں۔ وہ سیلولائیڈ کی نہایت باریک اور رنگین فلم سے مشابہ ہوتے ہیں کبھی خراب نہیں ہوتے نہ جل سکتے ہیں‘ نہ پھٹ سکتے ہیں اور چھوٹے سے پرس میں آدمی کئی لاکھ کی رقم لیکر پھر سکتا ہے.......... اور گو کہ ہمارے ہاں چوری چکاری‘ ڈاکے یا رہزنی کا ڈر نہیں ہوتا.......... لیکن ویسے ہی ہمارے ہاں کوئی نقد رقم لیکر نہیں پھرتا.......... رقم کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں.......... یہ بس لین دین کا ایک ذریعہ ہے“۔

”لفظی طور پر تو ہمارے ہاں بھی اس کی وہی حیثیت ہے..........“ ساجدہ مسکرائی..........

”کرنسی نوٹ ہمارے ہاں بھی محض لین دین کی ایک دستاویز ہے لیکن ایک زمانے کی حرص وہوس اس سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔ نوٹ ہمارے معاشرے کی سب سے طاقتور چیز ہو کر رہ گیا ہے..........“

پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولی.......... ”تمہارے پاس اپنا کوئی نوٹ تو ہوگا؟“

”نہیں.......... اس وقت تو نہیں ہے.......... کیوں؟“ وجاہت نے حیرت سے پوچھا۔

”میں دیکھنا چاہتی ہوں اور نشانی کے طور پر اپنے ساتھ لے جاؤں گی..........“

”اندر گھر میں نوٹ موجود ہونگے.......... میں ابھی تمہیں دکھا دوں گا..........“ وجاہت بولا۔ پھر اس کے لہجے میں ہلکی سی شرمساری اور ہچکچاہٹ جھلک آئی.......... لیکن اگر تم اسے اپنی دنیا میں لے جانا چاہوگی تو اس کے لئے مجھے اپنے والد گرامی سے اجازت لینا پڑے گی۔ ہم

اپنے ہاں کی کوئی چیز تمہاری دنیا میں نشانی کے طور پر چھوڑنا پسند نہیں کرتے.......... لیکن اگر والد گرامی نے اجازت دیدی تو پھر کوئی حرج نہیں ہوگا وہ تمام معاملات میں مجھ سے زیادہ دانشمند ہیں۔“

ساجدہ کو اس کے لہجے میں عقیدت اور سعادت مندی بہت بھلی سی لگی۔ یہ وہ لہجہ تھا جو ساجدہ کو اب کم کم ہی کہیں سننے کا اتفاق ہوتا تھا۔

اس نے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر گلی کا جائزہ لیا گلی میں تقریباً سب عمارتیں اس کے اپنے حساب سے کم از کم دس منزلہ تھیں ان کی ساخت میں بہت معمولی سا فرق تھا۔ بس اتنا کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ پہچانا جا سکتا تھا۔ ان کی ڈیزائننگ میں بہت سادگی تھی۔ وہ کچھ مربعوں‘ کچھ مستطیلوں اور کچھ چھجوں کا مجموعہ نظر آتی تھیں لیکن ان میں نہایت خوبصورت اور خوابناک سے رنگوں کی جھلک تھی یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ کس میٹریل سے بنی ہوئی تھیں۔ شاید وہ بھی رے میٹل ہی کے آمیزے سے تیار کی گئی تھیں۔ اس مادے پر ایسے پلاسٹک کا ہی گماں گزرتا تھا جس میں کسی طریقے سے دھات کی آمیزش کر دی گئی ہو۔

گلی میں دونوں طرف فٹ پاتھوں پر کچھ لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ساجدہ نے محسوس کیا تھا کہ اب تک کے سفر میں جتنے بھی لوگ نظر آئے تھے ان میں سے زیادہ تر جوڑوں ہی کی شکل میں تھے۔ مرد اور عورت ساتھ ساتھ تھے تنہا مرد اور تنہا عورتیں اسے شاذ ونادر ہی دکھائی دی تھیں۔

ان میں سے بعض نے قدرے چونک کر ساجدہ کی طرف دیکھا۔ انہیں یقیناً اندازہ ہو گیا تھا کہ ساجدہ کا تعلق ان کی دنیا سے نہیں ہے.......... لیکن ایک لمحے کے لئے چونکنے کے سوا کسی نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی باتوں میں مگن ہو کر آگے چل دیتے تھے۔

ساجدہ نے اب گلی سے گزرتے ہوئے مردوں‘ عورتوں اور بچوں کو ذرا غور سے دیکھا تو ایک بات اور محسوس کی تھی یہ لوگ اتنے زیادہ صاف.......... بلکہ شفاف سے تھے کہ سرخ وسفید ہونے کے باوجود ساجدہ کو نہ جانے کیوں بیمار بیمار سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مضمحل یا ست نہیں تھے نہایت چاق وچوبند اور مستعد نظر آرہے تھے.......... لیکن ان کے رنگ روپ میں ایک عجیب سا پھیکا پن تھا ان میں کوئی کشش محسوس نہیں ہو رہی تھی اس لحاظ سے تو وجاہت اپنی دنیا کے روکھے پھیکے لوگوں سے کافی مختلف تھا.......... یا پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کافی عرصہ اوپر کی دنیا میں گزارا تھا.......... یا پھر اس کے رنگ روپ میں کچھ خصوصیت اوپر کی دنیا والوں جیسی آگئی تھی.......... بہرحال ساجدہ اس کی صحیح وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

دفعتہً وجاہت کی آواز نے اس کی محویت کا سلسلہ توڑ دیا.......... ”بھئی تم تو گلی کا تفصیلی

معائنہ کرنے لگیں.......... اب تو تمہارا یہاں آنا جانا رہے گا۔ اطمینان سے ہر چیز دیکھتی رہنا.......... چلو اب اندر چلتے ہیں.......... میرے والد اور والدہ میری واپسی کے منتظر ہونگے..........“

ساجدہ نے دیکھا گلی میں سورج کی روشنی غائب ہورہی تھی.......... اس کی الیکٹرانک گھڑی سمندر میں ایک طویل سفر کرکے آنے کے باوجود چل رہی تھی.......... یہ یقیناً“ اسے سر سے پاؤں تک ڈھانپ لینے والے لبادے کا کمال تھا ساڑھے پانچ بج چکے تھے اور گلی میں معدوم ہوتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر بھی تقریباً“ اسی وقت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ساجدہ کو اپنے شہر اور یہاں کے وقت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ وجاہت کے ساتھ عمارت کے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ دروازہ تاریک شیشے کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن وجاہت اس کا ہاتھ پکڑ کر اس دروازے سے گزرتا چلا گیا۔ وہ دروازہ نہ تو اپنی جگہ سے ہٹا.......... اور نہ ہی ان کی راہ میں مزاحم ہوا.......... وہ اس میں سے یوں گزر گئے جیسے وہ کسی سیال سے بنی ہوئی دیوار تھی۔

وہ ایک مستطیل لابی میں کھڑے تھے جہاں دودھیا سی روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کا منبع کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ روشنی در و دیوار یا شاید فضا سے پھوٹتی دکھائی دے رہی تھی۔ لابی میں دیواروں کے ساتھ چند نشستیں بھی لگی ہوئی تھیں جن پر کچھ لوگ بیٹھے دھیمی آوازوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

ایک طرف استقبالیہ کاؤنٹر سا بھی بنا ہوا تھا لیکن اس پر کوئی موجود نہیں تھا کاؤنٹر کے عقب میں ایک چھوٹا سا بورڈ نظر آرہا تھا جو کسی کمپیوٹر ہی کا کنسول یا کی بورڈ معلوم ہوتا تھا لیکن کچھ مختلف اور زیادہ جدید قسم کا۔

وہ لابی کسی شاندار ہوٹل کی لابی معلوم ہوتی تھی لیکن نہایت ہی سادہ قسم کی.......... وہاں سرخ قالین، فوارے، ٹائلیں، فانوس، صوفے، پینٹنگ، ایکوریم یا اس قسم کے دیگر لوازمات نہیں تھے۔ بہت ہی سادگی اور بے سروسامانی تھی.......... اس کے باوجود نہ جانے کیوں وہ بہت اعلیٰ درجے کی جگہ معلوم ہو رہی تھی۔

ساجدہ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی.......... ”اس دروازے کا فائدہ کیا ہے جس میں سے ہم اس طرح گزر آئے جیسے پانی کی کسی ساکت دیوار سے گزر گئے ہیں..........“

”اس غلط فہمی میں نہ رہنا..........“ وجاہت ہولے سے ہنس دیا۔ جو چہرے یہاں کے سیکیورٹی سسٹم میں رجسٹرڈ نہیں ہیں ان کے لئے یہ دروازہ فولاد سے زیادہ مضبوط ہے تم اس میں سے صرف اس لئے گزر آئیں کہ میں تمہارا ہاتھ تھامے ہوئے تھا میرے اس دروازے کے سامنے آتے ہی میری تصویر سیکیورٹی سسٹم میں ٹرانسمٹ ہوگئی تھی اور دروازے کا مولیکیولر سسٹم

بدل گیا تھا“

ساجدہ پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔ وجاہت اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھا۔ ایک دیوار کے ساتھ مزید کئی چھوٹے چھوٹے دروازوں کی قطار نظر آرہی تھی یہ دروازے بھی بیرونی دروازے کی طرح تاریک شیشے ہی کے معلوم ہوتے تھے۔ بظاہر وہ لفٹوں ہی کی قطار معلوم ہورہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عمارت میں جتنے اپارٹمنٹ تھے اتنی ہی لفٹیں تھیں۔

اس قطار میں سے ایک دروازے کے سامنے وجاہت رکا اور اس میں سے بھی وہ یونہی اطمینان سے گزر کر اندر پہنچ گئے جیسے وہ شیشہ نہیں، کوئی سیال چیز تھی۔ ساجدہ نے خود کو وجاہت کے ساتھ لفٹ جیسے ہی ایک مستطیل باکس میں پایا۔ فرق صرف یہی تھا کہ اس باکس میں ویسا ہی نقرئی دھواں بھرا ہوا تھا جیسا اس دنیا میں داخل ہوتے وقت ساجدہ کو دکھائی دیا تھا۔

لفٹ میں کوئی بٹن یا نشان وغیرہ نہیں تھا دوسرے ہی لمحے ساجدہ کو خودبخود ایسا محسوس ہوا جیسے ہوا انہیں اپنی آغوش میں لئے اوپر کی طرف چل رہی ہو.......... نہایت دھیمے پن سے، نہایت نرمی سے.......... رفتار اگر کچھ تیز بھی تھی تو تیز محسوس نہیں ہورہی تھی.......... اور عجیب بات یہ تھی کہ وہ باکس اپنی جگہ سے حرکت کرتا محسوس نہیں ہورہا تھا ساجدہ کو اپنا وجود اوپر جاتا محسوس ہو رہا تھا۔

چند سیکنڈ بعد اس کے وجود کی حرکت تھم گئی ہوا کے جھونکے نے نہایت آہستگی سے اسے کہیں اتار دیا.......... تاریک دروازہ اب بھی اس کے سامنے تھا۔ وجاہت نے اس کا ہاتھ بدستور تھاما ہوا تھا.......... اگر وہ اسکا ہاتھ چھوڑتا تو شاید ساجدہ کو یہاں کے نظام میں قدم قدم پر دقت پیش آنے لگتی۔ وہ دونوں اس دروازے سے گزر کر باہر آگئے۔

انکے سامنے ویسا ہی ایک دروازہ تھا وہ صرف سائز میں نسبتاً“ کچھ بڑا تھا۔ وہ ایک راہداری میں کھڑے تھے ایک نہایت صاف ستھری اور پرسکون راہداری.......... وہاں بھی چاندی جیسی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ دروازے سے اندر پہنچے تو ساجدہ نے اپنے آپکو ایک کمرے میں پایا۔ وہ شاید ڈرائنگ روم تھا مگر ایک نہایت ہی غیر رسمی سا ڈرائنگ روم۔ اس میں بھی اس قسم کے لوازمات نہیں تھے جو ساجدہ دیکھنے کی عادی تھی۔ بس ایک صوفہ قسم کی چیز اور ایک تپائی نظر آرہی تھی جو نہ جانے کس چیز کی بنی ہوئی تھیں۔ روشنی کیلئے یہاں بھی کوئی چیز نہیں تھی ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ روشنی آتی کہاں سے تھی.......... لیکن اس کے بارے میں اس نے وجاہت سے کوئی سوال نہیں کیا اسے یہی اندیشہ تھا کہ اس کا بھی کوئی سائنسی قسم کا ہی جواب ملے گا۔

ڈرائنگ روم کے معاملے بھی ساجدہ کو یہی حیرت انگیز احساس ہوا کہ وہ اپنی تمامتر بے سامانی اور سادگی کے باوجود نہ جانے کیوں بہت اعلیٰ درجے کا ڈرائنگ روم دکھائی دے رہا تھا۔

ساجدہ نے اب تک جتنی بھی سڑکیں' عمارات' گاڑیاں یا دیگر چیزیں دیکھی تھیں ان میں اسے یہ خصوصیت مشترک نظر آئی تھی کہ سب چیزیں نہایت سادہ دکھائی دیتی تھیں۔ ان کی ڈیزائننگ میں کوئی بہت زیادہ گل کاریاں نہیں کی گئی تھیں اور ان پر کہیں کوئی شوخ' چمکیلا' بھڑکیلا یا سوبر قسم کا پینٹ وغیرہ دکھائی نہیں دیتا تھا اس کے باوجود سب چیزیں بہت اونچے درجے کی معلوم ہوتی تھیں کوئی بھی چیز عام یا معمولی محسوس نہیں ہو رہی تھی حالانکہ ساجدہ اپنے شہر کے سب سے اونچے طبقے کے رہن سہن کی عادی تھی.......... اس کے باوجود یہاں کی ہر چیز اسے اس طبقے کے معیار سے بہت اونچی اور ناقابل دسترس دکھائی دے رہی تھی۔

کمرے میں ان کے قدم رکھتے ہی نہ جانے کس طرف سے ایک مشفقانہ سی مردانہ آواز سنائی دی........ "وجاہت بیٹے! تم آگئے........ یہ تمہارے ساتھ کون خاتون ہیں ؟ اوہ......... میں سمجھا......... یہ یقیناً وہی ساجدہ ہیں جن کا تم نے کل تمام دن ذکر جاری رکھا تھا ان کی باتیں کرکے تم نے میرے اور اپنی امی کے خوب کان کھائے تھے........."

ساجدہ نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا مگر بولنے والے کی صورت اسے کہیں دکھائی نہ دی وجاہت مسکراتے ہوئے بولا......... "پریشان مت ہو......... یہ ابو ہیں اور اس وقت کچن میں بیٹھے ہونگے۔ انہوں نے وزیٹرز آئی سے ہمیں دیکھا ہے اور انٹرنل کنورسیشن سسٹم پر ہم سے بات کر رہے ہیں۔ آؤ ہم کچن میں چل کر ان سے ملتے ہیں۔ امی بھی وہیں ہونگی........."

وہ ڈرائنگ روم سے گزر کر بغیر پٹ کے ایک دروازے میں داخل ہوئے اور چھوٹی سی ایک راہداری سے گزر کر صاف ستھرے' چھوٹے سے ایک کمرے میں جا پہنچے۔ کچن سے وہ صرف اس حد تک مشابہ تھا کہ اس میں ڈائننگ ٹیبل سے ملتی جلتی ایک میز اور چند کرسیاں موجود تھیں دوسرے لوازمات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ کمپیوٹروں اور چند دوسرے الیکٹرانک قسم کے آلات سے مشابہ کچھ چیزیں لگی ہوئی تھیں......... اور بس۔

ڈائننگ ٹیبل پر ایک جوڑا موجود تھا وہ دونوں ہی کسی عجیب وغریب کپڑے سے بنے ہوئے ڈھیلے ڈھالے لبادوں میں تھے۔ مرد تو بالکل وجاہت ہی کی تصویر تھا......... یا یوں کہنا چاہئے تھا کہ وجاہت اس کی تصویر تھا......... لیکن وہ صاحب وجاہت کے والد ہرگز معلوم نہیں ہوتے تھے......... ان کی اور وجاہت کی عمر میں بمشکل چار چھ سال کا فرق دکھائی دیتا تھا۔ وہ وجاہت کے بڑے بھائی دکھائی دیتے تھے۔

ان کے ساتھ جو خاتون بیٹھی تھیں وہ بھی ویسی ہی جوان اور خوش شکل تھیں۔ وجاہت کو دیکھ کر ان دونوں کے چہروں پر والہانہ مسکراہٹ پھیلی گئی۔ وجاہت جھک کر ان دونوں سے یوں ملا جیسے وہ برسوں سے بچھڑے ہوئے تھے۔

وہ مل چکے تو وجاہت' ساجدہ کی طرف مڑتے ہوئے بولا......... "تم یقیناً" سمجھ ہی گئی

ہوگی......... یہ میرے ابو اور امی ہیں......... میرے ابو کا نام کرامت حسین اور امی کا نام صالحہ بیگم ہے........."

وجاہت کے والدین بیک وقت ساجدہ کو اپنے قریب لا کر پیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے......... "ہم بھی سمجھ گئے ہیں......... یہ یقیناً" ساجدہ بیٹی ہے......... بھئی وجاہت نے تمہاری اتنی تعریفیں کی تھیں کہ تم سے ملنے کا سخت اشتیاق تھا......... وجاہت نے بہت اچھا کیا جو تمہیں ساتھ لے آیا........."

ان کے انداز میں اس قدر اپنائیت اور خلوص تھا کہ ساجدہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک مدت گزر گئی تھی اسے یہ لہجہ سنے ہوئے......... اور یہ خلوص محسوس کئے۔

"بیٹھو......... بیٹھو........." کرامت صاحب نے اس کے لئے جلدی سے کرسی کھینچتے ہوئے کہا......... "ہمارے ملک میں تم پہلی بار آئی ہو......... تھک گئی ہوگی........."

ساجدہ بیٹھ گئی وہ سادہ سی کرسی جس پر کوئی کشن وغیرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نہایت آرام دہ تھی ایک بار پھر ساجدہ کو یہی محسوس ہوا جیسے وہ ریشم کے ڈھیر میں دھنس گئی ہو۔ اس کا اپنا خیال بھی یہی تھا کہ جتنا اس نے سفر کیا تھا اور جتنے اس کے ذہن کو پے درپے حیرتوں کے جھٹکے لگے تھے۔ اس کے بعد اسے تھک جانا چاہئے تھا مگر یہ مزید حیرت کی بات تھی کہ وہ اس سے بھی زیادہ تازہ دم تھی جتنی گھر سے چلتے وقت تھی......... معلوم نہیں یہ ایک نئی' انوکھی اور پرکشش دنیا دریافت کرنے کی خوشی تھی یا پھر اس دنیا میں آرام وسکون ہی اتنا محسوس ہوا تھا کہ وہ ذرا بھی نہیں تھکی تھی......... بلکہ اسے ایک خوشگوار سا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک اعصاب شکن ماحول سے کسی نہایت خوبصورت اور پرسکون آرام گاہ میں آگئی تھی۔

وجاہت کی امی ساجدہ سے مخاطب ہوئیں......... "بیٹی! تم کس چیز کا جوس پینا پسند کروگی؟" انہوں نے تمام پھلوں کے نام گنوادیئے۔

"تکلف برطرف........" ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی......... "میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں کچھ نہیں پیوں گی......... کیا پینے کے لئے کوئی گرم چیز نہیں مل سکتی؟ چائے یا کافی وغیرہ؟"

"معاف کرنا بیٹی!" صالحہ بیگم ندامت آمیز سے لہجے میں بولیں........ "اس قسم کی چیزوں کا ہمارے ہاں بالکل رواج نہیں ہے خواہ مخواہ کے نشے جو تمہارے ہاں کے لوگوں نے اپنی جانوں کو لگا رکھے ہیں وہ ہمارے ہاں مدتوں سے ترک کئے جا چکے ہیں......... اب تو کوئی ان کے نام بھی نہیں جانتا........."

"اوہ........" ساجدہ دھیرے سے بولی........ "تو پھر موسمی کا جوس دے دیجئے........."

صالحہ بیگم نے بظاہر سپاٹ نظر آنے والی سفید دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی جہاں نہایت ہلکی سی لکیر سے چھوٹا سا ایک خانہ بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر انگلی رکھتے ہی دیوار میں کچن

کی کیبنٹ کا ایک چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔

صالحہ بیگم نے اس خانے میں ایک چھوٹی سی پلیٹ اور دو تین شیشوں میں سے کچھ چیزیں نکالیں وہ چیزیں پلیٹ میں ڈال کر انہوں نے ساجدہ کے سامنے لا رکھیں۔ پلیٹ بالکل اس سائز کی تھی جیسی بچے کھلونے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور انگور کے سائز کی چھوٹی چھوٹی چند شفاف چیزیں رکھی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر ساجدہ کو اپنے ہاں کے مچھلی کے تیل کے کیپسول یاد آگئے۔

وہ کچھ اسی سے ملتی جلتی چیزیں تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ زیادہ شفاف تھیں اور ان میں سے کوئی موسمی کی شکل کی تھی' کوئی تربوز کی شکل کی اور کوئی انار کی شکل کی..........

جس طرح ننھی سی پلیٹ میں یہ چند ننھی سی چیزیں انہوں نے کھٹ سے ساجدہ کے سامنے لا رکھی تھیں' اس سے ساجدہ کو ایک لمحے کے لئے شرمندگی سی محسوس ہوئی اس کی دنیا میں تو اچھے گھروں میں پڑوس سے آئی ہوئی کسی عورت کو چائے بھی پیش کی جاتی تھی تو اس کے لئے سو اہتمام ہوتے تھے میز بجتی تھی.......... ٹرالیاں کچن سے ڈرائنگ روم تک یا ڈائننگ روم تک سفر کرتی تھیں.......... ہر چیز کھانے پر زور دیا جاتا تھا.......... یہ لیجئے.......... وہ لیجئے کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

بہرحال اس نے اپنی دنیا کے طور طریقوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے موسمی کی شکل کا ایک شفاف دانہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا منہ میں رکھتے ہی وہ ننھی سی نرم تھیلی کی طرح پھٹ گیا اور اس کے منہ میں جوس کا ٹھنڈا میٹھا ذائقہ پھیل گیا۔ اس کا منہ بھر سا گیا اس کے منہ میں پھیلنے والے سیال کا ذائقہ موسمی جیسا ہی تھا لیکن اس نے جتنا چھوٹا گول دانہ سا کھایا تھا اس کے مقابلے میں منہ میں سیال کی مقدار بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی ساجدہ نے اسے جلدی سے نگل لیا اور اسے حقیقتہ" ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اس نے موسمی کے جوس کا گلاس بھر کر پی لیا ہو۔

"کسی اور جوس کو دل چاہے تو وہ بھی لے لو.......... پلیٹ میں کئی چیزوں کا جوس موجود ہے.........." صالحہ بیگم نے محبت سے کہا پھر وہ انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے گویا وضاحت کرنے لگیں.......... یہ تربوز کا ہے.......... یہ سیب کا ہے.......... یہ.........."

"جی.......... میں سمجھ گئی.........." ساجدہ ان کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولی..........

"وجاہت نے مجھے یہاں کی فوڈ پروسیسنگ کے متعلق بتا دیا تھا.......... لیکن اس نے تو بتایا تھا کہ اصلی پھل ہی اس طرح کی شرنک شدہ سی شکل میں ہوتا ہے.......... لیکن یہ تو جوس ہے.........."

"اصل پھل بھی بالکل ایسی ہی شکلوں کے ہوتے ہیں.......... فرق صرف یہ ہے کہ جوس

شفاف شکل میں دکھائی دیتا ہے.......... پھل ٹھوس دکھائی دیتے ہیں بس دیکھنے میں یہی تھوڑا سا فرق ہے.........." صالحہ بیگم نے بتایا پھر انہوں نے کچن کے اسی خانے سے چند اور شیشوں سے ساجدہ کو کچھ "پھل" نکال کر دکھائے۔ وہ واقعی گلیور کی بونوں کی دنیا کے پھل معلوم ہوتے تھے۔

ساجدہ ان چیزوں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہو رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چند دانے' کسی طرح ان کی نظر بچا کر اپنے پرس میں ڈال لے اور اپنے شہر لے جائے تاکہ اگر کبھی کسی کو اس ملک کی سیر کی کہانی سنانے کا موقع آئے تو ثبوت کے طور پر دکھا سکے.......... لیکن مسئلہ یہ تھا کہ والدین اور بیٹا' تینوں ہی بڑے اشتیاق اور انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھے وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتی تھی۔

کرامت صاحب کے سامنے میز پر کمپیوٹر نما ایک چھوٹا سا آلہ رکھا ہوا تھا جس کی اسکرین پر کچھ عبارت ساکت تھی زبان اردو ہی تھی۔

"یہ کیا انکل؟" ساجدہ نے تجسس سے پوچھا۔

"یہ.........." کرامت صاحب چونک کر دوبارہ اس آلے کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تمہارے آنے سے پہلے دراصل میں شام کا اخبار پڑھ رہا تھا.......... میں انگریزی اور اردو کے کئی اخباروں کا مستقل خریدار ہوں۔ وقت بھی کافی ہوتا ہے میرے پاس.......... اور پھر ہمارے ہاں کے اخبارات بھی بہت مختصر ہوتے ہیں.......... کیونکہ ان میں فضولیات' خرافات اور محض چند لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر یا مالی فائدے کے خیال سے چھاپی جانے والی خبریں نہیں ہوتیں.......... ان چیزوں کی ہمارے نظام میں کوئی جگہ ہی نہیں رہی.......... اخبارات صرف بہت ضروری اطلاعات لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں.........."

"لیکن یہ تو کسی طرح بھی اخبار نظر نہیں آرہا.........." ساجدہ نے کمپیوٹر نما آلے کی طرف اشارہ کیا۔

وجاہت مسکراتے ہوئے اپنے باپ سے مخاطب ہوا.......... "ابو! آپ کو شاید یاد نہیں رہا کہ ساجدہ کے ہاں ابھی تک وہی کاغذ پر چھپنے والے اخبارات کا رواج ہے جو صبح ہی صبح ہاکر گھروں میں پھینک کر جاتا ہے.........."

"ارے ہاں.......... میں تو بھول ہی گیا تھا.........." کرامت صاحب بولے پھر وہ سمجھانے والے انداز میں ساجدہ سے مخاطب ہوئے.......... "یہ آلہ.......... یوں سمجھو کہ بس اخبارات کا ریسیور ہے.......... اخبارات کے دفتر میں روزانہ جو اخبارات تیار ہوتے ہیں وہ بڑے کمپیوٹر میں فیڈ کر دیئے جاتے ہیں۔ میں نے جن اخبارات کی خریداری کی رقم ادا کی ہوئی ہے انہیں میں یہاں بٹن دبا کر اس آلے کی سکرین پر پڑھ سکتا ہوں۔ پہلے ہر اخبار کی فہرست نمودار ہوتی ہے

میں جس صفحے میں دلچسپی محسوس کروں گا صرف وہی اسکرین پر لے آؤں گا۔ جس اخبار کا میں خریدار نہیں ہوں وہ اس آلے پر ریسیو نہیں ہو سکتا..........."

"کیا یہاں یہی دو زبانیں رائج ہیں.......... انگریزی اور اردو؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"ہاں.........." کرامت صاحب نے جواب دیا.......... "لیکن دوسرے ملکوں کے ساحلوں کے قریب جو ہم جیسے زیر زمین ملک قائم ہیں وہاں انہی ملکوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں.......... مثلاً امریکہ اور برطانیہ کے ساحلوں کے قریب جو زیر زمین ملک ہیں وہاں صرف انگریزی رائج ہے۔ فرانس کے ساحلوں کے قریب جو ملک زیر زمین اور زیر آب موجود ہیں وہاں فرانسیسی بولی جاتی ہے.......... ہمارے کل صرف اٹھارہ ممالک ہیں ہمارا آپس میں رابطہ ہے ہم اپنے آپ کو ایک الگ عالمی برادری سمجھتے ہیں.......... ویسے تو تم دنیا والے بھی اپنے آپ کو عالمی برادری کہتے ہو لیکن ساتھ ہی ایک دوسرے کے خلاف جنگی سازوسامان کے انبار بھی لگاتے رہتے ہو.......... ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی سازشوں میں لگتے رہتے ہو.........."

"کیا آپ لوگوں کے ہاں اسلحہ تیار نہیں ہوتا؟ آپ لوگ تو سائنسی طور پر اتنے ترقی یافتہ ہیں؟" ساجدہ نے پوچھا

"نہیں.......... ہمارے ہاں اسلحہ تیار کرنا جرم ہے.......... بہت ہی سنگین جرم.......... اس کی سزا موت ہے.........." کرامت صاحب نے جواب دیا.......... "ہزاروں سال پہلے جب ہمارے جنئیس آباؤاجداد تمہاری دنیا سے بیزار ہو کر زیر آب اور زیر زمین منتقل ہوئے تھے تو اس وقت ہی انہوں نے جو بہت سے شاندار اصول وضع کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہاں کوئی ہتھیار تیار نہیں ہو گا.......... ہتھیار ہی فساد کی جڑ ہے.......... ویسے تو خیر جہاں انسان ہے وہاں فساد ہو گا لیکن جہاں ہتھیار ہے وہاں تو ضرور ہو گا۔ ہمارے ہاں صرف دفاعی سامان تیار ہوتا ہے.........."

"ہمارے ہاں بھی ہر مہلک سے مہلک چیز یہی کہہ کر تیار کی جاتی ہے کہ ہم اپنے دفاع کے لئے تیار کر رہے ہیں' ہمیں فلاں سے خطرہ ہے.........." ساجدہ بولی..........

"یہی تو عقل کا پھیر ہے.......... اسی لئے تو تمہاری دنیا میں سبھی کو ایک دوسرے سے خطرہ لاحق ہے.......... ہتھیار تو حملہ کرنے کی' ہلاک کرنے کی چیز ہے۔ اس سے دفاع کا بھلا کیا سوال؟ فرق صرف یہ ہے کہ کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر پہلے حملہ کیا تھا' اس لئے میں نے اپنے دفاع میں اسے ہلاک کر دیا.......... بہرحال انجام تو ہلاکت ہی ہوا نا؟ اور ہلاکت کا یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا.........."

"آپ کے ہاں یہ سلسلہ نہیں ہے؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.......... ہمارے ہاں دفاع کے لئے جو چیزیں تیار ہوتی ہیں ان سے صرف

دفاع ہی ہو سکتا ہے.......... حملہ نہیں ہو سکتا.......... ہمارے ہاں ایسی چیزیں ہیں جن پر پستول کی گولی سے لے کر مارٹر گن کا گولہ تک اثر نہیں کر سکتا۔ کیمیائی ہتھیاروں' ایٹمی ہتھیاروں تک سے بچاؤ کا سامان ہے لیکن حملہ کرنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لئے یہاں امن ہی امن ہے۔ چھوٹے موٹے جھگڑے یا ہاتھاپائی بھی شاذونادر ہی ہوتی ہے.......... وہ بھی کسی غلط فہمی کی بناء پر.......... ہر جگہ کیمرے لگے ہوئے ہیں سارے نظام جدید ترین انداز میں کمپیوٹرائزڈ ہیں۔ ادھر معمولی سا جھگڑا ہوا' ادھر پولیس موقع پر پہنچی۔ قریب ترین کورٹ میں دونوں فریقوں کو پیش کیا۔ وہاں جج نہیں' صرف کمپیوٹر موجود ہوتا ہے دونوں کے بیانات' ذہنی حالت اور کردار تک کا تجزیہ کمپیوٹر کرتا ہے اور چند منٹ میں فیصلہ دے دیتا ہے کہ قصور کس کا تھا.......... اور کس کے ذہن میں کیا رجحانات جنم لے رہے ہیں' کس کے کردار میں کیا کمی ہے.......... کبھی کبھی ہمارے ہاں کوئی ایسا انسان پیدا ہو جاتا ہے جس کے لاشعور میں کہیں تم دنیا والوں جیسے جنگی جنون یا نفرت کے جراثیم جنم لے رہے ہوتے ہیں.......... ایسے انسان کا سراغ لگتے ہی ہم اسے اصلاح گھر میں بھیجتے ہیں وہاں سے عموماً وہ ذہنی طور پر صحت یاب ہو کر نکلتا ہے اگر اصلاح گھر یہ رپورٹ دے دے کہ یہ شخص ناقابل اصلاح ہے تو اسے سزائے موت دے دی جاتی ہے.......... ہمیں ایسے انسانوں کی قطعاً ضرورت نہیں جو کسی مقام پر ہمارے اس صاف ستھرے نظام کو بھی فیل کرنے کا سبب بن جائے۔ اس شخص کو ہم مچھلیوں کا چارہ بننے کے لئے سمندر میں دھکیل دیتے ہیں۔ اس کے جسم میں ایک خاص مادہ انجیکٹ کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سمندری مخلوق اس سے اس طرح گریز کرنا چھوڑ دیتی ہے جس طرح وہ عام طور پر ہماری دنیا کے لوگوں سے کرتی ہے.......... اس کے بجائے وہ بہت زیادہ اشتیاق سے لپک کر اس شخص کی طرف آتی ہے اور چند لمحوں میں اس کا ریشہ ریشہ چٹ کر جاتی ہے.........."

ساجدہ دم بخود بیٹھی تھی۔ کرامت صاحب بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔ "لیکن ہماری دنیا میں اس قسم کے چند ہی واقعات ہوتے ہیں ان کی تصویریں اور تفصیل تمام اخبارات میں چھپتی ہے۔ تمام ٹی وی نیٹ ورک اس کی مفصل باتصویر کارروائی نشر کرتے ہیں یہ ایک بہت بڑا واقعہ ہوتا ہے.......... اٹھارہ کے اٹھارہ ممالک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سنسنی پھیل جاتی ہے۔ ناقابل اصلاح انسان کا پایا جانا ہمارے ہاں بڑا انہونا سا واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ مدتوں اس کے چرچے رہتے ہیں.........."

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کرامت صاحب بولے.......... "ہماری دنیا کو سب سے زیادہ خطرہ تمہاری دنیا کی طرف سے ہی رہتا ہے.......... کہ ذرا بھی کسی کو ہماری دنیا کی ٹوہ لگ گئی تو بس پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اپنی دنیا کو تو انہوں نے جی بھر کے بدصورت بنا لیا ہے اب ذرا بھی کسی دوسری دنیا کا سراغ ملے تو وہاں بھی اپنی فساد کاریاں لے کر پہنچنے کی فکر

میں رہتے ہیں اپنے مسائل حل نہیں ہوتے لیکن دوسری دنیاؤں میں جھانکنے کے شوق میں خزانے کے خزانے پھونکتے رہتے ہیں......... اس لئے ہم نے زیادہ تر دفاعی چیزیں ایسی تیار کی ہیں جو تمہاری دنیا میں پائے جانے والے ہتھیاروں سے بچاؤ کے لئے ضروری ہیں......... بہرحال ہمارے انتظامات ایسے ہیں کہ اگر انہیں ہماری دنیا کے بالکل صحیح محل وقوع کا پتا چل بھی جائے تب بھی وہ ہزار سال سر پھوڑنے کے باوجود اس میں داخل نہیں ہوسکتے........."

ایک لمحے خاموشی رہی......... پھر وجاہت سکوت توڑتے ہوئے بولا......... "ابو! اب تو ساجدہ یہاں آتی جاتی رہیں گی......... انہیں قسطوں میں ہماری دنیا کے بارے میں معلومات ہوتی رہے گی......... اب تک مجھ سے بھی راستے میں اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں......... اور اب گھر آکر بھی یہی قصے چھڑے ہوئے ہیں......... کوئی ذاتی بات بھی کیجئے........."

"ایک منٹ........." ساجدہ انگلی اٹھا کر بولی......... "موضوع بدلنے سے پہلے میں ایک ضروری بات پوچھنا چاہوں گی......... آپ کی دنیا کے بارے میں اتنی باتیں ہوئیں مگر ابھی تک مجھے اس کا نام نہیں معلوم......... اس کا......... یا کم ازکم ہر ملک کا کوئی نام تو ضروری ہوگا؟"

"ہمارے تمام ممالک پر مشتمل دنیا کا ایک ہی مجموعی نام ہے......... اور وہ اس کے محل وقوع سے ہی ظاہر ہے......... کرامت صاحب مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" ساجدہ سمجھ نہ سکی۔

"بھئی......... ہماری دنیا "انڈرلینڈ" کہلاتی ہے......... اور اس میں ہر ملک کا ایک نمبر ہے......... مثلاً ہمارا ملک "انڈرلینڈ تھری" ہے........." انہوں نے جواب دیا.........

ساجدہ گہری سانس لے کر رہ گئی اسے بچپن کی پڑھی ہوئی کہانیوں کی ایلس یاد آگئی جو ونڈرلینڈ کی سیر کرکے آئی تھی۔ شاید وہ بھی دورجدید کی ایلس تھی جو "انڈرلینڈ" کی سیر کر رہی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کی یہ دنیا خوابوں کی دنیا نہیں تھی......... گو منطقی طور پر اسے ایسا ہی لگ رہا تھا لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے......... یہ اس کے تخیل کی پیداوار نہیں ہے۔

کرامت صاحب والہانہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھ کر ساجدہ سے مخاطب ہوئے......... "اس کی تم سے صرف ایک ملاقات ہوئی اور اس نے بہت دیر تک تمہاری باتیں کیں......... اتنی دیر تک اس نے کبھی یہاں کسی لڑکی کی اتنی باتیں نہیں کیں۔ دراصل اسے بہت دنوں سے تمہاری دنیا سے خاصی دلچسپی رہی ہے وہاں کی لڑکیوں کی طرف بھی اس کا خاصا رجحان رہا ہے......... اب یہ شادی بھی وہیں کی کسی لڑکی سے کرنے کے چکر میں ہے......... اسی لئے اس کی شادی لیٹ ہوتی چلی جا رہی ہے......... کیونکہ تمہاری دنیا سے ہماری دنیا کے قابل لڑکی تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مگرمچھ میں اچھا شعری ذوق تلاش کرنا........."

"آپ تو ہماری دنیا سے بہت مایوس معلوم ہوتے ہیں انکل!" ساجدہ مسکراتے ہوئے بولی......... "ہماری دنیا اتنی بھی بری نہیں ہے......... مانا کہ وہاں برائیاں زیادہ ہیں......... لیکن وہاں خوبصورتیاں بھی بہت ہیں........."

"ارے بیٹا! تمہاری دنیا سے ہم تو کیا......... ہمارے آباؤاجداد ہی ہزاروں برس پہلے مایوس ہوگئے تھے......... اب تو اس کا چہرہ اور بھی مسخ ہوچکا ہے........." کرامت صاحب ٹھنڈی سانس لے کر بولے......... "تم جن خوبصورتیوں کی بات کرتی ہو وہ خوبصورتیاں نہیں' خود فریبی ہے......... دل بہلاوے ہیں......... بہرحال ہم نے بیٹے کی کبھی مخالفت نہیں کی......... اگر اسے کوئی لڑکی موزوں نظر آئے تو بے شک شادی کرکے لے آئے......... ہماری طرف سے اجازت ہے........."

وجاہت قدرے شرمیلے لہجے میں بولا......... "ابو! انہیں یہ سب باتیں سنانے کا کیا فائدہ؟ یہ تو شادی شدہ......... بلکہ ایک عدد بچے کی والدہ بھی ہیں........."

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" کرامت صاحب نے حیرت سے پہلے بیٹے کی طرف پھر ساجدہ کی طرف دیکھا......... "مجھے تو شبہ تک نہیں گزرا کہ یہ شادی شدہ ہیں........."

ساجدہ کو ہنسی آتے آتے رہ گئی۔ پہلے تو اسے یہی شبہ گزرا کہ کرامت صاحب مذاق کر رہے ہیں اس کے بالوں میں تو چاندی کے تار جھلملاتے تھے جن کی پردہ پوشی امپورٹیڈ ہیئر کلر سے ہوتی تھی اور کرامت صاحب اسے غیرشادی شدہ لڑکی سمجھ رہے تھے......... وہ تو ایک طلاق کے صحرا سے بھی گزر چکی تھی۔

اس نے بغور کرامت صاحب کی طرف دیکھا......... مگر وہ بالکل سنجیدہ تھے......... اور وہ ایسے انسان بھی معلوم نہیں ہوتے تھے جو کسی کا مذاق اڑانے کی کوشش کرتے۔

بے اختیار ساجدہ کا دل چاہا کہ کمرے میں کوئی قدآدم آئینہ موجود ہوتا اور وہ ازسرنو' ایک الگ زاویۂ نگاہ سے اپنا سرتاپا جائزہ لیتی۔ خودستائشی اس کے مزاج میں نہیں تھی ورنہ اس وقت اس کا سوچنے کو دل چاہ رہا تھا کہ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات' کوئی ایسا خاموش جادو ضرور تھا جس کی موجودگی سے وہ خود بھی لاعلم تھی مگر وہ اپنا اثر دکھاتا تھا۔ تبھی تو پہلے پرستان جیسی کسی ان دیکھی اور انوکھی دنیا کا ایک وجیہہ شہزادہ اس کی زلف کا اسیر ہوا اور اب اس انوکھی اور غیر معمولی دوسری دنیا کا ایک خاص آدمی جو وجاہت میں اپنی مثال آپ تھا۔ آنکھوں میں پسندیدگی کے خزانے لئے کس تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

ساجدہ کو صرف اس نے ہی نہیں' اس کے والدین نے بھی یقیناً بے پناہ پسند کیا تھا۔ مگر اس کا شادی شدہ ہونا اور ایک بچے کی ماں ہونا' ان لوگوں کے اظہار جذبات کے راستے میں یک دم رکاوٹ بن گیا تھا ورنہ ساجدہ آسانی سے اندازہ کر سکتی تھی کہ وہ کیا سوچ رہے تھے' کیا

چاہتے تھے۔ بیٹے کے دل میں کیا تھا اور والدین کے ارمان کیا تھے۔

ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا کہ اس نے وجاہت کو اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا کاش وہ سچ نہ ہوتا۔ صورت حال کچھ اور طرح کی ہوتی مگر دوسرے ہی لمحے اپنی اس سوچ پر وہ خود ہی شرمندہ ہوگئی۔ اس پر کشش مگر ہرجائی خیال کو اس نے جلدی سے اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے آپ کو یاد دلایا کہ اسے دنیا میں عکس سے زیادہ عزیز کوئی نہیں تھا۔ وہ اس سے جتنا بھی دور تھا اور خواہ جتنا بھی مجبور تھا مگر ساجدہ اب بھی اس کی وفا کی قیدی تھی۔

عکس کے مقابلے میں وجاہت کی ذات کے ساتھ بے شک بہت سی ترغیبات وابستہ تھیں سب سے بڑی بات تو یہی تھی کہ عکس کی طرح کسی انجانی' ان دیکھی دنیا کا باشندہ نہیں تھا وہ خود بھی اس کے سامنے تھا اور اس کی دنیا بھی ساجدہ کے سامنے تھی۔ بے شک یہ دنیا ذرا زیادہ ترقی یافتہ تھی مگر ساجدہ کی اس تک رسائی تو تھی۔

وجاہت بھی ایک خواب' ایک واہمے کی طرح نہیں تھا۔ وہ ایک ٹھوس حقیقت تھا وہ آنکھیں کھولنے پر خواب کی طرح غائب نہیں ہوجاتا تھا۔ وہ اپنی دنیا کی ہر بات بڑے اشتیاق سے خود ساجدہ کو بتا رہا تھا۔ وہ لوگ خود بھی ساجدہ کے لئے راز نہیں تھے اور ان کی دنیا بھی راز نہیں تھی۔ وجاہت کے لئے ساجدہ کی دنیا میں آکر آباد ہونا کوئی اتنا سنگین مسئلہ نہیں تھا اور ساجدہ کے لئے وجاہت کی دنیا میں آکر بس جانے کا تصور کوئی ایسا محال نہیں تھا اور بلاشبہ وہ ایک ایسا شخص تھا جسے دیکھ کر ساجدہ کا محزون وافسردہ دل بڑی شدتوں سے دھڑک اٹھتا تھا۔

یہ ساری کشش' یہ تمام ترغیبات اپنی جگہ تھیں مگر ساجدہ کی وفاپرستی اس کے پیروں کی زنجیر تھی۔ عکس کے ساتھ اس کے عہدوپیماں.......... اس کی دی ہوئی ان گنت خوشیاں.......... اس کے ساتھ گزرے ہوئے انوکھے اور بے مثل لمحے.......... بے بدل مسرتوں اور لذتوں سے معمور شب وروز.......... اس کی بیکراں چاہتوں کے ناقابل فراموش مظاہرے.......... ان سب یادوں کی خوشبو سے ساجدہ کا روأں روأں اب بھی مہکتا تھا۔ یادوں کے ان انمول پھولوں کو کچلتی ہوئی وہ کیونکر آگے بڑھ کر ایک نئی دنیا آباد کر سکتی تھی!وہ اس طرح کی عورت نہیں تھی یا کم ازکم اپنی نظر میں اس قسم کی عورت بننا نہیں چاہتی تھی۔

خیالوں کی الجھی الجھی دنیا سے باہر آتے ہوئے وہ وجاہت کی طرف دیکھ کر دلکشی سے مسکرائی.......... "تم دل چھوٹا مت کرو.......... میں تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈوں گی۔"

"جی نہیں.......... اس کی ضرورت نہیں.........." وجاہت گویا جل کر بولا۔ "ضروری نہیں کہ ہر مطلوبہ چیز ڈھونڈنے سے ہی ملتی ہو.......... بعض اوقات بغیر ڈھونڈے جو چیز مل جاتی ہے وہی انسان کو مطلوب ہوتی ہے۔ مگر وہ انسان کے مقدر میں نہیں ہوتی۔"

"تم سائنسی لوگ بھی مقدر میں یقین رکھتے ہو؟" ساجدہ مسکرائی۔

"ہم تو ایسی چیزوں میں زیادہ یقین رکھتے ہیں کیونکہ فطرت اور قدرت ہی کا دوسرا نام سائنس ہے۔ جو لوگ فطرت اور قدرت سے الگ راستہ بنا کر سائنسی ترقی چاہتے ہیں ان کی دنیا کا انجام وہی ہوتا ہے جو تمہاری دنیا کا ہو رہا ہے۔" وجاہت بولا۔

کرامت صاحب اتنی دیر سے گویا دم بخود بیٹھے تھے۔ وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔ "بھئی یہ سائنس اور دنیا کی بحث دوبارہ مت شروع کرو۔"

پھر وہ ساجدہ سے مخاطب ہوئے۔ "میری حیرت واقعی ابھی تک دور نہیں ہو رہی ہے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اپنے آپ کو بہت زیادہ تجربہ کار تو نہیں کہہ سکتا لیکن پھر بھی میرا خیال تھا کہ میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورت کو پہچان سکتا ہوں۔ تم پر مجھے شادی شدہ ہونے کا گمان نہیں گزرا تھا۔"

"انکل..........! آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔" ساجدہ ہنس کر بولی۔

"لوگ کہتے ہیں کسی خاتون سے اس کی عمر نہیں پوچھنی چاہئے۔ آج آپ ایک ایسی بے مثال خاتون سے مل رہے ہیں جو خود آپ کو اپنی عمر بتا رہی ہے۔ ۳۷ سال عمر ہے میری.......... اور زندگی کا دوسرا اہم راز بھی میں آپ سے نہیں چھپا رہی.........." وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "ان بالوں میں اکادکا بال سفید بھی ہے لیکن اس کا سراغ لگانا مشکل ہے۔"

"اپنی عمر سے کم نظر آنے میں تو ہمارے ہاں کے لوگوں کا جواب نہیں۔" کرامت صاحب بولے۔ "مرد ہوں یا عورتیں' بہت لمبی عمر میں جاکر بوڑھے ہوتے ہیں۔ لیکن تم بھی زبردست عمر چور ہو اپنی عمر سے کم ازکم دس سال چھوٹی نظر آتی ہو۔" پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولے۔ "بہرحال ۳۷ سال عمر ہو جانا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہت سی لڑکیوں کی شادی اس عمر تک نہیں ہوپاتی اور تمہاری دنیا میں تو سماجی مسائل ویسے بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے عمر زیادہ ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ کوئی لڑکی شادہ شدہ ہے اور عمر کم ہونا بھی لڑکی کے غیر شادی شدہ ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے کہ تمہارے ہاں چودہ پندرہ سال کی عمر میں بھی لڑکی کی شادہ ہوجاتی ہے۔ میں تو اس معاملے کو عمر سے الگ کر کے دیکھتا ہوں۔ بر سبیل تذکرہ.......... اپنا وجاہت بھی کوئی ایسا لڑکا بالا نہیں۔ چالیس سال کا ہونے کو آرہا ہے۔"

"ابو.........." وجاہت مصنوعی خفگی سے بولا۔ "اگر ساجدہ اپنی پول پوری طرح کھولنے پر تلی ہوئی ہے تو آپ بھی جواباً میری پول تو نہ کھولیں"

"خیر.......... خاطر جمع رکھو۔" ساجدہ نے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دی۔ "تم تو مجھ سے بھی کم عمر نظر آتے ہو۔ ۲۵ سال سے زیادہ ہرگز نہیں لگتے۔"

"ہمت افزائی کا شکریہ۔" وجاہت جھک کر آداب بجالاتے ہوئے بولا۔ "لیکن من

تراحاجی بگویم تو مراحاجی بگو والی اس محفل کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارے دل میں تو جو بات تھی وہ دل ہی میں رہ گئی۔" اس نے ایک طویل آہ بھری۔

"تمہارے دل میں جو بات ہے وہ میں بہت پہلے سمجھ چکی ہوں۔" ساجدہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ "لیکن کسی شادہ شدہ خاتون کو باتوں باتوں میں بھی اس قسم کے اشارے دینا کوئی اچھی بات تو نہیں۔"

"آپ کو اتنی سنجیدہ بلکہ رنجیدہ شکل بنانے کی ضرورت نہیں۔" وجاہت بدستور خوشدلی سے بولا۔ "ان اشاروں کا تو ہم نے کل ہی گلا گھونٹ دیا تھا۔ اپنے ارمانوں کو ہم نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور دل کی گہرائیوں میں ان کا مزار بنادیا تھا۔ یہ تو ایسے ہی تقریباً مذاق میں باتیں ہو رہی تھیں۔ میں اپنے امی ابو کے سامنے مودب بھی بہت رہتا ہوں لیکن ساتھ ہی کبھی کبھی بے تکلفانہ گفتگو کے دور بھی چلتے رہتے ہیں یہ لوگ چونکہ میری شادی کی فکر میں دن بہ دن دبلے ہو رہے ہیں اور میرے ساتھ ایک مدت کے بعد کسی خاتون نے اس گھر میں آنے کی زحمت کی تھی اس لئے یہ موضوع زیر بحث آئے بغیر نہیں رہ سکا۔ چلو دفع کرو ان باتوں کو.......... اور سناؤ.......... تمہیں ہمارا ملک کیسا لگا؟"

"یہ ان گنت لوگوں کے خوابوں کا ملک ہے دل چاہتا ہے یہیں رہنے لگوں۔" ساجدہ بولی۔ "لیکن ڈرتی ہوں کہ ایک دن کہیں اس سے بھی دل نہ بھر جائے شاید انسان کہیں بھی مطمئن نہیں رہ سکتا.......... اور شاید یہی اس کی فطرت ہے۔"

کرامت صاحب بولے۔ "اس ملک کے دروازے تمہارے لئے ہر وقت کھلے ہیں تم جب چاہو یہاں آکر رہائش اختیار کرسکتی ہو۔ ہم تمہیں یہاں کی شہریت دلوادیں گے یہاں کا کوئی بھی شہری کسی ایک شخص کے یہاں رہنے کی سفارش کر سکتا ہے اور تم پر یہ پابندی نہیں ہوگی کہ تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتیں۔ ایسی کوئی بات نہیں.......... تم جب بھی اکتاہٹ محسوس کرو، کتنے ہی عرصے کے لئے کہیں بھی جا کر رہ سکوگی۔"

"اچھا..........؟" ساجدہ کی آنکھوں میں دلچسپی جھلک آئی۔

"ہمارے ہاں رہنے کی صرف ایک شرط ہے اور وہ ہے رازداری.........." کرامت صاحب بولے۔ "تمہیں اس معاملے میں حد سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا کہ کس قسم کے آدمی سے اس دنیا کا ذکر کیا جاسکتا ہے اور کسی قسم کے آدمی کو اس کے بارے میں اشارہ بھی نہیں دینا ہے جب تم کچھ عرصہ یہاں رہو گی تو تم میں یہ صلاحیت خودبخود پیدا ہو جائے گی کہ پہچان سکو اور فیصلہ کرسکو کس انسان سے یہاں کا ذکر کیا جاسکتا ہے اور کس انسان سے نہیں۔ جیسے وجاہت نے تم سے ملاقات کے دوسرے ہی دن فیصلہ کرلیا کہ تمہیں نہ صرف یہاں کے بارے میں بتایا جاسکتا ہے بلکہ یہاں لایا بھی جاسکتا ہے یہ ایک بہت بڑا اور بہت اہم فیصلہ ہوتا ہے.........."

ساجدہ نے تفہیمی انداز میں سرہلایا دفعتہً وہ صالحہ بیگم سے مخاطب ہوئی۔ "آپ تو بالکل خاموش بیٹھی ہیں مجھے تو حیرت ہورہی ہے کہ اتنی گفتگو کے دوران آپ خاموش رہیں خواتین کے متعلق جو روایات مشہور ہیں آپ کا رویہ تو ان کے بالکل خلاف ہے۔"

صالحہ بیگم مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں۔ "عام طور پر جب دو خواتین پہلی بار ملتی ہیں تو ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ کریدنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن مجھے اس کی ضرورت پیش نہیں آرہی کیونکہ وجاہت تو ہمیں تمہارے متعلق سب کچھ بتا چکا ہے ہم تو صرف یہ ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ تمہیں اپنے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتاتے رہیں۔ وجاہت اور اسکے ابو یہ کام عمدگی سے کررہے ہیں۔"

دفعتہً ساجدہ کی نظر اپنی گھڑی پر پڑی.......... "ارے.......... سات بج گئے باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا۔ مجھے تو اب فوراً روانہ ہوجانا چاہیے۔ واپسی میں بھی کافی دیر لگ جائے گی راستہ بھی سنسان ہے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی گھر کے تینوں افراد بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے تک اس کے ساتھ آئے۔ صالحہ بیگم بولیں۔ "وجاہت سے وقت طے کرکے کبھی اطمینان سے کافی دیر کے لئے آؤ ہم تمہیں یہاں کی سیر کرائیں گے۔"

"ضرور، میں ضرور آؤں گی۔" ساجدہ نے وعدہ کیا۔

کرامت صاحب اور صالحہ بیگم گھر میں ہی رہ گئے۔ وجاہت اسے چھوڑنے کے لئے اس کے ساتھ چلا وہ اس اپارٹمنٹ ہاؤس سے نکل آئے تو وجاہت اپنے لبادے سے نہایت باریک اور رنگارنگ سا ایک خوبصورت چمکیلا پلاسٹک کا سا ٹکڑا نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تم ایک کرنسی نوٹ کی فرمائش کر رہی تھیں۔ یہ میں گھر سے آتے وقت ایک تمہارے لئے لیتا آیا ہوں۔ لیکن وعدہ کرو کہ انتہائی اشد ضرورت کے بغیر تم یہ کسی کو نہیں دکھاؤگی اور اگر دکھاؤگی تو کسی موزوں ترین آدمی کو دکھاؤگی۔"

"کیا تمہیں مجھ سے کسی غیرذمہ داری کی توقع ہے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" وجاہت بولا۔ "لیکن نصیحت کر دینے میں کیا حرج ہے۔" اس نے نوٹ ساجدہ کے ہاتھ پر رکھ دیا وہ واقعی ایک عجیب نوٹ تھا ساجدہ کو یقین تھا کہ دنیا کی نفیس ترین چیزیں تیار کرنے والی کوئی فیکٹری بھی اس قسم کا نوٹ تیار نہیں کرسکتی تھی۔ ساجدہ نے نہایت احتیاط سے اسے پرس میں رکھ لیا۔

جس طریقے سے وہ آئے تھے اسی طرح واپس سطح سمندر پر پہنچے اور پھر عین اس مقام پر آگئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ غنیمت تھا کہ ساجدہ کی کار ایک پتھر کی اوٹ میں، اس ویرانے میں اسی طرح کھڑی تھی۔

"کل کب آؤ گی؟" وجاہت نے کار کے قریب پہنچ کر پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتی۔ تم کل دن میں کسی وقت فون کر لینا" ساجدہ بولی وہ حیران تھی کہ وجاہت کے لہجے میں ابھی تک اشتیاق کیونکر برقرار تھا۔ وہ تو اس کی امیدوں کے تمام گھروندے اپنی دانست میں مسمار کر چکی تھی۔ اسے اس شخص کی قربت سے خوف آنے لگا تھا وہ اس کے اندر پھیلی ہوئی خواہشوں کی پرسکون جھیل میں تلاطم پیدا کر رہا تھا۔ ساجدہ جان بوجھ کر ایسے شخص کے قریب جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اس شخص میں مقناطیسی قوت بھی غضب کی تھی۔

"ساجدہ! کوشش کرو کہ آئندہ تم اس شخص سے ملنے نہ آؤ۔" اس نے دل ہی دل میں گویا اپنے آپ کو نصیحت کی لیکن لاشعور کے کسی اندھیرے گوشے سے کوئی قوت اسے خبردار کر رہی تھی کہ وہ آئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔

وہ وجاہت کو خدا حافظ کہہ کر نہایت تیز رفتاری سے وہاں سے روانہ ہوئی۔ راستہ سنسان تھا اور وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ راستے میں کسی طرف سے کوئی گاڑی اچانک نمودار ہو کر اسے روکنے کی کوشش کرے۔ پرس اس نے کھول کر گود میں رکھا ہوا تھا تاکہ بوقت ضرورت پستول فوراً نکال سکے۔

کلفٹن کے بارونق حصے میں پہنچ جانے کے بعد اس نے رفتار کم کی۔ پرس بند کر کے ایک طرف رکھا اور نارمل انداز میں گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔

گھر پہنچنے تک وہ اس قدر ہیجان زدہ تھی کہ اسے بھوک بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے شاور لیا۔ ڈھیلا ڈھیلا آرام دہ نائٹ گاؤن پہنا اور الیکٹرک کافی پاٹ لے کر اپنے بیڈروم میں بند ہو گئی۔

ڈائری نکال کر اس نے اپنی یادداشتوں کا سلسلہ وہیں سے لکھنا شروع کیا جہاں سے چھوڑا تھا۔ اس کی زندگی کی کہانی بلاشبہ انوکھی، ناقابل یقین اور نشیب و فراز سے پر تھی۔ اسے اپنے آپ پر افسوس ہو رہا تھا کہ اسے اپنی داستان حیات تحریری شکل میں محفوظ کر کے رکھنے کا خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔

وہ لکھتے وقت اتنا جوش و خروش محسوس کر رہی تھی کہ ایک بار بھی اسے گھڑی کی طرف دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ وہ بس وقفے وقفے سے کافی کا مگ لیتی رہی اور صفحوں پر صفحے بھرتی چلی گئی۔ اس کی تحریر میں پچھلے روز سے بھی زیادہ روانی آ گئی تھی۔

بالآخر اس نے تمام واقعات ختم کر لئے اس نے آج وجاہت سے اپنی ملاقات اور انڈر لینڈ کی سیر کی تفصیلات تک تمام باتیں لکھ لی تھیں۔ کوئی چیز رہ نہیں گئی تھی۔ گویا اس نے پچھلا کام تو ختم کر لیا تھا اس نے عہد کیا اب وہ روز کے روز اس میں اپنی زندگی کے تازہ واقعات شامل

کرتی جائے گی۔

اس نے شروع سے اپنا لکھا ہوا پڑھا اور ایک بار پھر اس کی رگ و پے میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ اسے خود سے امید نہیں تھی کہ اپنی داستان حیات کو اتنی عمدگی سے اور اتنے کم وقت میں لکھ سکے گی۔

وہ اس کے آخری صفحے کے مطالعے میں کھوئی ہوئی تھی اور اسے ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ باہر سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ کھڑکیوں پر پردے کھنچے ہوئے تھے دفعتہً اسے کمرے میں عکس کی خوشبو آئی۔ اسے خود پر حیرت ہوتی تھی کہ اسے غیر مرئی وجود کی "خوشبو" آ جاتی تھی۔

اس نے بصد اشتیاق آنکھیں بند کر لیں وہ واقعی اس کے بیڈ کے قریب کھڑا تھا اور اس کی نظر ساجدہ کی ڈائری پر تھی۔ اس کی آنکھوں میں بیکراں محبتوں کے خزانے تو پہلے ہی کافی عرصے سے تفکرات کی دھند میں چھپتے جا رہے تھے لیکن اس وقت تک اس کی آنکھوں میں محبت کی رمق بھی نہیں تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں شعلے رقصاں تھے اور ایسے میں وہ آنکھیں ہمیشہ کی طرح خوبصورت معلوم نہیں ہو رہی تھیں۔

ساجدہ نے اس کی برہمی پر زیادہ توجہ نہیں دی اور اپنی تمام تر تھکن کے باوجود ڈائری تکئے کے نیچے رکھ کر والہانہ انداز میں بانہیں پھیلاتے ہوئے مسکرا دی۔ اسے بہت خوشی تھی کہ عکس بالکل غیر متوقع طور پر آ گیا تھا۔

لیکن عکس اس کی طرف نہیں جھکا۔ وہ اپنی جگہ چٹان کی طرح جما کھڑا رہا اور اسی طرح شعلہ باز نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بہت خوش ہو اس لفنگے سے مل کر.........؟"

ساجدہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔ اتنی بیگانگی اس نے عکس کے لہجے میں آج تک محسوس نہیں کی تھی۔ ناگواری سے اس کے رخساروں پر ہلکی سی تپش آ گئی۔

"تم وجاہت کو لفنگا کہہ رہے ہو؟" ساجدہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے......... اور کسے کہہ سکتا تھا؟" عکس بدستور زہریلے لہجے میں بولا.........

"تمہیں یقیناً بہت ناگوار گزرا ہو گا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم جیسی عورت بھی محض کسی کی چرب زبانی سے صرف ایک دو ملاقاتوں سے اتنی متاثر ہو سکتی ہے۔"

"تم نے کیسے جان لیا کہ میں اس سے متاثر ہوئی ہوں؟ اور اگر ہوئی ہوں تو محض اس کی چرب زبانی سے ہوئی ہوں؟" ساجدہ نے بھی چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم بھول گئی ہو کہ میں بہت سی ایسی باتیں جان لیتا ہوں جو میری عدم موجودگی میں، نامعلوم مقامات پر ہوتی ہیں.........." عکس بولا۔

"تمہاری غیبی قوتیں تمہیں یقیناً تھوڑا بہت دھوکا دینے لگی ہیں........" ساجدہ کے لہجے

میں سردمہری آ گئی............ "میں اگر متاثر ہوئی بھی ہوں تو کم از کم اس کی چرب زبانی سے نہیں ہوئی............ اور میرے خیال میں اس نے چرب زبانی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا۔ اس نے کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔ کسی معاملے کو بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیا۔ لفظوں کے انتخاب میں تم خاصے سفاک ہوتے جا رہے ہو۔ مجھ سے اس کی جو گفتگو رہی اسے چرب زبانی نہیں صرف حقیقت بیانی کہا جاسکتا ہے۔ پھر اس کے علاوہ بھی اس میں اور اس کی دنیا میں بہت سی خوبیاں تھیں جن سے متاثر ہوا جاسکتا تھا............"

"مثلاً؟" عکس شاید اپنے لہجے کے زہریلے پن پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کوشش میں اسے کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

"مثلاً یہ کہ وہ ایک نہایت انوکھی ' ترقی یافتہ' پرسکون اور خوبصورت دنیا تھی............

ساجدہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی............ "اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے دروازے میرے لئے کھلے ہوئے تھے............"

پھر ساجدہ کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور وہ ترچھی نظروں سے عکس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی............ "لیکن تمہیں تو غیبی باتوں کا علم ہو جاتا ہے............ کیا تمہیں ان سب باتوں کا علم نہیں ہوسکا؟ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

سمندر کی تہہ میں پہنچنے تک تمہارے درمیان جو باتیں ہوئیں مجھے صرف ان کا علم ہوسکا ہے............" عکس بولا............

"اس دنیا کے دروازے سے آگے میری قوتوں کی رسائی نہیں ہوسکی............ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے وہاں جانے کے بعد کیا ہوا............"

"حیرت ہے!" ساجدہ استہزائیہ لہجے میں بولی............ "سائنس نے پراسرار قوتوں کو شکست دے دی؟ ویسے تمہارے خیال میں میرے وہاں جانے کے بعد کیا ہوا ہوگا؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں"؟ وہ شرمندہ ہوئے بغیر بولا۔

"آج مجھے تمہارے لہجے سے اپنے سابق شوہر رفیق کی یاد آ گئی ہے............" ساجدہ کے لہجے میں غصے کی جگہ کرب جھلک آیا............ "وہی شکی انداز............ وہی بے اعتباری............ وہی سطحی پن............ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آئیڈیل بھی بالآخر آسمانوں کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر اتر آتے ہیں............ اب میں سوچ رہی ہوں کہ وجاہت حسین کی دنیا میں جتنی کشش مجھے محسوس ہو رہی تھی اور جیسی مجھے پیشکشیں ہو رہی تھیں' مجھے ان کو قبول کر لینا چاہئے تھا............ میں خواہ مخواہ اس بے چارے کا دل توڑ کر اور اس کے پیارے سے والدین کو مایوس کر کے چلی آئی............ محض تمہاری خاطر............ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس لہجے میں مجھے میری استقامت اور وفاداری کا صلہ دوگے تو میں ان سب کو مایوس کرنے سے پہلے چند لمحے

ضرور سوچتی............"

عکس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن ساجدہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر بولی............ "لیکن خیر............ ابھی کچھ نہیں بگڑا............ وجاہت بھی وہیں ہے اور اس کی دنیا بھی وہیں............ نہ ان کی دنیا کے دروازے میرے لئے بند ہوئے ہیں اور نہ ان کے دلوں کے............"

"تم بہت بدل گئی ہو ساجدہ!" عکس کے لہجے میں کچھ نرمی آ گئی۔

"دل پر ہاتھ رکھ کر کہو............ کہ کیا تم اس کا الزام مجھے دے سکتے ہو؟ اور کیا یہی بات میں ایک عرصے سے تمہارے بارے میں نہیں کہہ سکتی تھی؟" ساجدہ قدرے جارحانہ لہجے میں بولی۔

"تمہارے گلے شکووں کی جڑ یہی ہے نا کہ میں تمہیں اپنی دنیا میں لے کر نہیں جاتا اور نہ خود تمہاری دنیا میں رہنے کی تدبیر کرتا ہوں............ لیکن جب میں اس مسئلے کے حل کے عین قریب پہنچ چکا ہوں، تو تم آنکھیں پھیرنے لگی ہو............" عکس کا لہجہ مزید نرم ہوتا جا رہا تھا۔

"میں آنکھیں پھیرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں............ میں تو صرف مایوس ہوں............ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میرا سارا طرز عمل ایک مایوس عورت کا طرز عمل ہے؟ تم نے مجھے حقیقت اور خواب کے درمیان کہیں معلق کر دیا ہے۔ میں کسی ایک طرف ہو جانا چاہتی ہوں............ اور تم مسلسل مجھے یہی بتائے جا رہے ہو کہ بس اس مسئلے کا حل نکلنے والا ہے۔ یہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں............" ساجدہ بیزاری سے بولتی چلی گئی۔

عکس کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔ وہ مضطرب لہجے میں بولا............ "میں فیصلہ کر چکا ہوں............ میں تمہیں اپنی دنیا میں لے جاؤں گا لیکن اس کیلئے مجھے اپنی بیوی کو راستے سے ہٹانا ہوگا اور اس کے بعد اپنے تحفظ کا کچھ بندوبست کرنا ہوگا۔ میں نے اتنا اہم فیصلہ کر لیا ہے اور تم مجھ سے بدگمان ہو کر نہ جانے کیا کرتی پھر رہی ہو............"

"میں کچھ بھی کرتی نہیں پھر رہی تھی............" ساجدہ بولی............ "لیکن اب شاید مجھے کچھ کرنا ہی پڑے کیونکہ مجھے تمہاری باتوں کا اعتبار نہیں رہا............ جب اعتبار ہی اٹھ جائے تو رشتوں میں کچھ نہیں رہ جاتا............ جو فیصلہ تم مجھے سنا رہے ہو اس پر عمل کرنے میں شاید تمہیں چند سال اور لگ جائیں............ اس وقت تک میری عمر چالیس سے اوپر ہو چکی ہوگی............"

"اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی............" عکس کے لہجے میں ایک بار پھر تیزی آ گئی۔
"میں اس فیصلے پر شاید آج کل میں ہی عمل کر گزروں۔ یہ ایک سنگدلانہ فیصلہ ہے۔ لیکن اپنی سنگدلی کے ساتھ مجھے تمہاری سنگدلی پر بھی حیرت ہے۔ میں اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا تو

تم نے اس میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں لی۔ تمہیں ذرا بھی تاسف نہیں ہوا؟"

"میری نظر میں خود اپنی زندگی تاسف کا نمونہ بنی ہوئی ہے۔ میں کسی اور کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہوں؟ ویسے بھی میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا نہیں ہے۔ اس کے بارے میں میرے احساسات بس ایسے ہی ہیں جیسے کسی آسیبی سائے کے بارے میں ہوسکتے ہیں.........." ساجدہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں اب مزید باتیں نہ کروں.......... زبان سے کچھ نہ کہوں.......... میں اب تمہارے پاس اس وقت ہی آؤں گا جب میں تمہارا سب سے بڑا شکوہ دور کرنے کے سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھا چکا ہوں گا۔ بیوی کو ٹھکانے لگانا میرے لئے آسان کام نہیں ہے.......... یہ زندگی اور موت کی بازی ہے.......... لیکن تمہاری خاطر میں یہ بھی کر گزروں گا۔ شاید اس طرح ہی تمہیں میری وفا کا اعتبار آجائے.........." یہ کہہ کر عکس فوراً ہی غائب ہوگیا۔ اس نے ساجدہ کو کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔

اس کے جانے کے بعد ساجدہ سو نہیں سکی۔ اس کا ذہن ایک عجیب خلفشار کا مرکز بنا رہا۔ وہ عکس سے بہت بدظن ہوچکی تھی.......... لیکن کیا وہ حقیقتہً اس سے قطع تعلق کرنا چاہتی تھی؟ اس کا جواب بھی اس کے پاس اثبات میں نہیں تھا۔ وہ بہت الجھ گئی تھی۔ کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پارہی تھی.......... تقریباً پورا دن اس نے غنودگی زدہ ذہن کے ساتھ گزارا۔ شام کو وجاہت کا فون آگیا اور وہ یکدم اپنی تھکن وپژمردگی کو بھول گئی۔ وہ اسے ملنے کے لئے بلا رہا تھا۔ ساجدہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی اور اس سے ملنے چل دی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کا ذہن دھیرے دھیرے کسی فیصلے پر پہنچ رہا تھا۔

وجاہت نے اس کے لئے گویا دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے تھے۔ وہ کل کی گفتگو قطعاً بے نتیجہ رہنے کے باوجود ذرا بھی مایوس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ساجدہ کا ملتے رہنا ہی اس کیلئے ان گنت خوشیوں کا سبب تھا۔ باتیں شروع ہوئیں تو ایک بار پھر غیر محسوس طور پر نجی زندگی، شادی بیاہ سب کچھ زیر بحث آتا چلا گیا۔ پھر نہ جانے کس طرح غیرارادی طور پر ساجدہ، وجاہت کو عکس کے بارے میں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ وہ انہماک سے سب کچھ سنتا رہا۔ تاہم اس نے بہت زیادہ حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ بات اس تشنگی، عدم اطمینان اور بیزاری پر آکر ختم ہوئی جس سے ساجدہ آج کل دوچار تھی۔

وہ خاموش ہوئی تو وجاہت گہری سانس لے کر بوجھل سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایک ایسے راستے کی مسافر بنالیا ہے جس کی کوئی منزل نہیں۔ ابتداء میں یہ تمہیں یقیناً بہت خوبصورت محسوس ہوا ہوگا لیکن آگے چل کر یہ تمہارے لئے نہایت تکلیف دہ بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ تمہیں اپنی دنیا میں لے جانے کی بات کر رہا ہے۔ تم اس

وقت ہی اتنی غیر مطمئن ہو.......... اس کی دنیا میں جانے کے بعد کہیں خود اپنی نظر میں ہی نمونہ عبرت بن کر نہ رہ جاؤ.........."

"اسی اندیشے سے تو میرا دل ڈرتا ہے.......... لیکن اس کا حل کیا ہے؟" ساجدہ متوحش لہجے میں بولی۔

"تم میری پناہ میں آجاؤ.......... سب مسائل حل ہو جائیں گے.........." وجاہت بلاتامل بولا.......... "ہم اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں آئیڈیل بنائیں گے۔ جو زندگی تم گزار رہی ہو یہ بغیر بنیاد کے گھر کی طرح ہے.......... میں تمہیں بے پناہ پسند کرتا ہوں اور میری شادی کی تجویز اب بھی برقرار ہے.........."

"کیا تم عکس کی برہمی کا سامنا کرسکو گے؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کر ہی لوں گا.........." وجاہت کچھ سوچتے ہوئے بولا.......... "ہماری دنیا میں تو وہ داخل نہیں ہوسکتا.......... باہر بھی اس سے سامنا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔"

پھر وہ ساجدہ کا ہاتھ تھام کر اٹھتے ہوئے بولا.......... "آؤ.......... امی ابو کے سامنے بیٹھ کر اس مسئلے پر مشورہ کرتے ہیں۔ وہ مزید بہتر راستہ دکھا سکیں گے.........."

"مجھے ان کے سامنے یہ سب باتیں کرتے ہوئے شرم آئے گی.........." ساجدہ ہچکچاتے ہوئے بولی.......... "پھر کبھی سہی.........."

"اہم کام جتنی جلد ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے.........." وجاہت بولا۔

"ٹھہر جاؤ بدمعاش کہیں کے! اس بھولی بھالی عورت کو ورغلانے کی ضرورت نہیں.........." دفعتہً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے عکس ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وجاہت کے تاثرات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ بھی عکس کو دیکھ سکتا تھا۔ تاہم اس کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔

"میری بیوی کا ہاتھ فوراً چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں جلا کر خاک کر دوں گا.........." عکس غصے میں وجاہت کی طرف بڑھا۔ وجاہت نے ساجدہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ ذرا بھی خوفزدہ نظر نہیں آرہا تھا۔ عکس نے دونوں ہاتھوں کو زور سے رگڑا۔ اس کے ہاتھوں سے شرارے سے نکلے اور وجاہت پر شاید شراروں کی بارش ہوجاتی لیکن اس نے وہ لبادہ ہوا میں لہرا دیا جو وہ ساجدہ کو سمندر کی تہہ میں لے جانے کیلئے آج بھی ساتھ لایا تھا۔ شرارے اس سے ٹکرانے کے بجائے ادھر ادھر بکھر گئے اور معدوم ہوگئے۔

عکس یکدم اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں یقیناً بے اندازہ طاقت تھی۔ اس نے وجاہت کو اتنی قوت سے اٹھا کر پٹخا کہ اگر وہ کوئی عام آدمی ہوتا اور نیچے ریت کے بجائے پختہ یا نیم پختہ زمین ہوتی تو اس کی ہڈیاں چکنا چور ہوجاتیں۔ وہ چکرا سا گیا اور ریت پر پڑے ہی پڑے

سر جھٹک کر گویا آنکھوں کے سامنے آیا ہوا اندھیرا دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی لمحے عکس نے ایک بہت بڑا اور منوں وزنی پتھر اٹھا کر اس کے اوپر رکھ دیا۔ ایک عام آدمی شاید اتنے وزنی پتھر تلے دب کر مرجاتا لیکن وجاہت اس وزن کو برداشت کرتے ہوئے اسے اپنے اوپر سے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔

عکس ساجدہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا.......... "چلو.......... میں تمہیں لینے آیا ہوں.......... میں نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے.......... کچھ عرصے کیلئے ہمیں ایک جگہ روپوش رہنا پڑے گا۔"

ساجدہ نے بے بسی سے وجاہت کی طرف دیکھا۔ وہ شاید اس وقت بول نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ساجدہ کو منع کیا کہ وہ عکس کے ساتھ نہ جائے۔ اس سے پہلے کہ ساجدہ کسی فیصلے پر پہنچتی' دفعتہ" عکس کے تاثرات بدل گئے۔ وہ ہوا میں ایک طرف دیکھ رہا تھا اور سخت خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ سرگوشی کے سے انداز میں وہ بولا.......... میرے قبیلے کے لوگ آگئے.......... اس شخص سے الجھنے کی وجہ سے مجھے تاخیر ہوگئی.......... "ورنہ اب تک میں تمہیں لے کر اپنے قبیلے والوں کی رسائی سے نکل چکا ہوتا.......... لیکن اب یہ مجھے اسی وقت اور یہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے.......... میری بیوی کے قتل کے جرم میں.........."

دوسرے ہی لمحے واقعی گویا کچھ نادیدہ ہاتھ عکس کو پکڑ کر کھینچنے لگے۔ ساجدہ کو عکس کے سوا کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے عکس کے وجود سے شعلے بلند ہونے لگے۔ وہ بری طرح چیخنے لگا اور شاید ان شعلوں کو بجھانے کی غرض سے اس نے سمندر میں چھلانگ لگادی مگر وہ محض ایک کاغذی وجود کی طرح سمندر کی سطح پر لڑھکتا چلا گیا۔ شعلے پانی کی سطح پر بھی روشن رہے اور ان شعلوں میں عکس کا وجود دھیرے دھیرے غائب ہوتا جا رہا تھا.......... اس نے گویا مدد کے لئے ساجدہ کی طرف ہاتھ پھیلائے۔

ساجدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ اس کی کیا مدد کرسکتی تھی؟ وہ تو خود ہمیشہ اس کی مدد کی محتاج رہی تھی.......... لیکن اس لمحے عکس کے لئے اس کے دل میں وہی محبت امنڈ آئی جو ہمیشہ اس کا سرمایہ رہی تھی.......... وہ بے اختیار اور غیرارادی طور پر پانی کی طرف دوڑی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ پانی کی سطح پر چلتی ہوئی عکس تک پہنچ سکتی ہے اور اس کی کچھ نہ کچھ مدد کرسکتی ہے۔ اسے یہی محسوس ہوا جیسے وہ پانی پر اس طرح چل رہی ہے جیسے زمین پر.......... لیکن وہ عکس تک نہ پہنچ سکی۔ عکس کا وجود شعلوں میں غائب ہوگیا۔ شاید راکھ بن گیا.......... اور اسی دوران نہ جانے کیوں ساجدہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی ناک منہ میں پانی بھر رہا ہے.......... پھر سب کچھ اس کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ ایک لمحے کے لئے اسے شبہہ ہوا کہ شاید اس کے محسوسات نے اسے دھوکا دیا تھا۔ وہ پانی پر ایک قدم بھی نہیں چل

سکی بلکہ درحقیقت ڈوب ہی رہی تھی.......... لیکن کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے وہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہوگئی.........."

○---------☆---------○

اس ساحل پر چند فرلانگ کے فاصلے پر مچھیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ ایک مچھیرا اتفاق سے اس وقت ادھر سے گزر رہا تھا.......... دور سے ایک افسوسناک منظر دیکھ کر وہ خاصا پریشان ہوا.......... اس نے دیکھا اس ویران ساحل پر اس عورت کی شاندار گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ایک خوش لباس اور خوبصورت عورت معلوم ہوتی تھی۔ دولت مند بھی دکھائی دیتی تھی.......... اس کے باوجود نہ جانے کیوں خودکشی کرنے آئی تھی۔ ساحل پر دور دور تک اس عورت کے سوا کوئی نہیں تھا.......... اور وہ جیسے خواب کی سی حالت میں کھڑی تھی پھر اس نے ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے پانی میں اترنا شروع کردیا۔ اسے گویا احساس ہی نہیں تھا کہ لحہ بہ لحہ پانی اس کے گرد اونچا ہوتا جارہا تھا۔

مچھیرے نے ہمت کرکے دور سے پکارا.......... "بی بی..........! آگے مت جاؤ.......... پانی گہرا ہے.......... ڈوب جاؤ گی.........." مگر عورت گویا نہ تو کچھ دیکھ رہی تھی اور نہ کچھ سن رہی تھی۔ وہ بس ناک کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی حالانکہ ادھر بھی کچھ نہیں تھا.......... وہ چلتی چلی گئی.......... چلتی چلی گئی.......... حتیٰ کہ پانی اس کے سر سے اونچا ہوگیا۔ مچھیرے کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈوب گئی۔ تب گویا مچھیرے کو ہوش آیا۔ وہ اسے بچانے کیلئے دوڑا۔ اس نے پانی میں چھلانگ لگائی۔ اس عورت کی تلاش میں ادھر ادھر غوطے لگائے مگر لہریں اسے نہ جانے کہاں سے کہاں لے گئی تھیں۔

وہ اپنی بستی سے کچھ لوگوں کو بلانے دوڑا۔ اسے جانے اور لوگوں کو لے کر آنے میں خاصی دیر ہوگئی۔ وہ لوگ مل کر بھی اس عورت کو سمندر میں تلاش نہ کرسکے جو نہ جانے کیوں جانتے بوجھتے سمندر میں اتر گئی تھی۔ چند گھنٹے بعد موجوں نے خود ہی لاش کو ساحل پر لاپھینکا..........!

○---------☆---------○

ساجدہ کا سوئم بھی ہوچکا تھا۔ اس کا سابق شوہر رفیق' اس کا دور پار کا کزن ڈاکٹر عمیر' اس کے گروپ آف کمپنیز کا جنرل مینجر فیروز علی اور دیگر کئی لوگ رات گئے تک گہرے افسوس کے عالم میں ساجدہ کے گھر بیٹھے تھے۔ درودیوار پر سوگواری طاری تھی۔ جن مچھیروں نے سمندر کے کنارے لاش تلاش کی تھی ان کے بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ساجدہ نے خودکشی کی تھی.......... لیکن ان سب لوگوں کو اس کی خودکشی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ جنرل مینجر فیروز علی نے اسی لئے گھر آکر ساجدہ کے ذاتی سامان کو بھی کھنگالا تھا کہ شاید اس کی موت کی

وجوہات پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ اسی تلاش میں ساجدہ کی ڈائری اسے مل گئی تھی.......... اس نے رفیق اور ڈاکٹر عمیر کو بھی ساجدہ کی خودنوشت پڑھوادی تھی.......... مگر ان میں سے کوئی بھی اس کہانی پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ وہ کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتی تھی۔

"مگر اس نے باقی سب باتیں تو درست لکھی ہیں.........." رفیق ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا.......... "اس کی زندگی کا سفر تو اسی طرح طے ہوا.......... صرف یہ عکس والی باتیں.......... وجاہت حسین والی باتیں.......... یہ سب کسی دیوانے کا خواب لگتی ہیں.......... لیکن اگر یہ سب غلط ہے تو اس کا جواز کیا ہے؟ کیوں لکھا اس نے یہ سب کچھ؟"

ڈاکٹر عمیر کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا.......... "جس حد تک میں نے نفسیات پڑھی ہے، اس کی روشنی میں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نوجوانی سے ساجدہ کی زندگی میں اتنی محرومیاں تھیں کہ اس نے اپنی ایک الگ ہی خوابوں کی دنیا تخلیق کرلی تھی جہاں اس کی ساری تمناؤں کی تکمیل نظر آتی تھی.......... جو کچھ بھی اس نے لکھا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں.......... یہ سب محض اس کے خواب تھے.......... اس کی تشنہ تکمیل تمنائیں تھیں.........."

"لیکن اگر کسی غیبی قوت نے اس کی مدد نہیں کی تو اتنی معمولی لڑکی نے اتنی ترقی کیسے کی؟" رفیق نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ انسان اپنی ذہنی صلاحیتوں کا محض چند فیصد استعمال کرتا ہے.......... اگر کسی طرح انسان اپنی پوری ذہنی قوتوں کو استعمال کرنے کے قابل ہوجائے تو ناممکن کو ممکن بنا ڈالتا ہے.........." ڈاکٹر عمیر بولا.......... "میں سمجھتا ہوں کہ مایوسیوں اور محرومیوں کی انتہا کو پہنچ کر ساجدہ کا ذہن تلپٹ ہوگیا تھا۔ انتقاماً اس کی تمام خفیہ وخفتہ صلاحیتیں جاگ اٹھی تھیں۔ شاید اس کے ذہن کی مقناطیسی لہروں کی رسائی بڑے بڑے کاروباری رازوں تک بھی ہو جاتی ہو جن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اتنی تیزی سے ترقی کی.......... کچھ اسی قسم کے جواز ممکن نظر آتے ہیں.........." ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر عمیر اپنی وضاحتوں سے خود بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھا۔

رفیق نے ہچکچاتے ہوئے سامنے تپائی پر رکھی ڈائری اٹھالی اور بولا.......... "اگر آپ لوگوں کے خیال میں عکس کا قصہ.......... وجاہت کی ترقی یافتہ دنیا کا احوال.......... یہ سب کچھ ساجدہ کے محروم تخیل کی پیداوار تھا تو پھر یہ کرنسی نوٹ اس ڈائری میں کہاں سے آیا جس کا ساجدہ نے اپنی خودنوشت میں ذکر بھی کیا ہے؟"

اس نے ڈائری میں رکھا ہوا ایک عجیب وغریب نوٹ ہوا میں لہرایا جو اپنے میٹریل، ڈیزائن، خوبصورتی اور چھپائی کے اعتبار سے واقعی ایک شاہکار تھا۔ وہ سب ڈائری کا مطالعہ

کرتے وقت اس نوٹ کو دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے واقعی اپنی زندگی میں ایسی عجیب وغریب چیز نہیں دیکھی تھی۔

وہ سب خاموش رہے.......... رفیق کے سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ڈاکٹر عمیر کے پاس بھی علم نفسیات کی روشنی میں اس کی کوئی وضاحت نہیں تھی!

گھر کے در ودیوار پر چھایا ہوا سکوت کچھ اور گہرا ہوگیا.......... فضا کی سوگواری کچھ اور بڑھ گئی.......... لیکن دیوار پر آویزاں، ساجدہ کی بڑی سی رنگین پورٹریٹ مسکرا رہی تھی.......... وہ گویا انسانی سوچ کے محدود اور مجبور ہونے کا تماشا دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی!

-----ختم شد-----